بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرمُ التفاسیر

عَمَّ

حصہ اول

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

30

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

عَمَّ

حصہ اول

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

30

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

پارہ .... 30 حصہ اول
بارِ سوم .... نومبر 2017
تعداد .... دو ہزار
قیمت .... -/470 روپے
ناشر .... ملک عبدالقدیر اعوان
ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی
کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

www.QuranTafseer.net

الحمدُللہ قرآن تفسیر مکمل ہو جانے کے بعد حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے دورہ حدیث کا آغاز فرمادیا ہے جس میں مشکوٰۃ شریف احادیث کی شرح کا آغاز ہو چکا ہے جو آپ اس ایپلیکیشن میں سُن سکتے ہیں۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ Rate this app میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے Submit کر دیں۔

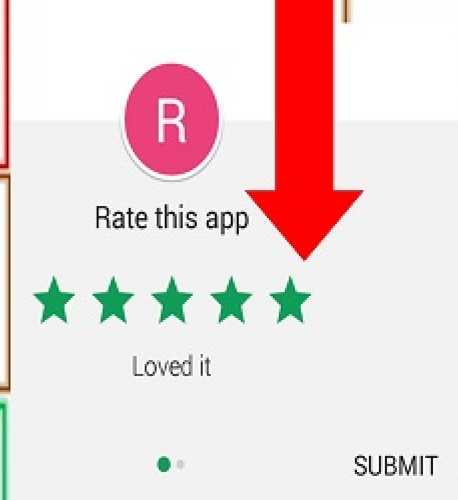

www.QuranTafseer.net

الحمدوللہ اس ویب سائیٹ سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور مزید آسانی سے لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے اب اسی ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی متعارف کروادی گئی ہے۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ Rate this app میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے Submit کر دیں۔

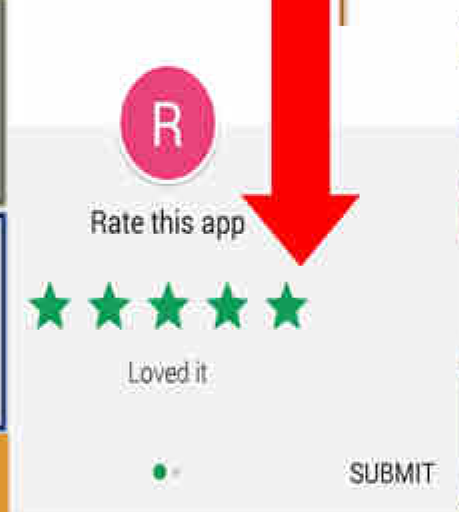

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ ،روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔

دیباچہ

جتنا شکر ادا کیا جائے اس ربّ کریم کا ادا نہیں ہو سکتا کہ اُس نے ہمیں قرآنِ حکیم بیان کرنے کی، سننے کی، عمل کی توفیق ارزاں فرمائی۔ چند گزارشات۔

اللہ کریم کا بے پناہ احسان ہے۔ میں عالم نہیں ہوں، مفتی نہیں ہوں، پڑھا لکھا انسان نہیں ہوں۔ مجھ سے میرے مالک نے جو چاہا وہ خدمت لی۔ اُس کا احسان ہے۔ اللہ نے توفیق دی قرآن کی خدمت کی اور دم آخر تک دیئے رکھے۔ اس کی اپنی لذّت ہے اور شاید ہر ایک کو اپنی اپنی لذّتوں کا احساس ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خادمہ مسجد صاف کیا کرتی تھیں، اُنؓ کا رات کو وصال ہو گیا۔ اب حجرۂ مبارک میں آواز دینے کی جرأت تو نہیں ہوتی تھی۔ جنازہ رکھنا حکم شرعی نہیں تھا۔ رات ہی کو جنازہ ہوا دفن کردی گئیں۔ بارگاہ عالی میں خبر ہوئی صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اُنؓ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ جنازہ پڑھا، دعا فرمائی۔ کسی صحابیؓ نے اُنؓ سے کشفاً پوچھا کہ بی بی نجات کے لیے کون سا عمل افضل ہے؟ انہوںؓ نے کہا مسجد میں جھاڑو دینا سب سے افضل بات ہے۔ اب اُنؓ کی نجات اسی عمل پہ ہو گئی تو جس کو جہاں سے ملتا ہے وہ سمجھتا ہے اس کی لذت اپنی ہے۔ بادشاہ کے لیے اگر خوانِ نعمت لذیذ ہے تو فقیر کے لیے سوکھی روٹی کی اپنی لذت ہے۔ ہر چیز کی اپنی لذت ہے۔ شب بیداری کی، تہجد کی، صلوٰۃ کی، حج کی نماز کی لیکن میں سمجھتا ہوں جو لذت قرآن پڑھنے، بیان کرنے، سننے، سمجھنے کی ہے شاید یہ بہت اچھی، سب سے اچھی ہے۔ جس کو جہاں سے جو ملتا ہے اُسے وہ اچھا لگتا ہے۔

قرآنِ کریم ایک انتہائی جلیل القدر کتاب ہے۔ فرمایا: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ۔ یہ ہے وہ کتاب۔ بلند مرتبہ، عظیم الشان۔ عربی میں قریب کے لیے ھٰذا استعمال ہوتا ہے۔ اصولاً یہاں ھٰذا آنا چاہیے تھا لیکن قرآن کی بلندیٔ شان بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے ذٰلِكَ استعمال فرمایا، اس میں میں بہت بڑی بات ہے کہ یہ ہے وہ کتاب۔ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ جس کے کسی حکم، کسی ارشاد، کسی بیان میں شبے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

نزول سے لے کر قیامت تک پورا نظامِ زندگی ہے۔ جس میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔ نزول سے لے کر قیامت تک زمانہ کتنی کروٹیں لے، کتنے نئے سوال پیدا ہوں، ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ اس بیسویں صدی تک علمائے تاریخ کے مطابق قرآن کی تقریباً ڈھائی لاکھ تفاسیر لکھی گئیں ہر زمانے میں کچھ لوگوں سے اللہ نے اس کی خدمت لی تو ڈھائی لاکھ کے قریب تفاسیر لکھی گئیں جن میں علمائے تاریخ کہتے ہیں کہ پچاس ہزار ایسی ہیں جو طبع نہ ہوسکیں جب مطبوعات نہیں تھے، وسائلِ پریس نہیں تھے، قلمی نسخے چلتے رہے۔ پھر بعد میں پریس آگئے۔ دو لاکھ ایسی ہیں جو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ اب اس صدی میں شاید اور بہت سی آ گئی ہوں گی وہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ یہ بھی کسی نے سوال کیا تھا کہ اتنی زیادہ کیوں لکھی گئی ہیں؟ بات یہ ہے کہ ہر عہد کی اپنی ضرورتیں، اپنے سوال ہیں، اپنے مسائل ہیں۔ یہ کتاب واحد ہے کہ نزول سے لے کر قیامت تک ہر عہد میں اللہ نے ایسے بندے پیدا فرمائے جنہوں نے اسی کتاب سے اس عہد کے سوالات کو حل کر دیا۔ ہم پریشان ہوتے ہیں کہ فلاں پرانی تفسیر اُٹھائی اُس میں میرا مسئلہ نہیں مل رہا۔ پریشانی کی بات نہیں آپ کا مسئلہ آج کا ہے اُنہوں نے اپنے عہد کے مسائل حل کیے ہیں۔ جس عہد میں تفسیر لکھی گئی ہے اس عہد کا کوئی مسئلہ ان لوگوں نے نہیں چھوڑا لیکن مستقبل کا خدا جانے۔ انہیں کیا خبر کب، کہاں، کون کون سا مسئلہ پیدا ہوگا؟ لہٰذا اللہ نے ہر دور میں کچھ لوگوں کو یہ خدمت عطا فرمائی۔ بہت سے لوگ، شیطان نے بھی تیار کیے مفسروں کے نام پر۔ آج بھی ایسی تفسیریں ملتی ہیں جیسے غلام احمد قادیانی نے بھی آیات کی تفسیر کی۔ اس طرح کچھ اور لوگ بھی جسارت کرتے رہے۔ میں نے تو ساری عمر سیدوں کے ساتھ شاہ سنا ہے۔ ایک سنا ہے کوئی احمد خان صاحب بھی سیّد ہوئے ہیں انہوں نے بھی ایک تفسیر لکھی۔ اُس میں بھی انہوں نے اسی طرح کی تک بندی کی تو کچھ ہوتے ہیں شیطان کے پیروکار جو اس طرح کی تک بندی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ سب کو معاف کرے۔

اللہ نے اپنے بندوں سے اپنے بندوں کی راہنمائی کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی خدمت کا اور قرآن کی خدمت کا کام لیا اور یوں ہر زمانے میں تفاسیر اس عہد کی راہنمائی کرتی رہیں۔ ہر تفسیر نے اپنے عہد کے سوالوں کے جواب دیے۔ میں قرآن بیان کیا کرتا تھا حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت پسند فرماتے تھے۔ تو آپؒ نے مجھے ایک دفعہ فرمایا، ایک تفسیر لکھو۔ 1984ء میں آپ کا وصال ہو گیا اللہ آپؒ پر کروڑوں

رحمتیں نازل فرمائے۔ 1987 میں، میں نے اُس ارشاد کی تعمیل میں اسرار التنزیل لکھنا شروع کی۔ بڑی عجیب بات ہے رمضان شریف میں شروع کی پہلے تین پاروں کی تفسیر لکھ لی۔ اسی دفتر میں بیٹھ کر لکھا کرتا تھا۔ اب جو یہاں سے دور ہو گیا ہے۔ تین پارے لکھے گئے۔ رمضان شریف گزر گیا پوری کوشش کی ایک لفظ نہ لکھا گیا۔ چھوڑ دیا۔ پھر رمضان شریف آیا پھر قلم چل پڑا۔ اگلے رمضان شریف میں تین پارے پھر لکھے گئے۔ یوں سلسلہ چلتا رہا۔ ہر رمضان شریف میں تین پارے پھر لکھے گئے۔ یوں سلسلہ چلتا رہا۔ غیر رمضان میں کچھ سمجھ نہیں آتی تھی۔

رمضان میں دَر وا ہو جاتا تھا۔ ایک سال درمیان میں بیماری کی وجہ سے تفسیر پر کام نہ ہو سکا۔ یوں گیارہ سال لگے۔ 1998ء میں الحمدللہ! اسرار التنزیل کے نام سے وہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے، عوام کے ہاں بھی علما کے ہاں بھی بہت مقبول ہوئی۔ میں امریکہ میں تھا نیویارک میں تھا تو ایک خاتون مجھ سے ملنے آئیں وہاں انہوں نے ایک اسلامک لائبریری الگ سے بنا رکھی ہے جس میں وہ لوگ اسلامی کتب جمع کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے عقائد نظریات، حالات پہ نظر رکھتے ہیں۔ وہ اس کی انچارج تھیں۔ ہمارے ایک وزیر رہے ہیں صاحبزادہ یعقوب خان وہ ان کی کزن تھیں عمر رسیدہ تھیں مجھے ملنے نیویارک آئیں تو انہوں نے بتایا کہ ہماری لائبریری نے بھی اسرار التنزیل منگوائی ہے میں نے پڑھی ہے بہت لطف آیا۔ اللہ نے اسے یہاں تک مقبولیت بخشی۔ حتیٰ کہ اسلام دشمنوں کو بھی ضرورت پیش آئی کہ یہ بھی دیکھی جائے۔ پھر ایک ٹیلی ویژن چینل نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں پنجابی میں قرآن کریم کی تفسیر نشر کریں۔ اللہ بھلا کرے وہ اس کا سبب بن گئے۔ انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا میں نے کہا جی بالکل بہت اچھی بات ہے ہم نے باقاعدہ ایک Sound proof کمرہ بنوایا۔ اس کی دیواریں چھت ریکارڈنگ کے قابل بنائیں۔ پھر کیمرے خریدے سارا انتظام کیا۔ اس میں ہم ریکارڈنگ کرتے اُنہیں بھیج دیتے CDs چلتی رہیں چلتی رہیں۔ اکسویں پارے تک تو وہ نشر کرتے رہے پھر ان کو کچھ باتیں تلخ لگیں تلخ تو نہیں تھیں اُن کی پسند کے خلاف تھیں تو وہ ناراض ہو گئے وہ ایک بہانہ بن گیا۔ انہوں نے بند کر دیا۔ لیکن ہم نے بند نہ کیا۔ انہوں نے تو اپنی پسند کے کوئی

مولوی لے کر خانہ پری کر لی لیکن ہم نے وہ جاری رکھی اور الحمد للہ! تیس پارے مکمل ہو کر پنجابی میں وہ ایک بیانیہ تفسیر بن گئی اب اُس کے بارے عبدالقدیر (ناظم اعلیٰ) بتا رہا تھا کہ اُسے ضبطِ تحریر میں لایا جا رہا ہے لیکن پنجابی میں اس کی پوری کیسٹیں، سی ڈیز دستیاب ہیں الحمد للہ!

پھر ہوا یہ کہ میری عادت ہے کہ ہمیشہ قرآن ہی بیان کرتا ہوں تو ہم ہر جمعہ پہ آتے کوئی تیاری نہیں ہوتی کوئی ذہن میں مضمون نہیں ہوتا کوئی حالات کی پروا نہیں ہوتی قرآن کریم کھولتے جہاں سے کھل گیا ایک دو چار آیات جن کی تفصیل بیان کر دی تو خیال آیا کہ جب تفسیر بیان کر ہی رہے ہیں تو اسرار التنزیل کی شرح کیوں نہ کر دی جائے! چنانچہ 2005 میں سورۂ فاتحہ سے شروع کر دی۔ یہ ساری اکرم التفاسیر اسرار التنزیل کی تفصیل ہے۔ اسرار التنزیل مجمل ہے یہ مفصل ہے وہ اجمالی سی ہے اُس میں بنیادی نکات ہیں اِس میں تفصیلی بحث ہو گئی تو یہ 2005 میں ہم نے شروع کی۔ آج الحمد للہ! بارہ سال بعد یہ اپنے نقطہء تکمیل کو پہنچ گئی اور اس میں عہدِ حاضر کے مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس میں واقعی کوئی کمال ہے تو وہ اللہ کی عطا ہے، اُس کا کرم ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ شفقت ہے۔ وہ توجہ ہے مشائخ عظام کی۔ وہ برکات ہیں شیخ المکرم کی۔ کیا لوگ تھے! جانے کہاں کھو گئے! یہ مسجد بن رہی تھی پرانے والی اور بہت وسیع تھی اس میں تقریباً آٹھ کینال جگہ ہے۔ مجھے اس لیے پتا ہے کہ میں نے آٹھ کینال بہترین ٹکڑا زمین کا دے کر یہ تبادلے میں لی تھی یہ بے کاری زمین تھی لیکن وہ بیچ نہیں رہا تھا میں نے کہا یار اچھی زمین لے لو یہ دے دو، تبادلے میں آٹھ کینال لی تھی تو یہ ایک ویرانہ تھا۔ یہ دکانیں یہ آبادیاں بعد میں بنیں کچھ کوئلے کے پیڑے تھے لیکن مکان نہیں تھے ایک دفتر تھا چھوٹی سی کوٹھڑی اور اتنی بڑی مسجد۔ حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ کھڑے تھے پھر رہے تھے دیکھ رہے تھے حضرت قاضی صاحب مرحوم ساتھ تھے اور احباب بھی تھے خادم بھی حاضر تھا تو کسی نے کہا اتنی بڑی مسجد اس ویرانے میں یہاں کون آئے گا؟ آپ اجتماع بھی کرتے ہیں بیس نہ سہی تو چالیس پچاس ساتھی آ جاتے تو اتنی بڑی مسجد! قاضی صاحب نے دیکھ کر فرمایا میں دیکھ رہا ہوں یہ کم پڑ جائے گی اور حقیقت یہ ہے کہ ہم انکار تو نہیں کرتے تھے ہمیں پتا ہوتا تھا یہ بندے سچے ہیں

اللہ کی طرف سے جانتے ہیں سچ بولتے ہیں لیکن حیرت مجھے بھی ہوئی کہ اتنی بڑی مسجد کم پڑ جائے گی! اللہ نے وہ وقت دیکھنا نصیب فرمایا کہ وہ مسجد کم پڑ گئی پھر جہاں ہم بیٹھے ہیں یہ سارا اضافہ کرنا پڑا اور اب یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہ کم پڑ رہا ہے۔ کیا لوگ تھے! کہاں تک ان کی نگاہیں تھیں! کیسے عجیب بندے تھے! یہ تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور جوتیاں اٹھانے والے لوگ تھے تو جو کمال ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ کہیں کوئی کوتاہی ہوگئی، بھول چوک ہوگئی، غلط بات، غلطیاں پرنٹنگ میں بھی ہوجاتی ہیں کتابت میں بھی ہوجاتی ہیں بعض مجھ سے بھی ہوجاتی ہیں کہیں کوئی غلطی ہے تو قصور میرا ہے۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ کسی صاحبِ علم کو، کسی ساتھی کو کوئی غلطی نظر آئے تو بڑی فراخدلی سے نشاندہی کردے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اصلاح کی گنجائش ہے۔ میں بھی توبہ کرلوں، رجوع کرلوں، اس کی اصلاح کرلوں۔ میرا کہنا حرفِ آخر نہیں ہے۔ میں بھی انسان ہوں، مجھے بھی سمجھنے میں بھول چوک، غلطی ہوسکتی ہے تو یہ اللہ کریم کا احسان ہے آج اس نے یہ دن دیکھنا نصیب فرمایا۔ الحمد للہ! اللہ اس کی برکات سے آپ سب کو بھی اور حاضر وغائب تمام احباب کو بھی، علامۃ المسلمین کو بھی مستفید فرمائے۔

اللہ اپنے اس کلام کے صدقے ہمارے ملک پر رحم فرمائے۔ اسے قائم رکھے، اس کے حالات درست ہوں، اس میں امن قائم ہو اور اس پہ انصاف کی حکومت اور اسلام کی حکومت قائم ہو۔ حقیقی معنوں میں یہ اسلامی پاکستان ہو، اسلامی جمہوریہ پاکستان ہمیں نہیں چاہیے ہمیں، اسلامی پاکستان چاہیے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں کسی پخ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام اسلام ہے بس اس کے بعد کچھ نہیں۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے، بڑے سے بڑے سوال کا جواب اسلام میں موجود ہے جو حق پر مبنی ہے۔ انصاف پر مبنی ہے۔ جو اللہ کا فیصلہ ہے اللہ ہمارے اس ملک کو اسلامی ریاست بنادے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

میرے یہ آخری چند الفاظ ہی اس تفسیر کا دیباچہ بن جائیں گے ان شآء اللہ العزیز

الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ رب العلمین

از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود شائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

امیر محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت ودوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا توان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قرآن نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

پارہ 30

حصہ اوّل

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورہ النبا رکوع 1 آیات 1 تا30	19
2	تفسیر و معارف	21
3	قیامت کی یقینی خبر:	21
4	جس دن صور میں پھونکا جائے گا:	25
5	دوزخ گھات میں ہے:	25
6	حقبہ:	26
7	سورہ النبا رکوع 2 آیات 31 تا40	28
8	تفسیر و معارف	29
9	اہلِ تقویٰ کامیاب ہو گئے:	29
10	پروردگارِ عالم کی شان:	30
11	آج راستہ کُھلا ہے، توبہ کرلو:	31
12	سورۃ النّٰزِعت رکوع 1 آیات 1 تا26	33
13	تفسیر و معارف	34
14	روح، ایک لطیفہ ربانی، جو بدن کو حیات اور دوام بخشتا ہے:	35
15	احکامِ الٰہی کی تکمیل کے لیے سرگرمِ عمل فرشتے:	37
16	قیامِ قیامت:	38
17	کرمِ الٰہی کی وسعتیں:	39
18	فرعون کا نتیجہ:	42
19	درسِ عبرت:	42
20	کیا کبھی ہم نے غور کیا؟	43
21	سورۃ النّٰزِعت رکوع 2 آیات 27 تا46	45
22	تفسیر و معارف	46
23	خالقِ کائنات کے لیے انسان کے دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں:	46
24	سرکشی کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے:	48
25	حقیقی دین، عملی زندگی کا نام ہے:	49
26	وطنِ عزیز اور قرآن کا پیغام:	50
27	جنت میں لے جانے والے اوصاف:	52
28	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ:	53
29	سورۃ عَبَسَ رکوع 1 آیات 1 تا42	55
30	تفسیر و معارف	57

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
31	نفع یقینی پر نفع موہوم کو ترجیح نہ دی جائے:	57
32	تزکیہ کے دو درجے:	58
33	قرآن کی عظمت:	60
34	ایک شرعی مسئلہ:	60
35	انسان کس بات پر اکڑتا ہے!	61
36	مُردے کو قبر میں دفن کرنا واجب ہے:	62
37	عطائے باری اور روشِ انسانی:	63
38	قیامت:	64
39	سورۃ التکویر رکوع 1 آیات 1 تا 29	66
40	تفسیر و معارف	67
41	اس معمورۂ عالم کا ایک انجام ہے:	67
42	بدن اور روح:	69
43	ہر عمل کا حساب ہوگا:	69
44	دارِ دنیا ایک بازار ہے:	70
45	قیامِ قیامت پہ گواہ:	71
46	قرآن بہترین نصیحت ہے:	73
47	جو اللہ کی رضا کا طالب ہوا اُسے اللہ راستہ دکھا دیتے ہیں:	77
48	سورۃ الانفطار رکوع 1 آیات 1 تا 19	78
49	تفسیر و معارف	79
50	قیامت کا زلزلہ:	79
51	اتنے کریم ربّ کے سامنے انسان کس بات پر اکڑتا ہے!	80
52	یومِ حساب:	83
53	سورۃ المطففین رکوع 1 آیات 1 تا 36	85
54	تفسیر و معارف	88
55	اسلام عملی زندگی کا نام ہے:	88
56	ڈنڈی مارنے والے تباہ ہوگئے:	89
57	بددیانتی، دراصل قیامت کا انکار ہے:	92
58	قلبِ انسانی پر کردار کا اثر:	94
59	دل پر زنگ لگنے کا نتیجہ کیا ہوگا؟	97
60	عِلّیّین:	98
61	لالچ ہی کرنا ہے تو اِن نعمتوں کا کرو:	99
62	اہل اللہ کا مذاق اڑانا، ایک سنگین جرم ہے:	101
63	ثواب کا معنیٰ ہے بدلہ:	104
64	سورۃ الانشقاق رکوع 1 آیات 1 تا 25	105
65	تفسیر و معارف	106
66	تکوینی اور تشریعی احکام:	106

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
67	انسان ہر لحہ بارگاہِ الٰہی کی طرف رواں ہے:	108
68	دائیں ہاتھ میں نامہِ اعمال پانے والوں کا حال:	109
69	بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ پانے والوں کا حال:	110
70	کیا یہ موت کا پیغام نہیں؟	111
71	افسوس! لوگ ایمان نہیں لاتے:	113
72	سجدہ تلاوت کا طریقہ:	113
73	ایمان کی تشریح:	114
74	سورۃ البروج رکوع 1 آیات 1 تا 22 تفسیر ومعارف	115
75	برج:	116
76	خندق والوں کا قصہ:	117
77	اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں:	122
78	پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے:	123
79	صفاتِ الٰہی احاطہ عقلِ انسانی نہیں کر سکتی:	124
80	قرآن کی شان:	126
81	لحہ فکریہ:	127
82	سورۃ الطارق رکوع 1 آیات 1 تا 17	129
83	تفسیر ومعارف	130
84	نظامِ کائنات کی بے ثباتی پر گواہ:	130
85	ہر متنفس پر محافظ فرشتے مقرر ہیں:	130

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
86	انسان! تیری حیثیت کیا ہے!	134
87	آسمان اور زمین کا نظام:	138
88	قرآن قولِ فیصل ہے:	139
89	اللہ کی اپنی تدبیر ہے:	139
90	سورۃ الاعلیٰ رکوع 1 آیات 1 تا 19	141
91	تفسیر ومعارف	143
92	اپنے پروردگار کے عظیم نام کی تسبیح کرو:	143
93	ربِ کریم کے احسانات:	144
94	انسان کی فطری استعداد:	146
95	قدرتِ باری کے مظاہر:	149
96	اللہ کریم نے براہ راست قلبِ اطہر میں وحی ثبت فرمائی:	150
97	نسخ کی مختلف صورتیں:	152
98	اللہ کریم ظاہر اور پوشیدہ سے یکساں باخبر ہیں:	153
99	اسلام زندگی کی سہل ترین راہ ہے:	154
100	عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو تو نصیحت اثر کرتی ہے:	156
101	فلاح پانے کے لیے تزکیہ اور تزکیے کے لیے ذکرِ اسمِ ذات لازم ملزوم:	158
102	ذکرِ اسمِ ذات:	160

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
103	دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دی جائے:	164
104	ذاکرین کے لیے لمحہ فکریہ:	165
105	سورۃ الغاشیۃ رکوع 1 آیات 1 تا 26	166
106	تفسیر و معارف	167
107	غیر شرعی مجاہدے کرنے والوں کا انجام:	167
108	اتباعِ شریعت ایک مجاہدہ ہے:	174
109	خالق نے اپنی مخلوق میں بے شمار کمالات رکھ دیے:	177
110	وعظ میں اثر کے لیے واعظ کے اوصاف:	178
111	سورۃ الفجر رکوع 1 آیات 1 تا 30	181
112	تفسیر و معارف	183
113	منظرِ قیامت پر گواہ:	183
114	صاحبِ شعور کے لیے دلیل:	184
115	شہروں میں بغاوت سے مراد:	186
116	بغاوت کا نتیجہ، فساد:	187
117	بغاوت کی دنیوی سزا:	188
118	عذابِ الٰہی تلواروں سے نہیں توبہ سے ہٹتا ہے:	190
119	'تاک میں ہے' سے کیا مراد ہے؟	191
120	اللہ سے بچھڑے ہوئے لوگ:	193
121	اللہ والوں کا اکرام:	196
122	اہل اللہ کی صحبت کا کمال:	197
123	سورۃ البلد رکوع 1 آیات 1 تا 20	199
124	تفسیر و معارف	200
125	شہرِ عظیم اور انسانی زندگی گواہ ہے کہ زندگی ایک محنت کا نام ہے:	200
126	انسان برائی پر کیوں لگ جاتا ہے؟	202
127	انسانی نفسیات:	203
128	ہر دل میں بھلائی اور برائی کی تمیز رکھ دی گئی ہے:	207
129	شریعت کا راستہ:	208
130	گھاٹی سے گزرنا کیا ہے؟	210
131	اسلام کے ضابطۂ حیات سے انکار، کفر ہے:	217
132	سورۃ الشمس رکوع 1 آیات 1 تا 15	220
133	تفسیر و معارف	221
134	کائنات کی ہر چیز گواہ ہے کہ ہر کام کا ایک فطری نتیجہ ہے:	221
135	انسان کو فطری طور پر نیکی اور بدی کی استعداد دی گئی ہے:	224
136	انسان کے انتخاب کا کیا نتیجہ نکلے گا؟	228
137	انبیاؑ کی تعلیمات سے انکار، اللہ سے بغاوت ہے:	231
138	لوگ انبیا کی تعلیمات کا انکار کیوں کرتے ہیں؟	232
139	اسلام کے معجزاتی نظام سے ہمارا سلوک:	233

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرة:32)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پارہ 30 عم یتسآءلون

سورۃ النبا رکوع 1 آیات 1 تا 30

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿٣﴾
كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿٦﴾
وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿٧﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿٨﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾
وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ
سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً
ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿١٦﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ
كَانَ مِيْقَاتًا ﴿١٧﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ
السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ
كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ
فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا
يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾
فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾

وہ کس بات کے بارے سوال کرتے ہیں ﴿۱﴾ بہت بڑی خبر کے بارے! ﴿۲﴾ جس میں یہ اختلاف رکھتے ہیں ﴿۳﴾ دیکھو! بہت جلد انہیں پتا چلے جائے گا ﴿۴﴾ پھر دیکھو! بہت جلد یہ جان جائیں گے ﴿۵﴾ کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا ﴿۶﴾ اور پہاڑوں کو میخیں ﴿۷﴾ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ﴿۸﴾ اور ہم نے نیند کو تمہارے لیے آرام دہ بنایا ﴿۹﴾ اور ہم نے رات کو پردہ بنا دیا ﴿۱۰﴾ اور دن کو ہم نے معاش کے لیے بنا دیا ﴿۱۱﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیے ﴿۱۲﴾ اور ہم نے (سورج کو) روشن چراغ بنا دیا ﴿۱۳﴾ اور ہم نے برستے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا ﴿۱۴﴾ تا کہ ہم اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں ﴿۱۵﴾ اور گھنے گھنے باغ ﴿۱۶﴾ بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے ﴿۱۷﴾ جس دن صُور میں پھونکا جائے گا پس تم گروہ در گروہ آ موجود ہو گے ﴿۱۸﴾ اور آسمان کھولا جائے گا تو دروازے بن جائیں گے ﴿۱۹﴾ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ﴿۲۰﴾ بے شک دوزخ گھات میں ہے ﴿۲۱﴾ سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے ﴿۲۲﴾ اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے ﴿۲۳﴾ وہاں نہ ٹھنڈک پائیں گے اور نہ کچھ پینے کے لیے ﴿۲۴﴾ سوائے کھولتے پانی اور پیپ کے ﴿۲۵﴾ پورا پورا بدلہ ﴿۲۶﴾ یقیناً یہ لوگ حساب کی اُمید ہی نہ رکھتے تھے ﴿۲۷﴾ اور ہماری آیات کو جھوٹ سمجھتے (اور) سخت جھوٹ قرار دیتے تھے ﴿۲۸﴾ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے ﴿۲۹﴾ لہٰذا (مزہ) چکھو ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے ﴿۳۰﴾

تفسیر و معارف

تیسواں پارہ شروع ہو رہا ہے اور اس کا آغاز سورۃ النبأ سے ہوتا ہے۔ سورۃ النبأ کا شمار اُن سورتوں میں ہوتا ہے جو مکّی حیاتِ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

قیامت کی یقینی خبر:

جس طرح مشرکینِ مکہ کے لیے توحیدِ باری نئی خبر تھی، اسی طرح قیامت اور آخرت میں حساب کتاب کی بات بھی اُن کے لیے نئی خبر تھی۔ وہ کہتے تھے کہ کائنات کے اتنے امور ایک اکیلا ربّ کس طرح چلا سکتا ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی وہ بہت حیران ہوتے تھے کہ جب سب مر کر مٹی ہو گئے ہڈیاں تک خاک میں مل گئیں پھر کیسے زندہ ہوں گے؟

فرمایا: عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③ کس بات کے بارے سوال کرتے ہیں۔ بہت بڑی خبر کے بارے! جس میں یہ اختلاف رکھتے ہیں۔

مشرکین کہتے تھے قیامت کیا ہے، کب ہوگی اور کیسے ہوگی؟ اللہ کریم فرماتے ہیں، یہ کس بات کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ کس بات پر بحث کرتے ہیں؟ یہ اُس بہت بڑی خبر کے بارے میں بحث کرتے ہیں جس کے واقع ہونے میں یہ اختلاف رکھتے ہیں کہ اس کا ہونا کیونکر ممکن ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے تو آج تک جو مرے ہیں اُن میں سے کوئی کیوں زندہ نہیں ہوا؟ اُن میں سے کیوں کوئی واپس نہیں آیا؟

فرمایا: كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤ دیکھو! بہت جلد انہیں پتا چل جائے گا۔ پھر دیکھو! بہت جلد یہ جان جائیں گے۔

فرمایا، گھبراؤ نہیں یہ سب جان جائیں گے کہ قیامت ایک ایسا عظیم واقعہ ہے کہ جب قائم ہوگی تو سب کو پتا چل جائے گا کہ ایسا ہو گیا ہے۔ پھر اس بات کو دہرایا کہ سب کو خبر ہو جائے گی۔ یہ لوگ جتنی بحث و تمحیص کرتے ہیں جتنی حجت بازی کرتے ہیں جب قیامت واقع ہوگی تو سب کو سب سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ اگر قیامت کی دلیل مانگتے ہیں تو آگے دلائل پر بحث فرماتے ہوئے فرمایا: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥ کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا۔

فرمایا، تمہیں قدرتِ باری پر شک ہو رہا ہے کہ مُردوں کو دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا اور کس طرح سب کے

اعمال جمع کیے جائیں گے؟ تمہیں یہ سب ناممکن نظر آتا ہے۔ کیا تم زمین کو نہیں دیکھتے جس پر تم رہتے ہو؟ جس طرح آرام کرنے کے لیے بستر ہوتا ہے جو ہر طرح سے آرام مہیا کرتا ہے اسی طرح کیا اللہ نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا نہیں بنا دیا؟ یہ تمہارے لیے ہر طرح کی غذائیں، دوائیں، زر و جواہر، مال و دولت اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کرتی ہے۔ زندوں اور مُردوں سب کو کفایت کرتی ہے، نسلِ انسانی کو سمورہی ہے۔ آج تک جتنے انسان مر چکے ہیں کیا اسی زمین میں نہیں سمائے؟ کیا اس سے زمین کا حجم بڑھا؟ پھر جتنے لوگ پیدا ہوتے ہیں اسی زمین سے پیدا ہوتے ہیں تو کیا زمین میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے؟ جتنا پھل، جتنی اجناس انسان کی غذائی ضروریات کے لیے اُگتی ہیں کیا اسی زمین سے نہیں آتیں؟ کیا اس سے زمین میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے؟ جتنا کچھ تم ضائع کرتے ہو کیا زمین میں نہیں جاتا؟ تمہاری ساری ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہم نے زمین کو ایک آرام دہ بچھونے کی طرح بنا دیا ہے۔ فرمایا: وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ اور پہاڑوں کو میخیں۔

اس زمین پر میخوں کی طرح پہاڑوں کو جگہ جگہ گاڑ دیا ہے تاکہ یہ متوازن رہے ڈولنے نہ لگے۔ اس کے وزن کو پورا رکھنے کے لیے تاکہ اس میں زلزلے نہ آئیں کہ ذرا سا جھٹکا بھی لگے تو کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے لہٰذا اس کو جما کر رکھنے کے لیے اس میں میخوں کی طرح پہاڑ گاڑ دیئے۔

ایک شخص کے حالات پڑھنے کا اتفاق ہوا جو دہریہ تھا پھر اُسے اللہ نے توفیق بخشی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ وہ خلا باز تھا۔ جب اسے خلا میں جانے کا اتفاق ہوا اور اُس نے خلا سے زمین کو دیکھا تو اسے معلق پایا کہ ایک گیند نما چیز فضا میں تیر رہی ہے۔ اس کو کسی طرف سے کوئی سپورٹ (SUPPORT) نہیں ہے تو وہ اللہ کا قائل ہو گیا کہ کوئی ہے جس نے اسے معلق رکھا ہوا ہے۔ یہ از خود ممکن نہیں کہ اتنی بڑی کائنات، اتنی مخلوق کو لے کر ہوا میں معلق ہے۔ اس میں اتنے انسان، جانور، چرند پرند، سمندر پہاڑ بے شمار مخلوق ہے لیکن یہ معلق ہے کسی جگہ ٹکی ہوئی نہیں ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے اس کو برابر رکھنے کے لیے اس میں میخوں کی طرح پہاڑ گاڑ دیئے۔ فرمایا: وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔

یہ اللہ کریم کی عجیب قدرت بھی ہے اور نعمت بھی ہے کہ مرد اور عورت کو بطور جوڑا پیدا فرمایا۔ اگر جوڑے نہ ہوتے اور لوگ زمین سے اُگتے یا درختوں سے لگتے یا ہوا میں بنتے تو کوئی کسی کا کچھ نہ لگتا ہر کوئی جانوروں کی طرح بے تعلق رہتا۔ اللہ کا احسان ہے کہ مرد و عورت بنا کر انسانی رشتے قائم کر دیے۔ اس کی قدرت ہے کہ باپ کو پتا ہے نہ ماں کو کہ بیٹا پیدا ہو گا یا بیٹی لیکن وہ قادرِ مطلق جانتا ہے کہ بیٹا دے گا یا بیٹی دے گا۔ پھر کتنا میٹھا رشتہ ہے والدہ کا! کتنی

تکلیف اُٹھا کر بچے کی ساری ضرورتیں پوری کرتی ہے، کس پیار سے پالتی ہے۔ کتنا خوبصورت رشتہ ہے باپ کا، کس طرح دن بھر مشقت کر کے جو کچھ کماتا ہے وہ بچوں پر خرچ کرتا ہے! کتنا خوبصورت رشتہ ہے بہن بھائیوں کا اور کتنا خوبصورت رشتہ بنا دیا میاں بیوی کا اور انہیں کتنے پیارے پیارے بچے دے دیے! اگر جوڑا جوڑا نہ بناتا پھر یہ سسرال، ننھیال، ددھیال، یہ ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد وغیرہ یہ محبتیں جو معاشرے میں ان رشتوں کی وجہ سے بن جاتی ہیں، یہ نہ ہوتیں۔ اسی لیے رشتوں کو توڑنا بہت بڑا گناہ ہے کہ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ فرمایا: وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾ اور ہم نے نیند کو تمہارے لیے آرام دہ بنایا۔

اللہ کریم نے تمہاری زندگی میں ایک عنصر نیند کا بنا دیا جو انتہائی آرام دہ ہے کہ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان جب نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے تو اس کا بدن اپنی کھوئی ہوئی توانائی بحال کر لیتا ہے۔ جس طرح اسے کام کی مشقت دوڑ دھوپ کی تکلیف دی اس کے مقابلے میں نیند کا آرام بھی دے دیا جو شاہ و گدا سب کو یکساں عطا کر دیا۔ اگر امرا اور بادشاہوں کو نیند دی تو فقیروں گداگروں محتاجوں کو بھی محروم نہیں رکھا۔ بسا اوقات کچھ لوگوں کو بیماری ہو جاتی ہے کہ اُنہیں نیند نہیں آتی۔ اُن کی راتیں جاگ کر گزرتی ہیں۔ اگر اُن سے پوچھا جائے تو وہ جانتے ہیں کہ نیند کی کیا قدر و قیمت ہے، انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے!

فرمایا: وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ "اور ہم نے رات کو پردہ بنا دیا"۔ اللہ کریم نے نیند کے لیے رات کی تنہائیاں، خاموشیاں بنا دیں اور رات کو لباس کی طرح پہنا دیا۔ پوری فضا خاموش ہو جاتی ہے، چرند پرند خاموش ہو جاتے ہیں۔ کاروبارِ حیات بند ہو جاتا ہے، ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے اور ہر کوئی آرام سے، اطمینان سے سو سکتا ہے۔ فرمایا: وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ "اور دن کو ہم نے معاش کے لیے بنا دیا" فرمایا، رات کا ایک مخصوص وقت رکھا، رات گزر جاتی ہے اور دن ہو جاتا ہے۔ انسان تر و تازہ ہو کر صبح اٹھتا ہے اور اپنے امورِ دنیا انجام دیتا ہے۔ صبح اُٹھ کر اپنے دنیوی کاموں کو محنت اور مشقت سے سرانجام دینے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

فرمایا: وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیے۔

فرمایا، تمہارے سروں پر سات آسمان بنا دیے جو ہر طرف سے زمین کو محیط ہیں۔ ان آسمانوں کے سات طبقے ہیں جن میں الگ مخلوق کا الگ نظام ہے۔ سارا نظامِ شمسی یا نظامِ آسمانی زمین کی طرف متوجہ ہے اور تمہارے لیے انتظام و انصرام میں لگا ہوا ہے۔ فرمایا: وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾ اور ہم نے (سورج کو) روشن چراغ بنا دیا۔ فرمایا، ہم نے آسمانوں میں ایک روشنیاں بانٹنے والا سورج بنا دیا جو انسانوں حیوانوں، پرندوں، آبی جانوروں، جنات

اور زمین کے ذرّات سے نمو پانے والے ذرا ذرا سے تنکوں تک کو حیات بخش رہا ہے۔ گویا یہ سورج دنیا کی زندگی کا، اس کی رونقوں کا بنیادی سبب بن رہا ہے۔ رات کی آغوش میں سوئی ہوئی کائنات سورج کی کرنیں آنے پر جاگ اٹھتی ہے اور ہر طرف چہل پہل ہو جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآنِ کریم میں ربِّ ذوالجلال نے وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (الاحزاب:46) فرمایا ہے یعنی روشنیاں بانٹنے والا سورج، روشنیاں بانٹنے والا چراغ۔ جس طرح جسمانی اور مادّی زندگی ہے اسی طرح انسان کی روح اور روحانی حیات بھی ہے اور اس کی ایک روحانی کائنات بھی ہے۔ جس طرح مادّی حیات کا مدار سورج پر ہے اسی طرح روحانی زندگی اور اس کی کائنات کا مدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوتِ عالیہ پر ہے۔ دنیا میں بھی روشنی کے لیے سورج کے سامنے آنا پڑتا ہے اگر کوئی غاروں میں اتر جائے تو تاریکی ہی نصیب ہوگی کیونکہ سورج کسی کے پیچھے غاروں میں نہیں آتا۔ اسی طرح روحانی حیات کے لیے بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں حاضر ہونا پڑتا ہے، ایمان لانا پڑتا ہے، دامنِ نبوت تھامنا پڑتا ہے۔ جو تھام لیتا ہے اسے حیاتِ دوام نصیب ہوتی ہے۔ کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہوں نے نہ صرف دامانِ رسالت تھاما بلکہ اُس شمسِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روشنی اور نور حاصل کیا اور اُسے آنے والی نسلوں تک پہنچایا! ان میں سب سے اعلیٰ صحابہ کرامؓ کی جماعت، پھر تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور پھر علمائے حق، اولیا و صوفیا کرام جنہوں نے عمر بھر اسی نعمت کے لیے محنتیں اور ریاضتیں کیں۔ اُنہوں نے اپنے سینے منور کیے اور دوسروں کے لیے نور حاصل کرنے کا سبب بن گئے۔ ان خوش نصیبوں نے اپنی زندگیاں اسی کام میں لگا دیں۔

فرمایا: وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ اور ہم نے برستے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔

اگر بادلوں کو دیکھا جائے تو بخارات سے اڑ رہے ہوتے ہیں، ایک دھواں سا ہوتا ہے لیکن جب برستے ہیں تو اتنا پانی برسا دیتے ہیں کہ جل تھل ہو جاتا ہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہو جاتا ہے۔ فرمایا: لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ ''تا کہ ہم اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں۔ اور گھنے گھنے باغ۔'' فرمایا، اس پانی سے ہم تمہاری ضروریات پوری کرتے ہیں غلّہ اُگاتے ہیں، سبزہ اُگاتے ہیں۔ انسان، حیوان، چرند پرند ہر ایک کی غذا پیدا کرتے ہیں۔ گھنے گھنے باغ جو سرسبز و شاداب ہوتے ہیں اور سبزیاں، پھل، میوہ جات جانوروں کا چارا، بھوسا، ہر چیز پیدا ہوتی ہے۔ کیا یہ سارا نظام اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ حیات ہے تو موت بھی ہے؟ اگر بھوک ہے تو غذا بھی ہے اور غذا ہضم ہو جاتی ہے تو پھر بھوک لگ جاتی ہے۔ دن ہے اور رات بھی ہے، زندگی کے ساتھ موت بھی

ہے۔ جہاں اناج، سبزہ غلّہ پیدا ہوتا ہے تو پھر گل سڑ کر مٹی میں بھی مل جاتا ہے۔ کیا دنیا میں ہر چیز کے نظام کا ایک انجام نظر نہیں آ رہا؟ جب ہر نظام میں ایک ابتدا ہے، ایک انتہا ہے تو اس نظامِ کائنات کی بھی تو ایک حد ہوگی۔ فرمایا: اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے۔

فرمایا، یہ بات طے شدہ ہے کہ فیصلے کا بھی ایک دن معین ہے۔ یہ دنیا کا نظام لپیٹ دیا جائے گا۔ سب کچھ ختم ہو جائے گا پھر کردار جانچے جائیں گے اور فیصلے صادر ہوں گے۔

جس دن صور میں پھونکا جائے گا:

فرمایا: يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ جس دن صور میں پھونکا جائے گا پس تم گروہ در گروہ آ موجود ہو گے۔

فرمایا، جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو لوگ فوج در فوج میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ دنیا میں تو ایک ایک کر کے آتے ہیں، کوئی کسی گھر میں، کوئی کسی گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ کوئی بادشاہ کے گھر کوئی گدا کے گھر پیدا ہوتا ہے لیکن میدانِ حشر میں ماں کے بطن سے پیدا نہیں ہوں گے۔ صلبِ پدر سے شکمِ مادر تک پہنچنے والا، پھر پیدا ہونے والا سارا معاملہ ہو چکا، اس سے گزر چکے۔ ساری زندگی کا سفر طے کر کے خاک میں ملے تو اب خاک سے اُٹھ کر زندہ ہو کر، فوج در فوج، لشکروں کے لشکر، گروہ در گروہ میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ فرمایا: وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ اور آسمان کھولا جائے گا تو دروازے بن جائیں گے۔

اس دن آسمان پھٹ جائیں گے، کھل جائیں گے اور اُن میں بے شمار دروازے بن جائیں گے۔ آسمانوں میں راستے بن جائیں گے اور فرشتے نازل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ یہ سب نظر آ رہا ہوگا۔ میدانِ حشر، جنت، دوزخ، فرشتے، حساب کتاب، ہر چیز سامنے آ جائے گی۔ فرمایا: وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

جب صور پھونکا جائے گا تو آواز کا اتنا بڑا زلزلہ ہوگا کہ آسمان پھٹ جائیں گے تو زمین کا کیا حشر ہوگا۔ زمین پر پہاڑ ریت کے ذرّوں کی طرح بکھر جائیں گے۔

دوزخ گھات میں ہے:

فرمایا: اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾

”بے شک دوزخ گھات میں ہے۔ سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے۔ اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے“۔ فرمایا، یقیناً

دوزخ انتظار میں ہے، راہ تک رہی ہے۔ 'مرصاد' کہتے ہیں جیسے کوئی گھات لگا کر بیٹھا ہوتا ہے۔ جیسے شکاری چھپ کر گھات لگا کر شکار کا انتظار کرتا ہے کہ شکار آئے گا تو جھپٹ لوں گا۔ اسی طرح جہنم بھی راہ تک رہی ہے اُن سرکشوں کا جنہوں نے دنیا میں اللہ سے سرکشی کی، اللہ کے انبیاؑ سے سرکشی کی، اُن کی بات نہ مانی۔ ان لوگوں نے اللہ کریم کی نعمتیں استعمال کیں، اُس کی مخلوق ہوتے ہوئے، اُس کا دیا کھاتے پیتے ہوئے، اُسی ربّ کریم کی بات سننا گوارا نہ کی۔ چنانچہ جہنم بھی اُن کی راہ تک رہی ہے، اُن کی آمد کی منتظر ہے کہ انہوں نے بھی زندگی بھر جہنم ہی کی طرف سفر کیا ہے۔ یہی اُن کا ٹھکانہ ہے، اب اُن کا گھر جہنم ہے۔

حقبہ:

فرمایا، یہ سرکش حقبوں کے حساب سے دوزخ میں رہیں گے۔ حقبہ ایک مدت کا نام ہے۔ جس طرح ہفتہ، مہینہ، سال، صدی وغیرہ تو کئی صدیوں، بلکہ کروڑوں صدیوں سے ایک حقبہ بنتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کا ایک حقبہ بنتا ہے۔ فرمایا، یہ لوگ کئی حقبے دوزخ میں رہیں گے یعنی پونے تین کروڑ سال کا تو ایک حقبہ ہوگا اور یہ لوگ کئی حقبے دوزخ میں رہیں گے۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ایمان تو لائے لیکن اتباع نہیں کیا۔ کافر کے لیے تو دوزخ میں خلود ہے، وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہ وہ برائے نام مسلمان ہوں گے جو دعویٔ اسلام تو رکھتے تھے لیکن کردار اسلامی نہیں تھا بلکہ کافرانہ تھا۔ یہ جھوٹ بول لیتے تھے، سود کھا لیتے تھے، دوسروں کے حقوق غصب کر لیتے تھے۔ انہیں دوزخ میں کئی حقبے رہنا پڑے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیثِ عالی کا مفہومِ عالی ہے کہ جو مسلمان دوزخ میں چلا گیا پھر وہ بھگتے گا، پھر وہ کئی حقبے رہ کر ہی نکلے گا۔ جس پر اللہ نے رحم کر دیا، جسے بخش دیا، بخش دیا لیکن جو دوزخ چلا گیا پھر وہ اس سے جلدی باہر نہیں آئے گا جبکہ کافر ہمیشہ دوزخ میں ہی رہے گا۔

یہ کافر دوزخ میں ہمیشہ کیوں رہے گا جبکہ اس نے بھی اگر گناہ کیا تو پچاس، ساٹھ سال، سو سال یا جن کی چار چار سو سال عمریں تھیں اُنہوں نے چار سو سال گناہ کر لیے۔ ان کو ایک ختم نہ ہونے والی مدت کے لیے عذاب کیوں؟ پھر عذاب بھی ایسا کہ فرمایا: لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ وہاں نہ ٹھنڈک پائیں گے اور نہ کچھ پینے کے لیے۔ سوائے کھولتے پانی اور پیپ کے۔

فرمایا، جہنم میں کہیں ٹھنڈک کا کوئی تصور نہیں ہے اور نہ ہی وہاں پینے کو کچھ ملے گا۔ وہاں آگ میں جل رہے ہوں گے اور جہنم کی آگ صرف جلد کو نہیں جلا رہی ہوگی بلکہ بدن کے ایک ایک سیل (CELL) کو جلائے

گی۔ وہاں کھانے پینے کے لیے جہنم کا کھولتا ہوا پانی اور جلنے والوں کے اپنے زخموں سے بہنے والی پیپ اور خون، غذا ہوگی۔ فرمایا: جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ پورا پورا بدلہ۔

فرمایا، یہ ان کے کردار کا پورا پورا بدلہ ہے۔ یا اللہ! انہوں نے گناہ تو چند سال کیے لیکن عذاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے؟ تو فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ ''یقیناً یہ لوگ حساب کی امید ہی نہ رکھتے تھے۔'' فرمایا، یہ تو ہم نے ان کی زندگی ختم کر دی، اگر انہیں ہمیشہ کی زندگی ملتی تو یہ ہمیشہ کفر ہی کرتے۔ انہیں تو حساب کتاب کی امید ہی نہیں تھی۔ یہ خود تو نہیں مرے، یہ تو ہم نے ان کی مہلت ختم کر دی، انہیں موت دے دی۔ اگر ان کی زندگی ہمیشہ رہتی تو یہ ہمیشہ کفر کرتے کہ انہیں حساب کتاب کی امید ہی نہیں تھی اور چونکہ یہ ہمیشہ کفر پر ہی جمے رہتے لہٰذا اب یہ جہنم میں بھی ہمیشہ رہیں گے۔ یہ حساب کتاب کی توقع نہیں رکھتے تھے، ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔ فرمایا: وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ اور ہماری آیات کو جھوٹ سمجھتے (اور) سخت جھوٹا قرار دیتے تھے۔

فرمایا، یہ لوگ ہماری آیات کو بڑی سختی سے جھٹلاتے تھے، بڑی شدت سے انکار کرتے اور برملا کہتے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ فرمایا: وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ لہٰذا (مزہ) چکھو ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔

فرمایا، ہم نے تو ہر چیز لکھ رکھی ہے جو کسی کا ارادہ، نیت اور کردار تھا سب ضبطِ تحریر میں ہے۔ اب دوزخ میں مزے کرو کہ یہ عذاب ایسا ہے کہ اس میں زیادتی تو ہوتی رہے گی، کبھی کمی نہیں ہوگی۔ جس طرح جنت میں نعمتوں کی لذتوں اور کیفیات میں زیادتی ہوتی رہے گی، جہنم میں اس کے عذابوں میں بھی زیادتی ہوتی رہے گی۔

سورۃ النبا رکوع 2 آیات 31 تا40

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا
دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً
حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ
خِطَابًا ﴿۳۷﴾ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ
لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ
مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ
وَیَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

بے شک پرہیز گاروں کے لیے کامیابی ہے ﴿۳۱﴾ باغات اور انگور ﴿۳۲﴾ اور ہم عمر
نوجوان دوشیزائیں ﴿۳۳﴾ اور مشروبات کے چھلکتے ہوئے گلاس ﴿۳۴﴾ نہ اس میں
بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ ﴿۳۵﴾ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے،
بہت بڑا انعام ﴿۳۶﴾ وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو ان دونوں کے درمیان ہے سب
کا پالنہار ہے بڑا رحم کرنے والا، کسی کو اُس سے بات کرنے کا یارا نہ ہوگا ﴿۳۷﴾ جس دن
روح (الامین) اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے کوئی بول نہ سکے گا سوائے اس
کے جس کو اُس بڑے رحم کرنے والے نے اجازت بخشی اور اس نے بات بھی درست کی
ہو ﴿۳۸﴾ یہ دن برحق ہے پس جو چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنالے ﴿۳۹﴾ ہم
نے تم کو عنقریب آنے والے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے جس دن ہر شخص اُن اعمال کو دیکھ
لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے اور کافر کہے گا اے کاش! میں مٹی ہو جاتا ﴿۴۰﴾

تفسیر و معارف

اہلِ تقویٰ کامیاب ہو گئے:

فرمایا: اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۝ بے شک پرہیز گاروں کے لیے کامیابی ہے۔

جن لوگوں نے دنیا میں تقویٰ اختیار کیا، اللہ کی اطاعت کی اور اس کی ناراضگی سے ڈرتے رہے، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامانِ رحمت تھاما اور اطاعت کی وہ کامیاب ہو گئے۔ جس لمحے سرکشوں کو جہنم میں پھینکا جا رہا ہوگا، وہی لمحہ ان متقیوں کے لیے نویدِ سحر اور خوشخبری کا لمحہ بن جائے گا۔ قیامت ان کے لیے خوشی کا سبب بن گئی۔

فرمایا: حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۝ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝ ''باغات اور انگور۔ اور ہم عمر نوجوان دوشیزائیں۔''

فرمایا، اہلِ تقویٰ تو اس روز باغات میں بیٹھے انگور کھا رہے ہوں گے، پھل کھا رہے ہوں گے اور اُن کے ساتھ اُن کی ہم عمر جوان عورتیں ہوں گی۔ جس طرح دنیا میں عورت راحت و سکون کا سبب ہے۔ وہ ماں کے روپ میں ہو، وہ بہن کے روپ میں ہو، بیوی کے روپ میں ہو یا بیٹی کے روپ میں ہو۔ اللہ کریم نے زندگی کا سکون عورت کے روپ میں رکھا ہے۔ جن لوگوں کا اپنی ماؤں سے جھگڑا رہتا ہے اُن کی زندگی کتنی بے زار ہوتی ہے یہ وہ ہی جانتے ہیں۔ جو لوگ بیٹیوں سے لڑتے رہتے ہیں، بہنوں سے یا بیویوں سے جھگڑتے رہتے ہیں یہ رویہ اُن کی زندگی کو بہت تلخ بنا دیتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم: 21) ''اور تمہارے (میاں بیوی کے) درمیان محبت اور ہمدردی پیدا فرمائی۔'' فرمایا، ہم نے تمہارے درمیان محبت کا رشتہ رکھا ہے ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا ساتھی بنا دیا ہے۔ دنیا میں خاتون کو راحت کا سبب بنایا ہے تو وہاں بھی ہم عمر جوان عورتیں عطا ہوں گی۔ جو بھی جنت میں جائے گا، وہ بچہ ہوگا نہ بوڑھا بلکہ نوجوان بن کر جائے گا۔ وہاں مرد و خواتین سب ہمیشہ نوجوان ہی رہیں گے۔

ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو دنیا میں ایمان لائیں، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن تھام کر دنیا سے اطاعت گزاری میں رخصت ہوئیں۔ سب سے اعلیٰ مقام ان کا ہے۔ پھر جنت کی مخلوق حوریں بھی بہت اعلیٰ مخلوق ہیں، جو جنت میں ہی پیدا کی گئی ہیں، جنتیوں کو عطا ہوں گی۔ یہ بہت خوبصورت، نوجوان عورتیں جنتیوں پر حلال ہوں گی لیکن اعلیٰ درجہ اُن خواتین کا ہوگا جو دنیا میں ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایمان لائیں اور پُر مشقت زندگی گزاری، حلال پر قائم رہیں اور حرام سے بچتی رہیں۔ حوریں جنت کی مخلوق ہیں، وہ دنیا میں نہیں آئیں۔ اُنہوں نے دنیا کے دکھ اور تکلیف نہیں اٹھائی، نفس کا مقابلہ نہیں کیا لہٰذا وہ خادمائیں ہوں گی۔ دنیا کی خواتین کے مقابلے میں بھی حوریں کنیزیں

ہوں گی خواہ کتنا اعلیٰ درجہ رکھتی ہوں۔ فرمایا، ان کے پاس نوجوان، ہم عمر عورتیں ہوں گی۔ دنیا میں جوان کی بیویاں ہیں وہ بھی اور جو جنت میں عطا ہوں گی وہ بھی اور فرمایا: وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ ''اور مشروبات کے چھلکتے ہوئے گلاس۔ نہ اس میں بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔''

فرمایا، ان جنتیوں کے پاس نوجوان ہم عمر عورتیں ہوں گی اور چھلکتے ہوئے جام ان کے پاس لائے جائیں گے۔ وہ جام پہ جام لٹا رہے ہوں گے اور وہاں نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی نہ ہی جھوٹ بولا جائے گا۔ یہ ایسے جام نہیں ہیں جو دنیا میں لوگ پیتے تھے اور لغو بکنے لگتے تھے۔ یہ جنت کے جام میں ان میں راحت ہے، سکون ہے۔ ان کو نوش کرنے سے منہ سے کوئی فضول بات نکلے گی نہ جھوٹ نکلے گا بلکہ قرآن فرماتا ہے: اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (سورۃ واقعہ:26) سوائے اس کے کہ (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔ جنت کے جام ایسے ہیں کہ اسے پی کر صرف سلامتی کی دعائیں نکلتی ہیں۔

پروردگارِ عالم کی شان:

فرمایا: جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے، بہت بڑا انعام۔ فرمایا، یہ تو تمہارے پروردگار کی طرف سے انعام ہے، صلہ ہے جس کے انعام بے حساب ہوا کرتے ہیں۔ تم نے جو کام کیے وہ تمہاری بساط کے مطابق تھے، انسانی جرأت و ہمت کے مطابق تھے۔ جو وہ عطا کرے گا وہ اس کی شان کے مطابق ہوگا اس کی عظمت کے مطابق ہوگا، بہت زیادہ ہوگا۔

اُس پروردگار کی شان معمولی نہیں ہے، فرمایا: رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پالنہار ہے۔ بڑا رحم کرنے والا، کسی کو اُس سے بات کرنے کا یارا نہ ہوگا۔

فرمایا، وہ پروردگارِ عالم ہے، اُس کی شان یہ ہے کہ وہ ارض و سما کا مالک ہے، خالق ہے۔ سب کو پیدا کرنے والا، قائم رکھنے والا ربّ ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کا بنانے والا بھی اور اُن کا چلانے والا بھی اللہ ہے۔ کائنات کی ہر چیز یعنی جو کچھ ارض و سما میں ہے اس کی رحمانیت سے قائم ہے وہ سب کا ربّ ہے۔ اس کی بارگاہ میں کوئی دم نہیں مار سکے گا۔ وہاں کوئی عذر اور معذرت نہیں کر سکے گا، کوئی جھوٹ یا حیلہ بہانہ نہیں چلے گا۔

فرمایا: يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا۔۔۔ ''جس دن روح (الامین) اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے۔'' فرمایا، اس دن فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل روح الامین اور تمام فرشتے دست بستہ،

صف بستہ کھڑے ہوں اور فرمایا: لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ کوئی بول نہ سکے گا سوائے اس کے جس کو اُس بڑے رحم کرنے والے نے اجازت بخشی اور اُس نے بات بھی درست کی ہو۔ اس دن کوئی لب نہیں کھولے گا سوائے اُس کے جسے اللہ جو الرحمٰن ہیں بولنے کی اجازت دیں گے۔ جتنی اجازت کسی کو ملے گی اتنے لب وہ کھولے گا اور وہ سچی سچی کھری کھری، صاف بات کہے گا۔ جہاں فرشتے دم نہیں مار سکتے، روح الامین حیرت زدہ کھڑے ہوں گے وہاں کسی اور کی کیا بات ہے وہاں تو کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہیں ہوگی۔ جب جس کو جتنی اجازت ملے گی، وہ اتنی ہی بات کرے گا جو سچی اور کھری بات ہوگی۔

آج راستہ کھلا ہے، توبہ کرلو:

فرمایا: ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ یہ دن برحق ہے پس جو چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنالے۔

فرمایا، آج کا دن سچائی کا دن ہے یہاں جھوٹ نہیں چلے گا، بہانے نہیں چلیں گے حیلے حوالے نہیں چلیں گے۔ یہ دن سچ کا دن ہے۔ فرمایا، جو بھی تم میں سے چاہے تو ابھی فرصت ہے، وقت ہے اپنے اللہ کی طرف راستہ اختیار کرلے۔ آج موقع ہے، بلایا جارہا ہے یعنی فرصت ہے اور کتنی آسانی ہے کہ جو بھی کر چکے ہو آج توبہ کر کے رجوع الی اللہ کرلو۔

آج کل یہ بھی بڑا تماشا ہے کہ ہمارے بعض علما لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے کہہ دیتے ہیں کہ آپ جتنے حضرات ادھر بیٹھے ہیں توبہ کریں، اب آپ کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور آج سے آپ جنتی ہو گئے۔ یہ درست نہیں ہے، ایسا نہیں ہوتا اس لیے کہ توبہ زبانی دعویٰ نہیں ہے بلکہ ایک عمل کا نام ہے۔ توبہ کرنے سے مراد ہے کہ جو غلطیاں کرتے تھے وہ چھوڑ دی جائیں اور آئندہ کے لیے اصلاح کر لی جائے۔ دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھام لیا جائے۔ ہر بندے کا کردار مختلف ہے، نیتیں اور ارادے مختلف ہیں اور ہر بندے کے جرائم بھی مختلف ہیں لہٰذا ہر ایک کو اپنے عمل کی اصلاح کرنی چاہیے۔ کوئی دوسرے کے دل کا حال نہیں جانتا کہ وہ کیا سوچتا ہے، کیا کرتا ہے۔ اللہ کریم ہی سب کا حال جانتے ہیں اور توبہ کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے کسی پیر یا مولوی کے ساتھ نہیں ہے۔ سب کو چاہیے کہ اللہ کریم کی بارگاہ میں توبہ کریں یعنی اللہ کریم سے وعدہ کریں کہ میں جو بھی نافرمانی کرتا تھا، آج سے وہ چھوڑتا ہوں اور آئندہ اطاعت کروں گا۔ اس وعدے کے ساتھ آئندہ واقعی اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کر لینا، توبہ ہے۔ فرمایا، آج راستہ کھلا ہے، دعوتِ عام ہے توبہ عام ہے توبہ کرلو۔ آج دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھام لو سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

فرمایا: إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۔۔۔ ہم نے تم کو عنقریب آنے والے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے۔ فرمایا، ہم تو تمہیں بروقت بتارہے ہیں کہ قیامت سر پر کھڑی ہے، اس کے عذاب سے ڈرا رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشادِ عالی ہے، مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ (مشکوٰۃ) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مر جاتا ہے اس پر تو ایک طرح سے قیامت آ گئی کہ دارِ عمل ختم ہو گیا اور دارِ جزا میں چلا گیا۔ فرمایا، ہم تمہیں بتا رہے ہیں کہ موت سر پر کھڑی ہے لہٰذا فوراً توبہ کرو رجوع الی اللہ کرو اور جنت کا راستہ لو۔ فرمایا: يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ جس دن ہر شخص اُن اعمال کو دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے اور کافر کہے گا اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

فرمایا، جس دن ہاتھوں کا کیا ہر فرد کے سامنے آ جائے گا، اپنے اعمال روبرو ہو جائیں گے۔ اپنا کیا دھرا ہر ایک کے سامنے ہو گا تو کافر کہے گا اے کاش! اللہ مجھے مٹی میں ملا دے۔ ایک حدیث شریف کے مطابق تمام مخلوقات کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا۔ انسان، جنات، تمام طرح کے جانور جمع کیے جائیں گے۔ جس نے کسی دوسرے پر ظلم کیا ہو گا اس سے مظلوم کو بدلہ دلوایا جائے گا یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری کو سینگ مارا ہو گا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا۔ حساب کتاب کے بعد انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں وہ سب فنا کر دی جائیں گی کیونکہ انسان کے علاوہ تمام مخلوقات میں روح حیوانی ہے۔ روحِ حیوانی مادّے سے پیدا ہوتی ہے اور مادّے کو فنا ہے اس لیے دیگر ساری مخلوقات بھی فانی ہیں جنات میں بھی روحِ حیوانی ہے اس لیے انہیں بھی فنا ہے ان میں سے نجات پا جانے والے جنات کو فنا کر دیا جائے گا اور وہ دوزخ کے عذاب سے بچا لیے جائیں گے۔ جن کا خاتمہ کفر پر ہوا ہو گا وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل ہوں گے۔

میدانِ حشر میں جانوروں وغیرہ کو حاضر تو کیا جائے گا لیکن حساب کتاب کے بعد فنا کر دیا جائے گا یہ دیکھ کر کافر کہے گا کہ کاش! اسے بھی مٹی میں ملا دیا جاتا، اسے بھی فنا کر دیا جاتا اور وہ دوزخ جانے سے بچ جاتا لیکن ایسا ہو گا نہیں کیونکہ انسان صرف مادّی اجزا کا وجود ہی نہیں بلکہ اس میں عالمِ امر کی روح بھی ہے جو ہمیشہ رہے گی۔ روح رہے گی تو اس کے ساتھ اجزائے بدن بھی ہمیشہ رہیں گے۔ اس لیے انسان کو دوام ہے۔ انتقال کے بعد اجزائے بدن کتنے ہی منتشر ہو جائیں مادّے کی کسی نہ کسی شکل میں رہتے ہیں اور روح کا بدن کے ذرّے ذرّے سے تعلق قائم رہتا ہے۔

اللہ کریم ہمیں اس بات کو سمجھنے کا شعور دیں۔ دنیوی زندگی کو آخرت سنوارنے کا ذریعہ بنائیں۔ ہمیں توبہ کی توفیق دیں اور ہماری توبہ قبول فرمائیں۔

سورۃ النّٰزعٰت رکوع 1 آیات 1 تا 26

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ
سَبْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾
قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ
فِى الْحَافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾
فَاِنَّمَا هِىَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ
مُوْسٰى ۘ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ
طَغٰى ۖ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۚ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ
الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۖ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۖ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۖ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ﴿۲۳﴾
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۖ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ؕ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِىْ
ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ؕ﴿۲۶﴾

ان (فرشتوں) کی قسم ہے ﴿۱﴾ جو رگ رگ میں ڈوب کر (روح کو) کھینچ لیتے
ہیں ﴿۲﴾ اور اُن کی جو (مومن کے) بند آسانی سے کھول دیتے ہیں ﴿۳﴾ اور ان
کی جو (فضا میں) تیرتے پھرتے ہیں ﴿۴﴾ پھر تیزی سے بڑھتے ہیں ﴿۵﴾ پھر
(جب حکم ہوتا ہے) دنیا کے کاموں کا انتظام کرتے ہیں ﴿۶﴾ جس دن کانپنے والی
(زمین) کو بھونچال آئے گا ﴿۷﴾ اس کے پیچھے پھر اور (بھونچال) آئے گا ﴿۸﴾
اس دن دل خائف ہو رہے ہوں گے ﴿۹﴾ (اور) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی
کہتے ہیں بھلا کیا ہم پھر واپس زندگی کی طرف لوٹیں گے ﴿۱۰﴾ بھلا جب ہم کھوکھلی

ہڈیاں ہو جائیں گے؟﴿۱۱﴾ کہتے ہیں یہ لوٹنا تو بہت خسارے کا کام ہے ﴿۱۲﴾ وہ تو صرف ایک بار ڈانٹ کر بلایا جائے گا﴿۱۳﴾ تو اسی وقت سب کے سب میدان (حشر) میں آ جمع ہوں گے ﴿۱۴﴾ کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کی حکایت پہنچی ہے؟﴿۱۵﴾ جب ان کے رب نے اُن کو پاک میدان طویٰ میں آواز دی﴿۱۶﴾ کہ فرعون کے پاس جائیں یقیناً وہ سرکش ہو رہا ہے﴿۱۷﴾ سو کہیے کیا تو پاک ہونا چاہتا ہے؟﴿۱۸﴾ اور میں تجھے تیرے پروردگار کی راہ بتاؤں سو تجھے خوف پیدا ہو؟﴿۱۹﴾ غرض اُنہوں نے اسے بہت بڑا معجزہ دکھایا﴿۲۰﴾ پھر اس نے جھٹلایا اور نہ مانا﴿۲۱﴾ پھر پلٹ کر تدبیر کرنے لگا﴿۲۲﴾ پس (لوگوں کو) اکٹھا کیا پھر اعلان کیا﴿۲۳﴾ تو اس نے کہا میں تمہارا سب سے بڑا پالنہار ہوں﴿۲۴﴾ تو اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا﴿۲۵﴾ جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہو یقیناً اس کے لیے اس میں عبرت ہے﴿۲۶﴾

تفسیر و معارف

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہ، آخرت کے یقینی ہونے کے دلائل سے پُر ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ کی قدرتِ کاملہ سے جاری رہنے والے نظامِ کائنات پر انسان کی توجہ ہو اور اس میں غور و فکر کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ یہ نظام اللہ کی توحید، اس کی عظمت اور اس کے خالق و مالک ہونے پر گواہ ہے۔ جس طرح ایک فرد دنیا میں وارد ہوتا ہے، دنیا سے چلا جاتا ہے تو جو کچھ وہ دنیا میں کرتا ہے اسی کا انجام پالیتا ہے۔ اسی طرح اس کائنات کا بھی ایک انجام ہے۔ یہ سارا نظام اس بات کا متقاضی ہے کہ زندگی کا بھی کوئی نتیجہ ہو۔ جب ہر بات، ہر کام کا ایک انجام ہے تو اس کائنات کا بھی کوئی انجام ہونا چاہیے۔

فرمایا: وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾

ان (فرشتوں) کی قسم ہے جو رگ رگ میں ڈوب کر (روح کو) کھینچ لیتے ہیں اور ان کی جو (مومن کے) بند آسانی سے کھول دیتے ہیں اور ان کی جو (فضا میں) تیرتے پھرتے ہیں۔ پھر تیزی سے بڑھتے ہیں۔

فرمایا، زندگی اور موت کا یہ نظام کہ جس طرح روزانہ انسان پیدا ہو رہے اسی طرح روزانہ مر رہے ہیں اس

بات پر گواہ ہے کہ انسانی زندگی کے لیے موت ہے تو اس نظامِ کائنات کے لیے بھی ایک انجام ہے۔ قرآنِ حکیم میں جتنی قسمیں آئی ہیں دراصل ان چیزوں کو گواہ بنایا گیا ہے۔ یہاں ان فرشتوں کی قسم ہے جو کافر کی روح میں ڈوب کر ایک ایک سیل (CELL) سے کھینچ کر نکالتے ہیں جبکہ مومن کی روح کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ بڑے احترام سے لے کر جاتے ہیں۔ جس طرح روح کو لے کر بارگاہ الٰہی میں جاتے ہیں اسی طرح اس سارے نظام کو بھی لپیٹ کر ایک دن اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ موت کا یہ نظام اس بات پر گواہ ہے۔ فرمایا، ان فرشتوں کی قسم ہے جو مومن کی روح کو لے کر فضاؤں میں تیرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں۔ اور یہ کام نہایت تیزی سے کرتے ہیں۔ یہ کام گویا جھٹ پٹ ہو جاتا ہے جبکہ جہاں فرشتوں کو پہنچنا ہوتا ہے وہ پچاس ہزار سال کی راہ ہے لیکن وہ آنِ واحد میں پہنچ جاتے ہیں۔

مومن و کافر ہر طرح کے لوگوں کی روح قبض ہو رہی ہوتی ہے لیکن ظاہری کیفیت سے سمجھ نہیں آتی۔ بعض اوقات نیک آدمی کو بظاہر بہت تکلیف ہو رہی ہوتی ہے لیکن وہ ظاہری ہوتی ہے۔ اس کے اندر راحت ہی راحت ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بدکار آنِ واحد میں مر جاتا ہے۔ بات کرتے کرتے آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ بظاہر لگتا ہے بڑے آرام سے مر گیا لیکن شاید اسے بہت زیادہ تکلیف ہوئی ہو۔ یہ کیفیت دراصل اندر اندر ہوتی ہے اور اس کا تعلق ایمان اور اعمال و کردار سے ہوتا ہے۔

روح، ایک لطیفۂ ربّانی، جو بدن کو حیات اور دوام بخشتا ہے:

روح کیا ہے، اس کا بدن سے تعلق کیسا ہے اور وہ بدن سے کس طرح جدا ہوتی ہے؟ اس پر مفسرینِ کرام نے طویل بحثیں کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اربعہ عناصر یعنی آگ، مٹی، ہوا اور پانی جب ملتے ہیں تو ان سے نفس پیدا ہوتا ہے۔ یعنی روحِ حیوانی پیدا ہوتی ہے جو حیات کا سبب بنتی ہے۔ جس سے زندگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ روحِ حیوانی صرف انسان میں ہی نہیں بلکہ ہر جاندار میں ہے۔ ایک کیڑے پتنگے سے لے کر ایک انسان تک جب اجزائے بدن ملتے ہیں تو بخارات جیسی ایک کیفیت بنتی ہے جو ان میں حیات پیدا کر دیتی ہے۔ روحِ حیوانی کو نفس بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا:

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

یعنی جب اجزا ملتے ہیں تو حیات پیدا ہو جاتی ہے اور جب وہ الگ یا منتشر ہو جاتے ہیں یا وہ ترتیب خلط ملط

ہو جاتی ہے تو حالتِ موت بن جاتی ہے۔ یعنی اسی نفس کو بدن سے علیحدہ کر دینا موت ہے۔ نیک آدمی کی روح علیین میں چلی جاتی ہے اور بدکار کی سجین میں۔ مفسرین کے نزدیک نفس قبر میں ہوتا ہے۔ عذاب وثواب اسی کو ہوتا ہے اور روح اسے محسوس کرتی ہے۔ یہاں تک مفسرینِ کرام کی بات ہے۔

میرے نزدیک جو بات قرآنِ کریم سے بے غبار ثابت ہے وہ یہ ہے کہ روح ایک لطیفہءِ ربّانی ہے جو بدن کو حیات اور دوام بخشتا ہے جبکہ روحِ حیوانی میں دوام نہیں ہے۔ روحِ حیوانی مادّے سے پیدا ہوتی ہے اور مادّہ فانی ہے لہٰذا یہ بھی فانی ہے موت پر جب اجزائے بدن بکھر جاتے ہیں تو یہ روح حیوانی (نفس) بھی ختم ہو جاتا ہے اگرچہ روح کا تعلق ہر ذرہ بدن سے موجود رہتا ہے۔

انسان میں محض روحِ حیوانی، نفس ہی نہیں بلکہ انسان میں عالمِ امر کی روح بھی ہے اور عالمِ امر کو فنا نہیں۔ یہ صفاتِ باری کا پَرتو ہے۔ جس طرح ذاتِ باری کو بقا ہے اسی طرح صفاتِ باری کو بھی بقا ہے۔ چنانچہ عالمِ امر کی روح کو فنا نہیں۔ جن اجزا سے اس کا تعلق ہے وہ بھی قائم رہیں گے لہٰذا انسان ہمیشہ رہے گا۔ اگر جنت میں جائے گا تو ہمیشہ رہے گا اور جہنم میں جائے گا تو بھی ہمیشہ رہے گا۔

جب اجزا کا تناسب بگڑتا ہے تو روحِ حیوانی فنا ہو جاتی ہے لیکن جو روح عالمِ امر کی ہے اسے فرشتہ قبض کرتا ہے تو بدن کے ایک ایک سیل (CELL) سے قبض کرتا ہے۔ جب کافر پر برزخ کھلتا ہے تو جو فرشتے اسے لینے آتے ہیں وہ بے حد ڈراؤنے، ہیبت ناک اور غضبناک ہوتے ہیں۔ سامنے جہنم کی آگ ہوتی ہے تو اس کی روح بدن کے ایک سیل (CELL) سے چمٹتی ہے کہ کسی طرح بچ جائے۔ فرشتہ زبردستی اسے نکالتا ہے۔ اس کے ایک ایک ذرّے میں ڈوب کر کھینچتا ہے اور کھینچ کر نکالتا ہے۔

ایمان دار اور نیک شخص کی روح پر موت کے وقت جب برزخ منکشف ہوتا ہے اور آخرت نظر آتی ہے تو اسے دنیا بڑی حقیر سی نظر آتی ہے۔ اس کا دل کرتا ہے کہ وہ آگے جائے۔ ایسی روح خوشی خوشی تیار ہوتی ہے۔ اس کو لے کر جانے والے فرشتے جنت کا لباس، خوشبوئیں لیے استقبال کو کھڑے ہوتے ہیں۔ بڑے احترام اور لطف سے مومن کی روح واپس لے رہے ہوتے ہیں۔ گویا بند کھول رہے ہوں۔

روح کا وہ تعلق جو اجزائے بدن سے دنیا کے نظام کے لیے ہے اسے فرشتے منقطع کر دیتے ہیں اسی کا نام موت ہے۔ البتہ یہ تعلق کُلّی طور پر ختم نہیں ہوتا۔ بدن کے ہر سیل (CELL) سے روح کا تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ موت کے بعد بدن کے ذرات خاک میں مل جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے خاک سے مختلف کیمیائی صورتیں بن کر مادّہ بنا

جسے صلبِ پدر میں محفوظ رکھا گیا، شکمِ مادر میں منتقل کیا گیا۔ وہاں انسانی وجود کے سیل (CELL) بنے۔ وجود مکمل ہوا۔ دنیا میں وارد ہوا۔ موت کے بعد دنیا سے برزخ میں منتقل ہوا۔ موت پر جب یہ سیل (CELL) تباہ ہوتے ہیں تو یہ روحِ حیوانی بھی ختم ہو جاتی ہے لیکن جو روح عالمِ امر سے ہے اس کا تعلق ہر سیل سے رہتا ہے خواہ وہ تباہ ہو کر ذرّاتِ خاکی بن جائیں یا کسی بھی صورت میں تبدیل ہو جائیں۔

دنیا میں بدن مکلف ہے، روح اس کے تابع ہے چنانچہ بدن کو چوٹ لگے یا بیماری آجائے، اسے گرمی لگے یا سردی بدن ہی محسوس کرتا ہے لیکن اس کا سکھ اور دکھ روح تک اترتا ہے۔ برزخ میں روح مکلف ہو جاتی ہے اور بدن تابع ہو جاتا ہے۔ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے تو سکھ دکھ بدن کے ذرّات تک پہنچتا ہے۔ قیامت کو بدن اور روح دونوں برابر ہوں گے۔ جنت میں جائیں گے تو روح اور بدن برابر لطف حاصل کریں گے خدانخواستہ دوزخ میں ہوں گے تو روح اور بدن برابر تکلیف محسوس کریں گے۔

جو بات اوپر بیان کی گئی ہے اس میں اور مفسرین کی رائے میں واضح فرق ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

احکامِ الٰہی کی تکمیل کے لیے سرگرمِ عمل فرشتے:

فرمایا: فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ ''پھر (جب حکم ہوتا ہے) دنیا کے کاموں کا انتظام کرتے ہیں''۔ یعنی جو فرشتے اللہ کے احکام کے مطابق نظامِ کائنات کی تدبیر کرتے ہیں، تکمیلِ احکامِ الٰہی میں سرگرمِ عمل ہیں اُن کا عمل بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کام کا کوئی نتیجہ ہوگا۔ اللہ کی یہ بے شمار مخلوق فضول نہیں لگی ہوئی۔ اس کا کوئی انجام ہوگا۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:31) اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اُس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

بارش کے ہر قطرے کو بادل سے لے کر زمین کے ذرّات تک پہنچانے پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے اور جہاں اس قطرے کو پہنچنا ہوتا ہے، وہ اُسے وہیں پہنچاتا ہے۔ ہواؤں کو چلانے پر فرشتے مامور ہیں حتیٰ کہ تفاسیر میں ملتا ہے کہ ہر انسانی وجود پر بے شمار فرشتے مقرر ہیں۔ جس طرح مشین پر کاریگر کھڑے ہوتے ہیں اُسی طرح ہر کام پر فرشتے مقرر ہیں۔ کھانا چبانا، حلق سے اترنا پیٹ میں جانا، ہضم کرنا پھر اسے تقسیم کرنا کہ کس سے ہڈی بنے گی، کون سا حصّہ گوشت بنے گا کون سا فضلے میں خارج ہوگا، ان سب امور پر فرشتے مقرر ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اس حصّے کے فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ وہ کام روک دے۔ وجود میں جہاں کام رک

جاتا ہے وہاں بیماری شروع ہو جاتی ہے۔ جب فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ کام شروع کر دو، یہ مشین چلا دو تو وہاں سے کام چل پڑتا ہے اور شفا ہو جاتی ہے۔ یہ اتنا بڑا نظامِ حیات، جس میں احکامِ الٰہی کی تکمیل میں ہر آن بے شمار فرشتے سرگرمِ عمل رہتے ہیں یہ اس بات پر گواہ ہے کہ اس سارے نظام کا کوئی انجام ہوگا۔ قیامت ضرور قائم ہوگی۔

قیامِ قیامت:

فرمایا: يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ ''جس دن زمین کو بھونچال آئے گا''۔ جس روز ہر چیز کو ہلا کے رکھ دیا جائے گا یعنی پہلا نفخہ ہوگا جس سے ایک ایسا زلزلہ آئے گا کہ ہر شے لرز اُٹھے گی۔ دنیا کے زلزلے تو چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں جو کسی ایک جگہ پر جب آتے ہیں تو وہاں عمارتیں گر جاتی ہیں، زمین شق ہو جاتی ہے اور سڑکوں کی جگہ نہریں بن جاتی ہیں۔ زمین کے اس حصے پر تباہی آجاتی ہے۔ قیامت کا زلزلہ تو واقعی زلزلہ ہوگا کہ جب آئے گا تو سب جاندار مرجائیں گے، سمندر بھاپ بن جائیں گے، پہاڑ غبار بن جائیں گے اور زمین تو زمین، یہ آسمانوں تک کو پھاڑ دے گا۔ فضائے آسمانی میں جتنے سیارے، ستارے ہیں جو آج تک شمار نہیں کیے جا سکے، ہر چیز تباہ کر کے رکھ دے گا۔ سورج جھڑ جائے گا، چاند اور ستارے جھڑ جائیں گے، خود آسمان پھٹ جائیں گے۔

فرمایا: تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ ''اس کے پیچھے پھر اور (بھونچال) آئے گا''۔ پھر دوسرا نفخہ ہوگا، جس سے ہر کوئی زندہ ہو جائے گا یعنی یہ زلزلہ اُن کو بھی ہلا دے گا جو تہہ خاک ہو چکے ہیں۔ اُنہیں کہا جائے برزخ ختم ہو گیا، وقت گزر گیا، اُٹھو! قیامت قائم ہو گئی۔ جب حشر قائم ہوگا تو فرمایا: قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ﴿٨﴾ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ اس دن دل خائف ہو رہے ہوں گے۔ (اور) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

فرمایا، اس دن دیکھو دلوں کا کیا حال ہوگا! اُن پر کتنا خوف طاری ہوگا۔ کتنے دل اس دن ڈوب ڈوب رہے ہوں گے اور آنکھیں پتھرائی ہوئی، ندامت سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ دنیا میں اپنی جہالت کی وجہ سے کہتے تھے، فرمایا: يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ کہتے ہیں بھلا کیا ہم پھر واپس زندگی کی طرف لوٹیں گے۔ بھلا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے؟

حشر میں بھی کفار کہیں گے کہ ہمیں پھر واپس زندگی میں جانا پڑ گیا! ہم میدانِ حشر میں پھر اس بدن کے ساتھ کھڑے ہو گئے جبکہ ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ گئیں، ہم خاک ہو گئے پھر دوبارہ اسی طرح کھڑا ہونا پڑ گیا۔ فرمایا: قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ کہتے ہیں یہ لوٹنا تو بہت خسارے کا کام ہے۔

کفار کہیں گے یہ تو بڑی مشکل گھڑی آ گئی، یہ بڑا گھاٹے کا کام ہوا کہ ہمارے پلے تو کچھ بھی نہیں کیونکہ ہم تو اس دن کو مانتے ہی نہیں تھے۔ ہم نے اس دن کے لیے کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ تو بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ یہ واپسی تو بڑی خسارے کی ہوگئی، اب ہم کیا منہ لے کر حشر میں حاضر ہوں۔ یہ تو بڑی مشکل ہو گئی۔ فرمایا: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾ وہ تو صرف ایک بار ڈانٹ کر بلایا جائے گا۔ تو اسی وقت سب کے سب میدان (حشر) میں آ جمع ہوں گے۔

کفار یہ باتیں کر تو رہے ہوں گے مگر ان کے بس میں نہیں ہوگا بلکہ ایک جھڑک ہوگی، ایک کڑک ہوگی اور ہر کوئی بھاگ کر حاضر ہو جائے گا۔ کسی کو بہانہ کرنے کی فرصت نہیں ہوگی۔ کسی کو مڑ کر پیچھے دیکھنے کی مہلت نہیں ملے گی یعنی بلا تاخیر ہر کوئی میدانِ حشر میں حاضر ہوگا۔ سب میدانِ حشر میں آ موجود ہوں گے۔

کرمِ الٰہی کی وسعتیں:

اس دن کفار پریشان ہو رہے ہوں گے لیکن کیا یہ وہ وقت یاد نہیں کرتے کہ رب العالمین نے دنیا میں انسانوں کی اصلاح کا کتنا انتظام کیا؟ وہ کتنا کریم ہے! وہ کتنی رعائتیں کرتا ہے، کتنی بخشش کرتا ہے جبکہ انسان کتنی بغاوت کرتا ہے! فرمایا: هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کی حکایت پہنچی ہے؟ جب ان کے رب نے اُن کو پاک میدان طویٰ میں آواز دی۔

انسان کتنی بغاوت کرتا ہے اور اللہ کتنا رحم کرتا ہے، اُس نے توبہ کی توفیق عام کر رکھی ہے۔ وہ اپنے محبوب انبیاؑ کو کافروں، مشرکوں اور بدکاروں کے پاس بھیجتا ہے کہ آؤ توبہ کر لو۔ آؤ! تمہیں مقبولِ بارگاہِ الٰہی بنا دیں لیکن وہ اکڑ رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات پر غور کیجیے۔ جب اللہ کریم نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں مخاطب فرمایا۔ طویٰ، میدان یا وادی کو کہتے ہیں۔ یہ وادی، پہاڑ یا میدان مقدس کیسے ہو گئے؟ یاد رہے! زمین اللہ کی ہے، سب ایک جیسی ہے لیکن چیزوں میں اور جگہوں میں حالات و واقعات کے ساتھ کیفیات بدل جاتی ہیں۔ اگر ایک جگہ قحبہ خانہ، شراب خانہ بنا دیتے ہیں تو اس کی نحوست سے زمین میں بھی نحوست آ جاتی ہے۔ اسی زمین پر ایک جگہ مسجد بن جاتی ہے تو باقی زمین کی نسبت وہ متبرک ہو جاتی ہے کہ وہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، رکوع سجود ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاں اللہ کے بندے، بزرگانِ دین، نیک لوگ ہوتے ہیں وہ جگہیں متبرک ہو جاتی ہیں۔ ان کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا نہ منع کیا جا سکتا ہے۔ اگر سڑک پر کھڑے ہو کر ہم دعا کرتے ہیں تو بھی اللہ ہی سے کرتے ہیں لیکن مسجد میں جا کر دعا کریں گے تو کیفیت اور ہوگی۔ اگر کسی اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھ کر دعا

کریں گے تو کیفیت اور ہوگی۔ اُن کے مزار پر بھی برکات ہوں گی۔ اس احاطہ میں بیٹھ کر دعا کریں گے تو کیفیت اور ہوگی لیکن دعا اللہ ہی سے کی جائے گی، صاحبِ مزار سے نہیں۔ بزرگانِ دین کے مزار پر جانے سے منع نہیں کیا گیا لیکن طریقہ صحیح ہونا چاہیے اور سلیقہ ہونا چاہیے۔

جس میدان میں موسیٰ علیہ السلام کو کلامِ باری نصیب ہوا اُسے قرآن میں مقدس وادی فرمایا جارہا ہے تو پھر جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اُس روضۂ اطہر کی شان کیا ہوگی! موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے اولوالعزم رسول ہیں، بزرگ و برتر نبیؑ ہیں۔ اللہ کے وہ رسول ہیں جنہیں بلاواسطہ، اللہ سے براہ راست شرفِ ہمکلامی نصیب تھا لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، امام الانبیاءؑ ہیں تو روضۂ اطہر کا مقام و مرتبہ کیا ہوگا! وہاں حاضری کا شرف، وہاں کے آداب اور کیفیات کیا ہوں گی! سو قطعۂ زمین کی، زمان و مکان کی کیفیات حالات و واقعات کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ فرمایا، جب موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار نے اُن سے اس مقدس وادی میں بات کی فرمایا:
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾ کہ فرعون کے پاس جائیں یقیناً وہ سرکش ہورہا ہے۔

فراعنۂ مصر چار صدیوں سے یکے بعد دیگرے خدائی کے دعویدار تھے اور اپنی عبادت کراتے چلے آرہے تھے۔ وہ لوگوں پر بہت ظلم کرتے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ایسی ایسی سزائیں ایجاد کر رکھی تھیں کہ پڑھ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ اللہ قادر ہے اس نے اس فرعون کو زندگی دے رکھی ہے بینائی و گفتار دے رکھی ہے، سارے اعضاء و جوارح دے رکھے ہیں، حکومت و سلطنت دے رکھی ہے چاہے تو آنِ واحد میں اندھا، بہرہ، گونگا کردے، حکومت چھین لے لیکن ایسا نہیں کرتا۔ دنیا میں انسان جیسے چاہے ان چیزوں کو استعمال کرے۔ البتہ اتنا کریم ہے کہ اپنے اولوالعزم رسول علیہ السلام کو فرمارہا ہے کہ فرعون کے پاس جاؤ کہ اب تو وہ حد سے بڑھ چکا ہے۔ اس نے مخلوق پر مظالم کی حد کردی ہے، لوٹ مار کی انتہا کردی اور بغاوت میں حد سے گزر گیا، اس سے کہو آؤ صلح کرلو۔ تم نے ساری حدیں پار کرلی ہیں لیکن اللہ تمہیں معاف کرتا ہے، واپس آجاؤ، بس کردو، توبہ کرلو تو سب معاف کردے گا۔ اُس سے کہو کہ میرے ساتھ صلح کرلے۔ اب اس سے زیادہ کرم کی بات کیا ہوگی! اللہ کریم، موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم بھی دے سکتے تھے کہ جاکر فرعون کو ڈرا دھمکا کر کہو کہ تیری ایسی تیسی لیکن ایسا نہیں کیا۔
فرمایا، اسے جاکر کہو: فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ سو کہیے کیا تو پاک ہونا چاہتا ہے؟

فرمایا، اس چار سو سالہ شرک کی تاریخ میں پلے ہوئے، مظالم اور کفریات میں پلے ہوئے فرعون سے کہیے کہ آ، میں تیرا دل پاک کردوں! کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرا سینہ روشن کردوں، تجھے صاف ستھرا نورانی بنادوں؟

تجھے تجلیاتِ باری سے دھو کر منور کر دوں؟

فرمایا، میرا کرم دیکھو کہ میں قادر ہوں لیکن میں اپنا محبوب بندہ اپنا اولوالعزم رسول (علیہ السلام) اس کی طرف بھیج رہا ہوں کہ فرعون کے پاس جائیے اور اسے کہیے کہ آ میں تیرے دل کو صاف، روشن اور منور کر دوں۔ تیرے دل میں تجلیاتِ باری بسا دوں! یوں تو کرم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، اس کے کرم کی تو کوئی حد ہی نہیں:

اس کا کرم بس اس کا کرم ہے
اس کے کرم کی بات نہ پوچھو

اس کی ذات کی طرح، اُس کی صفات بھی بے مثل و بے مثال ہیں۔ وہ فرعون جو چار سو سال سے کفر و شرک میں رستا بستا دھنسا چلا آ رہا ہے، اس کی طرف اپنا نبیؑ بھیج کر پیغام دے رہا ہے کہ کیا تیرے دل کو پاک نہ کر دیا جائے؟ فرمایا: وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾ اور میں تجھے تیرے پروردگار کی راہ بتاؤں سو تجھے خوف پیدا ہو؟

فرمایا، تیرا تعلق تیرے پروردگار سے ایسا جوڑ دوں کہ پھر تُو اس تعلق کے ٹوٹنے سے ڈرے، اس دوستی میں بال نہ آنے دے۔ تیرا تعلق اتنا مضبوط اور قریبی ہو جائے کہ تُو ہر کام میں ویسا کرنا چاہے جیسا تیرا ربّ چاہتا ہے۔ یہی خشیت ہوتی ہے۔ اردو میں تو ترجمہ ڈر کر دیا جاتا ہے کہ اردو کے پاس اور کوئی لفظ نہیں ہے۔ ڈر ایک اور شے ہے جبکہ خشیت ایک اور کیفیت ہوتی ہے۔ یہ ڈر رشتے میں بال آنے کا ڈر ہوتا ہے۔ محبوب کے خفا ہو جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ فرمایا، اللہ سے تیرا ایسا رشتہ قائم کر دوں کہ بات کرتے ہوئے دیکھتے اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے ہوئے ہر وقت تجھے اندیشہ ہو کہ کوئی ایسا کام نہ ہو جائے کہ میرا محبوب روٹھ جائے۔ یہ پیغام، فرعون کو رب العالمین بھیج رہے ہیں اپنا اولوالعزم رسول علیہ السلام بھیج کر اور پھر یہ کہ وہ صرف زبانی باتیں نہ کریں اُنؑ کو معجزات عطا فرمائے کہ فرعون کو یہ معجزات بھی دکھانا۔ یہ معجزات دلیل ہوں گے کہ جو میں کہہ رہا ہوں میں کر بھی سکتا ہوں۔ فرمایا: فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ غرض اُنہوں نے اسے بہت بڑا معجزہ دکھایا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بڑے بڑے معجزے دکھائے تاکہ وہ جان لے کہ وہ زبانی بات نہیں کر رہے بلکہ اللہ رب العزت نے اُنہیں معجزات عطا کیے ہیں۔ یہ بھی ایک معجزہ ہی ہے کہ صدیوں سے نسل در نسل کافر کو ولی اللہ بنا دیا جائے۔ اُسے شرفِ صحابیت پر سرفراز کر دیا جائے، اس کا سینہ روشن کر دیا جائے۔ فرمایا، میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ دیکھو اللہ نے مجھے معجزات دیے ہیں اور اُسے بڑے بڑے معجزے دکھائے لیکن فرمایا: فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ

اَدۡبَرَ یَسۡعٰی ﴿۲۲﴾ پھراس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ پھر پلٹ کر تدبیر کرنے لگا۔

فرمایا، اس بدبخت نے انکار کر دیا، بات نہ مانی، نافرمانی پر ڈٹ گیا اور الٹے پاؤں پھرا اور مخالفت میں پوری طاقت لگا دی۔ اس نے کہا میں نہیں مانتا، میں تمہاری ایسی تیسی کر دوں گا، تمہیں نابود کردوں گا۔ فرمایا: فَحَشَرَ فَنَادٰی ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی ﴿۲۴﴾ پس (لوگوں کو) اکٹھا کیا پھر اعلان کیا تو اس نے کہا میں تمہارا سب سے بڑا پالنہار ہوں۔

فرعون نے مخلوق کو جمع کیا اور بڑا اعلان کیا کہ تمہارا سب سے بڑا پروردگار میں ہوں۔ اگر کوئی دوسرا ربّ ہے بھی تو وہ مجھ سے کم تر ہوگا۔ میں تمہارا ربّ ہوں، میرے تابع دریا اور نہریں بہہ رہی ہیں۔ میں ہی تمہارا خالق رازق اور مالک ہوں۔ تمہیں روزی بھی میں ہی دیتا ہوں۔

فرعون کا انجام:

فرمایا: فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰی ﴿۲۵﴾ تو اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔
فرعون کے رویے کا نتیجہ کیا ہوا؟ اللہ کریم نے اسے دنیا کے عذاب میں بھی پکڑا اور آخرت کے عذاب میں بھی۔ وہ دنیا میں لاؤلشکر سمیت یکدم غرق ہو کر تباہ ہو گیا۔ اس کے محلات، مکانات اور خزانے پیچھے رہ گئے۔ جن لوگوں سے یہ بیگار لیا کرتا تھا اللہ نے انہیں مال و دولت اور حکومت سے نواز دیا۔ فرعون اپنے لاؤلشکر سمیت غرق ہو گیا کہاں غرق ہوا؟ ارشادِ باری ہے، فرمایا: اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا (نوح:25) غرق کیے گئے پھر دوزخ میں داخل کیے گئے۔

جس طرح قومِ نوح پانی میں غرق ہوئی اور آگ میں داخل ہوئی اسی طرح فرعون دنیا و آخرت کے دونوں عذابوں میں بیک وقت گرفتار ہوا فرعون اور اس کا لاؤلشکر غرق تو پانی میں ہوئے مگر پہنچ آگ میں گئے۔

درسِ عبرت:

اللہ کریم یہ قصہ ہمیں کیوں سنا رہے ہیں؟ ہمارا فرعون سے کیا لینا دینا، وہ تو کب کا غرق ہو چکا ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے کیا غرض؟ ہمارے نبی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرمایا: اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَةً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ﴿۲۶﴾ جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہو یقیناً اس کے لیے اس میں عبرت ہے۔

فرمایا، اگر تمہیں بھی اللہ سے رشتہ جوڑنا ہے تو اس قصے سے سبق حاصل کرو۔ فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام آئے تھے، اُس نے بات نہیں مانی تو اس کا کیا حشر ہوا جبکہ تمہارے پاس تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

ہیں۔ اگر تم اُن کی بات نہیں مانو گے تو تمہارا کیا حال ہوگا! تم دنیا کے عذابوں کو روتے ہو اِس پر تو دنیا و آخرت کے عذاب وارد ہو جاتے ہیں۔ یہ قصہ تمہیں اس لیے سنایا جا رہا ہے تا کہ عبرت حاصل کرو کہ ابھی فرصت ہے توبہ کرو، رجوع الی اللہ کرو۔ تمہاری حکومتوں اور اقتدار کی کیا حیثیت ہے جس میں تم ڈوبے ہوئے ہو، فرعون تو خدائی کا دعویدار تھا۔ اُسے لوگ سجدے کرتے تھے اور سیروں کے حساب سے سونا تو اس کے گھوڑوں اور سواریوں نے پہنا ہوتا تھا۔ اس کے غلاموں نے سونے کے کنگن پہنے ہوتے تھے۔ تمہارے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے جتنا اس کے گھوڑوں، غلاموں اور اہلِ دربار نے پہن رکھا ہوتا تھا۔ تم کس بات پر ناز کرتے ہو؟ تم محمد رسول اللہ کی بات مان لو اور زندگی کا نظام بدلو۔ صرف یہ کہنا کہ میں مانتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں یہ قابلِ قبول نہ ہوگا۔ زندگی کے نظام کو بدلنا ہوگا۔ کمانے کا طریقہ، نظامِ معیشت کو اسلامی کرنا ہوگا۔ نظامِ تعلیم، نظامِ عدل، نظامِ سیاست کو اسلامی کرنا ہوگا۔ اسلامی کردار اپنانا ہوگا۔ اگر نظام نہیں بدلو گے تو پھر کیا مانا؟ جب فرشتے آئیں گے اور ایک ایک سیل (CELL) سے روح قبض کریں گے تو تمہیں بھی پتا چل جائے گا۔ اگر توبہ نہیں کرو گے تو فرعون کا انجام دیکھ لو۔ پھر تم توبہ کیوں نہیں کرتے؟

کیا کبھی ہم نے غور کیا؟

یہ سارے قصے ہم سنتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف بھیجے جانا اور فرعون کا بات ماننے سے انکار کر دینا لیکن کیا کبھی ہم نے غور کیا ہے کہ ہمارے پاس کون ہیں؟ ہمارے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیا ہم اُن کی مان رہے ہیں؟ کیا ہم حلال کھا رہے ہیں؟ کیا ہماری معیشت، ہماری سیاست، ہماری عدالت، ہمارا نظامِ تعلیم، ہمارا لباس اور حلیہ، ہماری معاشرت اسلام کے مطابق ہے؟ فرعون نے تو بادشاہت کے گھمنڈ میں موسیٰ علیہ السلام کو انکار کیا تھا، نہیں مانا تھا۔ ہم کس برتے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مان رہے؟

یاد رہے، قرآن قصے کہانیاں نہیں سناتا بلکہ بتاتا ہے کہ اس آئینے میں تم اپنا چہرہ دیکھو کہ تم کیا کر رہے ہو! آج پوری دنیا میں مختلف ممالک میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ روزانہ ایسی بہت سی E-MAILS موصول ہوتی ہیں کہ شام کے مسلمانوں کے لیے دعا کریں، برما میں مسلمان مارے گئے، فلاں جگہ ظلم ہو گیا اُن کے لیے دعا کریں۔ جو تصویریں اُن مظلوموں کی اخباروں میں چھپتی ہیں اُنہیں دیکھ کر سمجھ نہیں آتی کہ یہ مسلمان ہیں یا ہندو ہیں، عیسائی ہیں، کون ہیں! جیسے مارنے والے عیسائیوں کے چہرے اور لباس ہیں ویسے ہی مرنے والوں کے ہیں۔ برما میں بدھ

مذہب کے پیروکار مسلمانوں کو مار رہے ہیں تو مرنے والوں کا بھی ویسا ہی حلیہ ہے جیسا بدھوں کا ہے۔ دونوں میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے، دل خون کے آنسو روتا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان تباہ ہو رہے ہیں لیکن کبھی ہم نے سوچا کہ مسلمان اسلام پر کتنا ظلم کر رہے ہیں؟ ہم اللہ کے دین کا جو حشر کر رہے ہیں اس پر جو ظلم کر رہے ہیں اس کی نسبت جو ہم پر ہو رہا ہے وہ بہر طور کم ہے ہم دین پر زیادہ ظلم کر رہے ہیں۔ ہماری ہر ادا دین کے خلاف ہے۔ فرعون نے تو موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی تو اس کا کیا حشر ہوا اور ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مان رہے تو ہمارا کیا حشر ہونا چاہیے؟ یہ تو اللہ کی شانِ کریمی ہے کہ ہم باقی ہیں جبکہ فرعون کا تو نشان مٹ گیا۔ پھر ہمارے پاس ابھی توبہ کا موقع تو ہے تو جنہیں مسلمانوں سے اور اسلام سے ہمدردی ہے انہیں چاہیے کہ خود بھی توبہ کریں اور اُن مسلمانوں کو بھی توبہ کرنے کا مشورہ دیں۔

قرآن میں اللہ کریم کا وعدہ ہے، فرمایا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران:139) اور تم ہی کامیاب رہو گے اگر تم مومن (صادق) ہو۔

ایمان کیا ہے؟ مومنین کون ہیں؟ وہی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ فرمایا، اگر تم نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تو جیت جاؤ گے۔ تم اُن صلی اللہ علیہ وسلم سے عہدِ غلامی پکا کر لو تو فتح تمہاری ہے۔ تمہیں بھلا کون مار سکتا ہے!

اللہ کریم ہمیں سمجھنے کی ماننے کی اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

سورۃ النّٰزِعٰتِ رکوع 2 آیات 27 تا 46

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾
وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾
اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ
وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ
الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾
وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ
مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾
اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ
يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾

بھلا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا؟ اُسی (اللہ) نے اس کو بنایا ﴿۲۷﴾ بلند کیا
اس کا موٹاپا پھر اس کو سنوار دیا ﴿۲۸﴾ اور اُسی نے اس کی رات کو تاریک بنایا اور
اس کے دن کو روشن کیا ﴿۲۹﴾ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا ﴿۳۰﴾ اُسی نے
اس میں سے اس کا پانی نکالا اور چارہ اُگایا ﴿۳۱﴾ اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ
دیا ﴿۳۲﴾ یہ (سب کچھ) تمہارے فائدے کے لیے اور تمہارے چارپایوں کے
لیے کیا ﴿۳۳﴾ تو جب بڑی آفت آئے گی ﴿۳۴﴾ اس دن انسان اپنے اعمال کو

یاد کرے گا ﴿۳۵﴾ اور دیکھنے والوں کے لیے دوزخ سامنے لائی جائے گی ﴿۳۶﴾ تو جس نے سرکشی کی ﴿۳۷﴾ اور (محض) دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ﴿۳۸﴾ تو یقیناً اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿۳۹﴾ اور جو اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو خواہشات سے روکتا رہا ﴿۴۰﴾ تو یقیناً اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے ﴿۴۱﴾ آپ سے قیامت کے بارے پوچھتے ہیں کہ کب واقع ہوگی؟ ﴿۴۲﴾ اس کے (وقوع کے) ذکر سے آپ کا کیا (تعلق) ﴿۴۳﴾ اس کے واقع ہونے کا وقت تو آپ کا پروردگار ہی جانتا ہے ﴿۴۴﴾ یقیناً آپ کا منصب تو انجام کار سے اسے مطلع کرنا ہے جسے آخرت کی فکر ہو ﴿۴۵﴾ کہ جس دن وہ اس کو دیکھیں گے تو جانیں گے کہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا اس کی ایک صبح رہے تھے ﴿۴۶﴾

تفسیر و معارف

خالقِ کائنات کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں:

فرمایا: ءَ اَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىہَا ﴿۲۷﴾ بھلا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا؟ اُسی (اللہ) نے اس کو بنایا۔

اے انسانو! تمہیں دوبارہ زندہ کرنا مشکل کام ہے یا آسمانوں کا بنانا زیادہ مشکل ہے؟ اللہ کی کائنات کتنی وسیع ہے، آسمانوں میں کتنا بڑا انظام ہے اور ان میں بے شمار مخلوق ہے۔ یہ نظام اتنا مضبوط ہے کہ جب سے تخلیق ہوا ہے چل رہا ہے اور جب تک اللہ چاہے گا چلتا رہے گا۔ اس نظام میں کسی کام میں تقدیم و تاخیر ہے نہ کسی وقت میں، ایک ایک ذرّے کا انتظام و انصرام وہاں سے ہو رہا ہے۔ ہر ذرّہ، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ اپنی اپنی مقررہ جگہ پہنچ رہا ہے۔ ہر چیز تخلیق ہو رہی ہے، بن رہی ہے، فنا ہو رہی ہے تو یہ کام زیادہ مشکل ہے یا انسان کا دوبارہ پیدا کر دینا؟ جو ربِّ قدیر ہر آن یہ کام کر رہا ہے وہ تمہیں دوبارہ کیوں نہیں بنا سکتا؟ ذرا غور کرو، فرمایا: رَفَعَ سَمۡكَہَا فَسَوّٰىہَا ﴿۲۸﴾ بلند کیا اس کا موٹاپا پھر اس کو سنوار دیا۔

ذرا خیال کرو کہ کس طرح اللہ کریم نے آسمان کی بلندیوں کو مضبوط کر دیا کہ اس کے نیچے کوئی ستون ہے نہ دیوار ہے، کوئی آسرا ہے نہ ٹیک ہے۔ کسی جگہ پر وہ ٹکا ہوا نہیں ہے لیکن اس کی بلندیاں قائم ہیں اور جب تک اللہ کریم چاہیں گے، قائم رہیں گی۔ پھر اس کا نظام ایسا درست کر دیا کہ آج تک کبھی اس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔ فرمایا: وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾ اور اسی نے اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو روشن کیا۔

اللہ کریم نے جوِ سماوی میں ایسا نظامِ شمسی قائم کر دیا جس میں شب و روز بنا دیے۔ رات ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے اور دن ہر شے کو روشن کر دیتا ہے۔ یہ سارا نظامِ سماوی ہے یعنی آسمانوں سے کنٹرول (CONTROL) کیا جا رہا ہے۔ زمین پر تو اس کا کوئی مرکز یا کنٹرول ٹاور (CONTROL TOWER) نہیں ہے، کوئی آپریٹر (OPERATOR) نہیں بیٹھا ہوا۔ اس نظام کو اللہ کی قدرت کنٹرول کر رہی ہے۔ اگر اس میں ایک ایک لمحے کی بھی تقدیم و تاخیر ہوتی تو سارا نظام تلپٹ ہو جاتا لیکن یہ جب سے بنا ہے چل رہا ہے۔ کیا کبھی اس میں رتی برابر کوئی خرابی، کوئی فرق آیا یا کبھی کسی قسم کی مرمت کی ضرورت پیش آئی؟ پھر یہ سارا نظام بنانے کے بعد، فرمایا: وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿۳۰﴾ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔

اللہ کریم نے آسمانی نظام کو ترتیب دیا، شب و روز بنا دیے پھر زمین کو پھیلایا۔ ایک وقت تھا جب ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور زمین ایک نقطہ سا تھا، جہاں بیت اللہ شریف ہے۔ پھر اس کو پھیلا کر سات برِ اعظم بنا دیے۔ یہ بیت اللہ شریف زمین کا مرکز ہے یہاں سے پھیلا کر وسیع زمین بنا دی اور پھر ایسا قادرِ مطلق ہے کہ فرمایا: اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿۳۱﴾ اسی نے اس میں سے اس کا پانی اور چارا اُگایا۔

وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ سمندروں کے نمکیات سے بھرے ہوئے تلخ پانی سے، زمین سے شیریں چشمے جاری کر دیے۔ ساری زمین اس کڑوے سمندر پر ہے لیکن اُس کریم نے اس میں سے شیریں چشمے جاری کر دیے اس میں طرح طرح کا سبزہ اور چارا اُگا دیا، جسے جانوروں کی غذا بنا دیا۔ چرند پرند اور سب جانور اس سے کھا رہے ہیں۔ فرمایا: وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿۳۲﴾ اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔

اس زمین پر کتنی خوبصورتی سے پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا کہ وہ زمین کو ڈولنے نہیں دیتے برابر رکھتے ہیں۔ اور ایسا دلکش منظر بنا دیا کہ لوگ دور دور سے پہاڑوں کو دیکھنے آتے ہیں۔ یوں تو پہاڑ عجیب لگنے چاہیے تھے کہ ہموار زمین پر ٹیلے اور پہاڑ بنا دینے سے زمین بدنما لگتی لیکن اللہ کریم نے ایسے سجائے ہیں کہ ان میں ظاہری حسن

سمو دیا اور ان میں بے شمار نعمتیں بھر دی ہیں۔ اُن کی چوٹیوں پر برف جمتی ہے دریا اور چشمے بنتے ہیں۔ ان میں بے شمار معدنیات، سونا چاندی، زر و جواہر کے ذخائر، تیل، کوئلہ اور بے شمار قیمتی دھاتوں کے خزانے سمو دیے ہیں۔ فرمایا: مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ (یہ سب کچھ) تمہارے فائدے کے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے کیا۔

یہ ساری سجاوٹ تمہارے لیے زندگی کا سبب بھی بن گئی۔ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لیے اسبابِ حیات بن گئے۔ یہ ساری نعمتیں، پانی کے چشمے پھل، غذا، بے شمار جڑی بوٹیاں، دوائیں، معدنیات اور خزانے بنانے والا ربِّ قدیر کیا تمہیں دوبارہ نہیں بنا سکتا؟ اس کے لیے کیا یہ مشکل ہے؟

سرکشی کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے:

فرمایا: فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ تو جب بڑی آفت آئے گی۔ اس دن انسان اپنے اعمال کو یاد کرے گا۔

فرمایا، ایک دن جب بہت بڑی آفت آئے گی، جب قیامت برپا ہوگی تو اس سارے نظام کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔ یہ بڑے بڑے پہاڑ ریت کی طرح غبار بن کر فضا میں اُڑ جائیں گے۔ اس دن نظامِ سماوی تباہ ہو جائے گا، سورج چاند ستارے جھڑ جائیں گے تو زمین کا کیا حشر ہوگا! اس دن ہر کوئی اپنے کیے کو یاد کرے گا۔ آج تو دنیا میں ہم جو جی میں آئے اندھا دھند کر رہے ہیں لیکن جو بھی کر رہے ہیں اس دن یاد آئے گا۔ اس دن انسان یاد کرے گا کہ میں نے کیا سوچا، کیا کمایا، کیا کھایا، کیا کیا، بھلا کیا یا برا کیا! فرمایا: وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ اور دیکھنے والوں کے لیے دوزخ سامنے لائی جائے گی۔

اس دن دوزخ کو بھی میدانِ حشر میں لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اب دیکھ لو یہ ہے وہ دوزخ جس کے بارے تمہیں گمان رہتا تھا کہ وہ بھلا کہاں ہوگی! کیسی ہوگی! اب دوزخ سامنے ہے، دیکھ لو۔ فرمایا: فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ تو جس نے سرکشی کی۔ اور (محض) دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو یقیناً اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

فرمایا، جس نے دنیا میں اطاعتِ الٰہی نہ کی، بغاوت اور سرکشی کی اور دنیا کی لذتوں کو، عیش و عشرت کو اطاعتِ الٰہی پر ترجیح دی اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

حقیقی دین، عملی زندگی کا نام ہے:

یہ بڑی عجیب اور توجہ طلب بات ہے کہ ہر نبی عقیدہ اور عمل لے کر مبعوث ہوا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب مبعوث ہوئے تو صرف عقیدہ اور عبادت نہیں لائے بلکہ نظامِ حیات بھی لائے جس میں ہر انسان کا حق مقرر ہوا۔ جہاں تک عقیدے اور عبادت کا تعلق تھا تو گو یہ بھی مشرکین کے لیے قابلِ قبول نہیں تھا لیکن ایک حد تک قابلِ برداشت تھا۔ وہ قبول نہیں کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد بھیج کر درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عقیدے پر رہیں، جس طرح چاہیں اپنے ربّ کی عبادت کریں۔ ہم اپنے باپ دادا کے عقیدے پر رہیں گے اپنے بتوں کی پوجا کریں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نظامِ حیات کو نہ چھیڑیں۔ معاشرے میں جو قوانین ہیں، جو سسٹم ہے اُسے نہ چھیڑا جائے۔

مکہ مکرمہ ایک ایسا مرکز تھا جہاں دنیا کے تقریباً سارے مذاہب موجود تھے۔ اس لیے کہ یہ لوگ بہت بڑے تاجر تھے اور مکہ سے چین تک اور مغربی ممالک تک تو تجارت ثابت ہے۔ جہاں جہاں تجارتی سفر پر جاتے انہیں جو مذہب ملتا، وہاں سے لے آتے۔ چنانچہ مکہ میں بتوں کو پوجنے والے بھی تھے اور بیت اللہ میں بھی تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ کوئی کسی بت کو پوجتا، کوئی کسی کو حتیٰ کہ ہر خاندان نے اپنا بت بنایا ہوا تھا۔ ہر گھر کے ہر فرد نے اپنا بت بنایا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں آگ کے پجاری بھی تھے، کچھ لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے، کچھ لوگ جنّوں کی جوتشیوں اور نجومیوں کی پوجا کرتے تھے جبکہ شیطان کے پجاری بھی موجود تھے اور اہلِ کتاب، یہودی اور عیسائی بھی موجود تھے۔ ان تمام مختلف مذاہب کا نظامِ حیات البتہ ایک تھا۔ ان کا لین دین کا طریقہ، عدالتی نظام جھگڑوں کا فیصلہ کرنا، معاشی و سیاسی نظام، معاشرتی نظام ایک تھا۔ یہ سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد بھیجتے تھے کہ یہاں اتنے بے شمار مذاہب ہیں تو ایک نیا مذہب اگر آ گیا ہے تو ٹھیک ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عقیدے کے مطابق جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم 'اللہ' کہتے ہیں اس کی پوجا کریں، جس طرح چاہیں، اُس طرح کریں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معاشرے کا جو نظام ہے جس پر تمام مذاہب متفق ہیں اُسے کیوں توڑنا چاہتے ہیں؟ کفر کا مطالبہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے میں جو حلال حرام کی تمیز ہے اس میں ہمارے ساتھ رہیے، لین دین کاروبار میں ہمارے ساتھ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی کافرانہ نظام کے خلاف تھے اور اللہ کے نظام کی دعوت دے رہے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ حقیقی دین تو عملی زندگی کا نام ہے جبکہ عبادات دین کا ایک بہت اہم حصّہ ہیں۔ لیکن پورا دین نہیں ہیں۔ عبادات کس لیے ہیں، ان

کا حاصل کیا ہے؟ عبادت کیوں کی جاتی ہے؟ کیا اللہ کو ہمارے سجدوں کی محتاجی ہے اگر ہم نماز نہیں پڑھیں گے تو اس کی عظمت میں کوئی فرق آ جائے گا؟ ہرگز نہیں! ہم محتاج ہیں۔ عبادات اس لیے ہیں کہ ہمارا تعلق اللہ کریم سے ایسا ہو جائے کہ ہم عملی زندگی میں اُس کی اطاعت کی جرأت کریں۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے، فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ (العنکبوت:45) بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

نماز کا حاصل یہ ہے کہ یہ برائی بے حیائی سے روکتی ہے یعنی عملی زندگی کو نظامِ اسلام میں ڈھال دیتی ہے۔ اگر ہماری عملی زندگی غیر اسلامی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہماری نماز، نماز ہے ہی نہیں! کوئی کمی ہے، ظاہری اٹھک بیٹھک ہے اس میں روحِ بندگی نہیں وہ نماز نہیں ہے۔ وطنِ عزیز میں آج ہم نے جو اسلام اپنا رکھا ہے کہ ہم عقیدہ بھی توحید پر رکھیں گے، قرآن کی تلاوت اور وظیفے بھی کریں گے، کوئی مرجائے گا تو اس کے لیے بھی قرآن پڑھیں گے۔ کوئی بیمار ہوگا تب بھی قرآن پڑھیں گے تاکہ مرنے والا آسانی سے مرجائے تو اس طرح کے طرزِ عمل کی اللہ کو ضرورت نہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ تم نے قرآن کو صرف یہ سمجھ لیا

کہ از یٰسین اُو آساں بمیری

تم کہتے ہو کہ قرآن پڑھو، سورہ یٰسں پڑھو تاکہ بندہ آسانی سے مرجائے یہ تو زندگی کی کتاب تھی تم نے اسے موت کا نسخہ بنادیا۔

وطنِ عزیز اور قرآن کا پیغام:

ہمیں چاہیے کہ نظامِ زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالا جائے۔ ہمارا معاشی نظام اسلامی ہو، عدالتی نظام، تعلیمی نظام اور سیاسی نظام اسلامی ہو۔ حکومت کے معاملات اور حکومت اور رعیت کے مابین معاملات اسلامی ہوں۔

ایک دفعہ ملک کے ایک اعلیٰ پائے کے سیاستدان نے یہ سوال کیا کہ لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، اذانیں بھی ہوتی ہیں، قرآنِ کریم کے ختم بھی ہوتے ہیں۔ لوگ حج، عمرہ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں پھر یہ دینی جماعتیں نفاذِ اسلام کا مطالبہ کیوں کرتی ہیں؟ اسلام تو ہر بندے کی زندگی میں موجود ہے تو اس نعرے کی سمجھ نہیں آتی! میں نے عرض کی کہ جناب بات دراصل یہ ہے کہ ذاتی زندگی میں تو لوگوں نے جتنا ان سے ہوسکتا ہے اسلام کا دامن تھام رکھا ہے۔ لیکن جو تعلق اس ادارے کا جسے حکومت یا حکمرانی کہتے ہیں اور عام آدمی کا ہے وہ غیر اسلامی ہے، غیر شرعی ہے۔ اسے اسلامی کرلیں تو اسلام نافذ ہوجائے گا۔

ہمارے نظامِ تعلیم میں ہر طرح کی خرافات ہیں۔ ہم پہلی جماعت کے بچے کو بتانا شروع کرتے ہیں کہ تصویریں کیسے بنائی ہیں رنگ کیسے بھرنے ہیں۔ سب بچوں کو بہت سے مضامین پڑھاتے ہیں لیکن کسی کلاس میں اللہ کا تصور، کوئی آخرت کی بات، کوئی دین کا تصور نہیں دیتے۔ بچوں کو اُن کا تعارف، کہ تم کون ہو، مسلمان کسے کہتے ہیں اسلام کیا ہے، ایسی کوئی بات نہیں ملتی۔ پریپ (PREP) سے لے کر پی ایچ ڈی (PHD) تک یہ نہیں بتایا جاتا تو پھر کیا فائدہ ہے؟ نظامِ تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔

ہم نے پاکستان بنتے دیکھا اور اس سے پہلے کا زمانہ بھی دیکھا ہے۔ ہم نے اُن سکولوں میں بھی پڑھا ہے جو قیامِ پاکستان سے پہلے غیر ملکیوں کی حکومت میں تھے۔ ہمارے زمانے میں پرائیویٹ سکول نہیں تھے اور ٹیوشن پڑھانے کا تو کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ ہم سکول سے آتے تھے پھر جو کام استاد دیتے تھے وہ گھر بیٹھ کر خود کرتے تھے۔ اکثر تین یا چار لڑکے اکٹھے ہو کر کام کرتے یا کسی کے باپ چچا یا پڑھی لکھی ماں یا دادی سے پوچھ لیتے لیکن ٹیوشن کا رواج نہیں تھا۔ جو میٹرک کر لیتا وہ بڑا پڑھا لکھا سمجھا جاتا تھا اور وہ پڑھا لکھا ہوتا تھا۔ آج کا ایم۔ اے پاس وہ خط لکھ پڑھ نہیں سکتا جو اُس دور کا مڈل یا میٹرک لکھ پڑھ لیتا تھا۔ یہی سکول پڑھاتے تھے۔ آج ایک سرکاری سکول ہوتا ہے اور اس کے ساتھ پچاس پرائیویٹ سکول ہوتے ہیں۔ سرکاری سکول مفت پڑھاتا ہے لیکن وہاں لوگ اس لیے نہیں جاتے کہ وہاں پڑھایا ہی نہیں جاتا۔ وہاں کوئی پڑھاتا نہیں اسی لیے اتنے پرائیویٹ سکول بن گئے۔ یہ سب اتفاقاً نہیں ہوتا بلکہ عمداً کیا جاتا ہے۔ حکمران طبقہ چاہتا ہے کہ قوم کو علم سے دور رکھا جائے، تعلیم کا نظام ٹھیک نہ کیا جائے تا کہ قوم جاہل رہے اور اُن کی ماتحت رہے۔ اگر قوم پڑھ لکھ جائے گی تو لوگوں کو حقوق کا تصور آئے گا۔ اگر ان کی صحت ٹھیک ہو گی تو مقابلے میں آئیں گے لہٰذا قوم کو معاشی تنگی میں مبتلا رکھو، انہیں مختلف بیماریوں میں مبتلا رکھو۔ معیشت ٹھیک نہ کرو، سود کا نظام رائج کر رکھا ہے اور ساری قوم کو سود کھلا رہے ہیں۔ جو قوم حرام کھا کر پلے گی وہ کیا جہاد کرے گی اور اس میں کون سی غیرت ہو گی؟ پھر کیسے بہنوں، بیٹیوں کو نچا کر تالیاں نہیں پیٹیں گے؟ حرام کھانے والے یہی کریں گے۔ اس لیے کہ حرام کھانے والا بے حیا ہوتا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ اللہ سے بغاوت ہے۔ یہ اللہ کی مخلوق پر ظلم ہے، اللہ سے بغاوت ہے۔ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیوں اسلام نافذ نہیں کرتے؟ فرمایا، دنیا کی عیش وعشرت کے لیے، دنیا کی لذتوں کے لیے آخرت کو بھول گئے ہیں۔ انہوں نے دنیا کو اپنے لیے پسند کر لیا ہے، آخرت کا حساب یاد نہیں رکھا اور دنیا کی عیش وعشرت میں کھو گئے ہیں۔ چنانچہ اب دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے جو ان کے سامنے کر دی گئی ہے۔ یہ ان لوگوں کی رہائش ہے اور یہ خود تو ڈوبیں گے ہی ہمیں بھی لے ڈوبیں گے کہ ہم بھی اللہ کے دین کا دامن چھوڑ کر انہی سے چمٹے ہوئے ہیں کہ

ہمیں یہاں سے کچھ ملے گا ہم انہیں ہی نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ کم از کم ہم تو یہ سمجھ جاتے کہ یہ ہمارا مستقبل تباہ کر رہے ہیں، ہمارا دین بھی چھین رہے ہیں اور ایمان بھی چھین رہے ہیں تو ایک اسلامی انقلاب آجاتا۔ ہم اپنے اندر انقلاب لاتے تو پورے ملک میں انقلاب آجاتا لیکن ہماری امیدیں بھی تو اللہ کی بجائے حکمرانوں سے وابستہ ہیں اور ہر بندہ کسی نہ کسی کے پیچھے نعرے لگا رہا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ لوگ جوان بیٹیوں کو بنا سنوار کر سیاسی جلسوں میں کیسے بھیج دیتے ہیں! پھر شکوہ کرتے ہیں کہ بیٹی کو چھیڑا گیا۔ آخر بیٹی کو بنا سنوار کر ان خچروں کے طویلے میں بھیجا ہی کیوں؟ انہیں غیرت نہیں آئی؟ شرم نہیں آئی؟ فرمایا، جنہوں نے بغاوت کی اور دنیا کی زندگی کو چن لیا۔ حکمران چونکہ عیش کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے دنیا کو چُن لیا ہے اور ہم جو محکوم ہیں ہم عیش کی توقع پر اُن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ہم عیش نہیں کر رہے دھکے کھا رہے ہیں پھر بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانتے حکمرانوں کی مانتے ہیں کہ ہمیں بھی کچھ مل جائے گا۔ کوئی بچا کھچا ٹکڑا جو گرے گا ہم بھی کھا لیں گے۔ فرمایا، ایسے لوگوں کو آج جہنم میں جھونکا جائے گا۔ اس سارے کردار کا حاصل، ان کا نتیجہ آج دوزخ کا داخلہ ہے۔

جنت میں لے جانے والے اوصاف:

فرمایا: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ اور جو اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو خواہشات سے روکتا رہا۔

وہ جسے آخرت کا یقین نصیب ہوا اور اُس دن سے ڈرا کہ جس دن پیدا کرنے والا، نعمتیں دینے والا ربّ حساب بھی لے گا۔ جسے اُس دن کا خوف رہا اور اس نے اپنا کردار درست کر لیا کہ مجھے اللہ کے روبرو جانا ہے اور میری اطاعت اس قابل نہ سہی کہ اس کی بارگاہ میں پیش کروں تو کم از کم اس کی نافرمانی تو نہ کروں۔ فرمایا، جو اللہ کے روبرو پیش ہونے سے خائف رہا اور اس نے اپنے نفس کو دنیوی لالچ اور ناجائز خواہشات سے روکا اور اطاعتِ الٰہی کے دائرے میں رکھا۔ جس نے خود کو عیش وعشرت، دنیوی لذات، اقتدار اور دولت کے لالچ سے روکا، فرمایا: فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾ تو یقیناً اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

ایمان بالآخرۃ، قیامت پر کامل یقین اور اللہ کی نافرمانی سے رک جانا، یہی وہ اوصاف ہیں جن کے نتیجے میں اُسے جنت نصیب ہوگی، جنت کو اس کا گھر بنا دیا جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ:

فرمایا: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ آپ سے قیامت کے بارے پوچھتے ہیں کہ کب واقع ہوگی؟ اس کے (وقوع کے) ذکر سے آپ کا کیا (تعلق)۔

یہ نادان اپنی اصلاح کرنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ اگر قیامت آنی ہے تو کب آئے گی؟ بھلا اس سوال سے ان کا کیا تعلق ہے؟ کب آئے گی، ابھی آ جائے یا ہزاروں سال بعد آئے، اس سے کسی کا کیا تعلق ہے؟ ان کا تعلق تو اپنے کردار سے ہے، کیا یہ اس کے لیے تیار ہیں یا اس بات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا تعلق ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کیا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب عالی تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بروقت اطلاع کر دیں کہ قیامت بھی آ رہی ہے۔ اس کی تیاری کرو، یہ یہ کام کرو اور ان کاموں سے روک جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی خبر دینے والے ہیں، قیامت لانے والے نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے حالات بتا دیے کہ قیامت کیسے آئے گی اور اس میں کیا کیا ہوگا۔ کیسے حساب کتاب ہوگا، کس عمل کا کیا نتیجہ ہوگا، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ ہے۔ اب کب آئے گی یہ وہ جانے جس نے قیامت قائم کرنی ہے۔ فرمایا: اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اس کے واقع ہونے کا وقت تو آپ کا پروردگار ہی جانتا ہے۔

فرمایا، یہ معاملہ تو اللہ کا ہے کہ قیامت کب آئے گی، کیسے آئے گی؟ یہ تو لانے والا جانے اور اس کا کام جانے۔ اس دنیا کا انجام تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار کے دستِ قدرت میں ہے۔ اُس نے دنیا بنائی ہے، وہی جانتا ہے کہ اس کی کتنی مدت رکھی ہے اور وہ کب ختم ہوگی۔ جس نے دن بنایا ہے، وہ جانتا ہے کہ کب شام ہوگی۔ جس نے رات بنائی ہے وہ جانتا ہے کہ کب صبح ہوگی۔ جس نے پیدا کیا ہے وہ جانتا ہے اس کی موت کب ہوگی۔ یہ لوگ اپنی موت کا علم نہیں رکھتے اور جہان کے خاتمے کی خبر پوچھتے ہیں! کسی کو اپنا پتا نہیں، اپنے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن کی موت کا پتا نہیں تو اس بات سے انہیں کیا غرض ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی! یہ مسئلہ انسانوں کا نہیں ہے البتہ قیامت کی تیاری کیسے کرنی ہے، یہ سارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا۔ فرمایا: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ یقیناً آپ کا منصب تو انجامِ کار سے مطلع کرنا ہے جسے آخرت کی فکر ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ جلیلہ یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے اس کے حالات سے لوگوں کو بڑی وضاحت سے اطلاع کر دیں تاکہ جس کا جی چاہے وہ اس سے اپنا بچاؤ کر لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصبِ عالی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دامانِ رحمت پھیلا دیں۔ پھر جو چاہے اس کے زیرِ سایہ آجائے۔

یہ لوگ گھبرا رہے ہیں کہ قیامت کب ہوگی تو اتنی دور کی بات نہیں ہے، فرمایا: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾ کہ جس دن وہ اس کو دیکھیں گے تو جانیں گے کہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا اس کی ایک صبح رہے تھے۔

جب یہ لوگ قیامت کو دیکھیں گے تو وہ ہزاروں سال جو برزخ میں گزار چکے ہوں گے وہ انہیں پل پہر جیسے ہی لگیں گے۔ یہ سمجھیں گے کہ ابھی تو آنکھ لگی تھی اور ابھی قیامت آ گئی! فرمایا، جب قیامت کو اٹھو گے تو کہو گے کہ کل کی بات ہے کہ دنیا میں تھے پھر برزخ میں آئے اور قیامت بھی آ گئی! فرمایا، آج انہیں دور لگتی ہے لیکن جب قیامت میں آئیں گے تو کہیں گے کہ کوئی جھٹ پہر ہی تھا، دنیا میں چند لمحے گزارے، قبر میں کمر سیدھی نہیں کی تھی کہ قیامت آ گئی!

اس کا اندازہ ہم اپنی زندگی میں لگا سکتے ہیں کہ اگر آج ہم سے کوئی قرض لے اور کہے کہ وہ ہمیں تیس سال بعد یا چالیس سال بعد واپس دے گا تو حیرت سے منہ کھلا رہ جائے گا کہ چالیس سال بعد؟؟ ہم کہتے ہیں نہیں جی یہ سودا منظور نہیں، کب چالیس سال گزریں اور پیسے ملیں۔ دوسری طرف جو چالیس پچاس سال گزر چکے ہیں ان کی طرف دیکھو تو ایسا لگتا ہے کہ ابھی کل تو ہم سکول میں تھے، آج بوڑھے ہو گئے یہ تو پتا ہی نہیں چلا!

فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے حقائق ارشاد فرما دیے ہیں کہ قیامت میں کیا کیا ہوگا اور اس کی تیاری کیا ہے۔ جس کے نصیب اچھے ہوں، وہ تیاری کر لے گا۔

سورۃ عَبَسَ رکوع 1 آیات 1 تا 42

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝٣ اَوْ يَذَّكَّرُ
فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝٤ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝٥ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝٦ وَمَا عَلَيْكَ
اَلَّا يَزَّكّٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝٨ وَهُوَ يَخْشٰى ۝٩ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝١٠
كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝١٢ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝١٣ مَّرْفُوْعَةٍ
مُّطَهَّرَةٍ ۝١٤ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝١٥ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝١٦ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝١٧ مِنْ
اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝١٨ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝١٩ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝٢٠ ثُمَّ
اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝٢١ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝٢٢ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝٢٣ فَلْيَنْظُرِ
الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝٢٤ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝٢٥ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ
شَقًّا ۝٢٦ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝٢٧ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝٢٨ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝٢٩
وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝٣٠ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝٣١ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝٣٢ فَاِذَا
جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝٣٣ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝٣٤ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝٣٥
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝٣٦ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝٣٧ وُجُوْهٌ
يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝٣٨ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝٣٩ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝٤٠
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝٤١ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝٤٢

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرا ﴿١﴾ اور رُخِ انور پھیر لیا کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا ﴿٢﴾ اور آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا ﴿٣﴾ یا نصیحت حاصل

کرتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا ﴿۴﴾ وہ جو پرواہ نہیں کرتا ﴿۵﴾ تو آپ اس کی فکر
میں ہیں ﴿۶﴾ حالانکہ اگر اس کی اصلاح نہ ہو تو آپ پر کچھ الزام نہیں ﴿۷﴾ اور جو
بڑی کوشش سے آپ کے پاس آیا ﴿۸﴾ اور وہ (اللہ سے) ڈرتا بھی ہے ﴿۹﴾ تو
آپ اُس سے رُخِ انور پھیر رہے ہیں ﴿۱۰﴾ دیکھیں! یقیناً یہ (قرآن) نصیحت
ہے ﴿۱۱﴾ پھر جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے ﴿۱۲﴾ بلند مرتبہ اوراق میں
لکھا ہوا ﴿۱۳﴾ جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) بہت پاکیزہ ہیں ﴿۱۴﴾ لکھنے
والوں کے ہاتھوں میں ﴿۱۵﴾ جو بلند مرتبہ (اور) بہت نیک ہیں ﴿۱۶﴾ انسان
ہلاک ہو جائے، کس قدر ناشکرا ہے ﴿۱۷﴾ اسے (اللہ نے) کس چیز سے
بنایا ﴿۱۸﴾ ایک قطرے سے اُسے بنایا پھر اس (کے اعضاء و جوارح اور عمر وغیرہ)
کا اندازہ مقرر فرمایا ﴿۱۹﴾ پھر اس کیلئے راستہ (ان تمام فیصلوں تک پہنچنے کا)
آسان کر دیا ﴿۲۰﴾ پھر اس کو موت دی پھر قبر میں دفن کرایا ﴿۲۱﴾ پھر جب چاہے
گا اُسے اُٹھا کھڑا کرے گا ﴿۲۲﴾ ہر گز نہیں! اسے جو حکم دیا اس نے پورا نہیں
کیا ﴿۲۳﴾ تو انسان اپنے کھانے کی طرف (ہی) دیکھ لے ﴿۲۴﴾ کہ ہم
نے گرایا پانی برستا ہوا ﴿۲۵﴾ پھر ہم نے زمین کو چیرا پھاڑا ﴿۲۶﴾ پھر ہم ہی
نے اس میں اناج اُگایا ﴿۲۷﴾ اور انگور اور ترکاری ﴿۲۸﴾ اور زیتون اور
کھجوریں ﴿۲۹﴾ اور گھنے گھنے باغ ﴿۳۰﴾ اور پھل اور چارہ ﴿۳۱﴾ (یہ
سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کی ضرورت کے لیے بنایا ﴿۳۲﴾
پھر جب آئے گی غل مچانے والی (قیامت) ﴿۳۳﴾ اس روز آدمی اپنے بھائی
سے دور بھاگے گا ﴿۳۴﴾ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ﴿۳۵﴾ اور اپنی
بیوی اور اپنے بیٹوں سے ﴿۳۶﴾ اس روز ان میں سے ہر شخص کی حالت ایسی
ہوگی کہ باقی چیزیں اُسے بھلا دے گی ﴿۳۷﴾ کتنے چہرے اس دن روشن
ہوں گے ﴿۳۸﴾ ہنستے ہوئے خوش باش ﴿۳۹﴾ اور کتنے چہرے ہوں گے
جن پر اس دن گرد پڑ رہی ہوگی ﴿۴۰﴾ (اور) ان پر سیاہی چڑھ رہی
ہوگی ﴿۴۱﴾ یہ لوگ کافر (اور) بدکردار ہیں ﴿۴۲﴾

تفسیر و معارف

سورۂ عبس شروع ہوتی ہے۔ یہ بھی اُن سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔

نفع یقینی پر نفع موہوم کو ترجیح نہ دی جائے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر گراں گزرا اور رُخِ انور پھیر لیا کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بات پسند نہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھڑکتے نہیں تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور پر ناگواری کے اثرات پیدا ہو جاتے تھے۔ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور پر ناگواری کے اثرات نمودار ہوئے۔ ہوا یوں کہ کچھ رُؤسائے مکہ خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور وہ سب ایسے بااثر لوگ تھے کہ اگر وہ بات مان لیتے تو شاید مکہ مکرمہ میں بہت بڑا انقلاب آ جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن رُؤسا کو سمجھا رہے تھے کہ ایک صحابیؓ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔

یہ صحابیؓ دونوں آنکھوں سے نابینا تھے اور عبداللہ ابنِ اُمِ مکتوم کہلاتے تھے۔ 'مکتوم' اندھے کو کہا جاتا ہے اس نسبت سے اُن کی والدہ اُمِ مکتوم کہلاتی تھیں اور انہیں ابنِ اُمِ مکتوم کہا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور کسی آیۂ کریمہ کی شرح جاننا چاہی۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے ارشاد فرمایے۔ اُنہیں اس قدر ذوق تھا، اس قدر تشنگی تھی کہ انہوں نے اپنا سوال کئی بار دہرایا اور اصرار کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع عالی پر یہ بات ناگوار گزری کہ سامنے رُؤسائے مکہ بیٹھے ہیں جو اگر بات قبول کر لیں تو ایک انقلاب بپا ہو سکتا ہے جبکہ یہ تو پہلے ہی مسلمان ہیں اور بات کو کسی اور وقت بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اُن کی مداخلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب زیادہ اظہارِ ناپسندیدگی فرماتے تو اُدھر سے رخِ انور پھیر لیتے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخِ انور پھیر لیا۔ اللہ کریم کو یہ بات پسند نہ آئی اور ایک عجیب قانون اور مسئلہ ارشاد فرما دیا۔ جب وہ نابینا بندہ گزارش لے کر خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور پر ناگواری کے اثرات ہویدا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخِ انور پھیر لیا تو فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اور آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا نصیحت حاصل کرتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔

یہاں یہ مسئلہ ارشاد ہو رہا ہے کہ چونکہ سوال پوچھنے والا مومن تھا اور وہ آیہء کریمہ کی شرح چاہتا تھا تو اُس کا نفع یقینی تھا۔ سردارانِ مشرکین اگرچہ بہت بڑی جمعیت کے سردار تھے لیکن اُن کا ایمان لانا یقینی نہیں تھا موہوم تھا، تو یہ مسئلہ بیان ہوا کہ یقینی پر موہوم کو ترجیح نہ دی جائے۔ یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد تھا کہ یہ تو پہلے ہی مسلمان ہے تو کوئی نقصان نہیں ہوگا یہ بعد میں بھی بات سمجھ لے گا البتہ اگر یہ سردار سمجھ گئے تو اسلام کا بہت فائدہ ہوگا لیکن اللہ کریم نے اصول ارشاد فرمادیا کہ نفعِ یقینی کو نفعِ موہوم پر ترجیح نہ دی جائے۔ یہ ایک نابینا اللہ کے نزدیک ان سرداروں سے زیادہ اہم ہے۔

تزکیہ کے دو درجے:

فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ﴿٣﴾ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٤﴾ اور آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت حاصل کرتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا خبر کہ یہ تزکیہ کو حاصل کرلے یا ذکر حاصل کرلے اور ذکر اُسے فائدہ دے۔ تزکیہ کیا ہے؟ تزکیے کے دو درجے ہیں۔ ایک اعلیٰ اور کاملین کے لیے ہے کہ اُنہیں ترقیٔ درجات نصیب ہوتی ہے۔ دوسرا مبتدی کے لیے کہ اُسے ذکر نصیب ہو جاتا ہے، نصیحت نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کے کام کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ گویا نئے آنے والوں کو اللہ کی یاد نصیب ہو جاتی ہے اور پہلے سے یاد کرنے والوں کو مزید ترقی مل جاتی ہے۔

یہ دو درجات ہیں قربِ الٰہی کے اور مسلمانوں میں جو یہ پیری مریدی کا رواج ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ اگر پہلے سے ذاکر ہے تو مزید ترقیٔ درجات نصیب ہوں اگر ذاکر نہیں ہے تو اسے ذکرِ قلبی نصیب ہو جائے۔ یہی واحد مقصد ہے۔ اس کے علاوہ یہ سمجھنا کہ پیر صاحب کے پاس جائیں گے تو اولاد ہوگی، شفا ہوگی، نوکری مل جائے گی، یہ سب غیر اسلامی عقائد ہیں۔ غیر اسلامی رواجات و رسومات ہیں۔ یہ سب اللہ کے کام ہیں جسے جو چاہے، جب چاہے عطا کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ نوکری، صحت، اولاد، دنیا کے سارے کام ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں تو ایک لمحے کا ذکر ان سے بھاری ہے۔ اہل اللہ کی محافل جوہریوں کی دکانیں ہوتی ہیں، یہاں سے گاجر مولیاں نہیں خریدی جاتیں۔ دنیا کے کاموں کی حیثیت ذکرِ الٰہی کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے آپ ہیرے اور جواہرات کے مقابلے میں گاجر مولیاں خریدنے نکل پڑیں۔ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا تو اندازہ نہیں ہے کہ اُس کا تزکیہ ہو جائے، اُسے اعلیٰ مناصب نصیب ہو جائیں یا کم از کم ذکرِ الٰہی سیکھ لے اور وہ ذکر اُسے فائدہ دے۔

فرمایا: أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾ وہ جو پروا نہیں کرتا تو آپ اس کی فکر میں ہیں۔

فرمایا، جولوگ احکامِ الٰہی کی پروانہیں کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی فکر کیوں کرتے ہیں؟ جوخود کو اللہ کے احکام سے مستغنی سمجھتے ہیں کہ انہیں دین کی ضرورت نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! جن لوگوں کو اللہ کے احکام کی ضرورت نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی فکر نہ کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ اللعالمین ہیں اور ایک ایک بندے کی فکر فرمانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیوہ ہے حتیٰ کہ کافر کے لیے بھی دکھی ہو جاتے تھے کہ میری بعثت کے بعد یہ دوزخ میں کیوں جائے۔ یہ بھی بچ جائے تو بہتر ہے۔ فرمایا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہ کرے تو پھر اُس کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ فرمایا: وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ۝ حالانکہ اگر اس کی اصلاح نہ ہو تو آپ پر کچھ الزام نہیں۔

فرمایا، اگر ان کا تزکیہ نہیں ہوتا تو اس کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اعلانِ عام فرما دیا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف:158) آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری انسانیت کو اعلان فرما دیا اب یہ انسانوں کا کام ہے کہ وہ دوڑتے ہوئے آئیں، شوق سے آئیں جذب سے آئیں اور اپنا دامنِ مراد بھریں۔ جو نہیں آتا، کہتا ہے مجھے ضرورت نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کیا ضرورت ہے!

فرمایا: وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۝ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۝ اور جو بڑی کوشش سے آپ کے پاس آیا۔ اور وہ (اللہ سے) ڈرتا بھی ہے۔

فرمایا، جو شوق سے بھاگتا ہوا، پوری کاوش اور خلوص سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اُسے اللہ کے قرب کی ضرورت بھی ہو۔ وہ اللہ سے اپنا تعلق بھی قائم کرنا چاہتا ہو، خشیت سے مراد اللہ سے تعلق ٹوٹنے کا ڈر ہے۔ اللہ سے تعلق ہو تو پھر ٹوٹنے کا ڈر رہتا ہے۔ فرمایا: فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۝ تو آپ اُس سے رخِ انور پھیر رہے ہیں۔

فرمایا، جو شوق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخِ انور پھیر لیں تو یہ بات ٹھیک نہیں۔ یہ نابینا ہے، کمزور ہے، اس کی بات سے شاید لوگ متاثر نہ ہوں لیکن اسے لقائے الٰہی (ملاقاتِ الٰہی) کا

شوق ہے۔ اس کے دل میں اللہ سے محبت ہے اور اللہ سے تعلق کے ٹوٹنے کا ڈر ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں اس لیے حاضر ہوا ہے تو اس سے رخِ انور پھیرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مناسب نہیں ہے۔

فرمایا: كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ "دیکھیں! یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ پھر جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے"۔ فرمایا، یہ قرآنِ کریم، یہ اسمِ ذات، ذکرِ الٰہی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات یہ سب اللہ کی طرف سے نصیحت ہے۔ یہ اللہ کا احسان اور انعام ہے۔ اب یہ لوگوں پر ہے، جو چاہے وہ یہ انعام حاصل کرے، نصیحت حاصل کرے۔ یہ لوگوں کے ذمے ہے کہ وہ اس کی عظمت کو پہچانیں، اس کی اہمیت کو جانیں اور اسے حاصل کریں۔ اس کی قدر کرنا، اب لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

قرآن کی عظمت:

فرمایا: فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ بلند مرتبہ اوراق میں لکھا ہوا۔

فرمایا، یہ قرآنِ کریم تو بہت عالیشان، بہت ہی اعلیٰ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ یہ علمِ الٰہی سے آ کر لوحِ محفوظ میں بہت ہی مکرم، معزز، مقدس اور نہایت پاکیزہ ترین اوراق میں لکھا ہوا ہے۔ فرمایا: مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) بہت پاکیزہ ہیں۔

فرمایا، یہ اوراق بہت بلند مقام پر رکھے ہیں۔ بہت اعلیٰ پاکیزہ ترین اوراق ہیں جو بہت عظیم اور بلند مقام پر رکھے ہیں۔ فرمایا: بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔ جو بلند مرتبہ (اور) بہت نیک ہیں۔

فرمایا، جو فرشتے اس پر مقرر ہیں وہ بھی بلند عالی مقام بہت پاکیزہ، بہت نیک و پارسا ہیں۔

ایک شرعی مسئلہ:

یہاں سے علما اخذ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کو لکھنے یا چھونے کے لیے پاکیزگی شرط ہے۔ اگر مرد یا عورت پر غسل واجب ہو تو جُنبی قرآن کو نہیں چھو سکتا۔ حیض و نفاس والی عورت بھی ان ایام میں قرآن کو نہیں چھو سکتی یعنی قرآن کو ناپاک ہاتھ نہیں لگائے جاسکتے۔ اسی طرح متقدمین نے طہارت ہی شرط لکھی ہے۔ ارشادِ باری ہے، فرمایا: لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (سورۃ واقعہ: 79) اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ متقدمین نے بھی فقہ کی ساری کتابوں میں طہارت ہی لکھا ہے۔ جب ہم تک آیا تو پہنچتے پہنچتے طہارت کا ترجمہ وضو کر دیا گیا اور کہا گیا کہ قرآن کو باوضو چھوا جائے۔ اگر قرآنِ حکیم میں دیکھیں تو سورۃ توبہ میں اہلِ قبا کے بارے ارشادِ ربانی ملتا ہے: فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ

يَّتَطَهَّرُوْا۔ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (سورۃ توبہ:108) ''ان میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں''۔ فرمایا، اس میں وہ لوگ ہیں جو طہارت سے رہتے ہیں، اللہ طہارت سے رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جب رفع حاجت کرتے ہیں تو پانی سے طہارت کر لیتے ہیں۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ اگر رفع حاجت کے بعد پانی سے طہارت کر لی جائے تو یہ طہارت کافی ہے یعنی یہی طہارت شرط ہے۔ یہ جو وضو والی شرط ہے اس نے تو بے شمار مخلوق کو قرآنِ کریم پڑھنے کی سعادت سے محروم کر دیا اس لیے کہ ہر وقت، ہر بندہ باوضو نہیں رہ سکتا۔ باوضو رہنا خود ایک عبادت ہے اور باوضو قرآنِ کریم پڑھنا بہت اچھی بات ہے لیکن ہر بندہ ہر وقت وضو نہیں رکھ سکتا۔ نماز کے لیے تو وضو فرض ہے اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں کئی بیماریاں یا ایسی مشکلات ہیں کہ وہ بمشکل نماز پڑھتے ہیں۔ جو بات میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم چھونے کے لیے طہارت شرط ہے۔ یہ ظاہری طہارت کی بات ہوگئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ارشاد ہوا ہے بَرَرَةٍ﴿۱۶﴾ ''بہت نیک ہیں''۔ یہ پاکیزگی، نیکی بَرَرَة دل کی پاکیزتی ہوتی ہے لہٰذا قرآن پڑھنے والے، پڑھانے والے، حفاظ اور حفظ کرنے والے، اہلِ علم، بیان کرنے والے، سننے والے، لکھنے والے، ان سب کے دلوں کو پاک ہونا چاہیے۔ دلوں کی پاکیزگی ذکرِ الٰہی سے ہوتی ہے اور ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم وضو تو کر لیتے ہیں لیکن دل غافل ہیں اور دنیا کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ دلوں میں یادِ الٰہی نہیں ہے، پاکیزگی نہیں ہے لہٰذا کسی عبادت کا کوئی اثر، کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ ہم بیان کرتے ہیں، لوگ سنتے ہیں، ہم بھی چلے جاتے ہیں، لوگ بھی چلے جاتے ہیں کوئی اثر نہیں ہوتا نہ کوئی تبدیلی آتی ہے۔

انسان کس بات پر اکڑتا ہے!

فرمایا: قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ﴿۱۹﴾

انسان ہلاک ہو جائے، کس قدر ناشکرا ہے۔ اسے (اللہ نے) کس چیز سے بنایا۔ ایک قطرے سے اُسے بنایا پھر اس (کے اعضاو جوارح اور عمر وغیرہ) کا اندازہ مقرر فرمایا۔

فرمایا، انسان تباہ ہو جائے، مارا جائے یہ کس بات پر کفر کرتا ہے؟ اس کے پاس انکار کی، کفر کی کیا دلیل ہے؟ جس طرح پنجابی میں کسی کو بہت ہی الٹا کام کرنے پر کہہ دیا جاتا ہے ''تیرا ککھ نہ رہوے تو ایہہ کی کیتا'' اسی طرح عربی میں 'قُتِلَ' یعنی مارا جائے تو یہ تُو نے کیا کیا! فرمایا، انسان مارا جائے، کس بات پر کفر کرتا ہے اور یہ کس بات پر اکڑتا پھرتا ہے! ذرا سوچے تو سہی اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے۔ اس کی حیثیت کیا ہے، یہ کس بات پر اکڑتا

ہے؟ کس بات پر 'میں، میں' کرتا ہے؟ ان اجزائے خاکی پہ جو زمین میں منتشر تھے؟ وہ ذرّاتِ خاکی جنہیں مختلف شکلیں دے کر، پھر اُنہیں مختلف غذائیں، دوائیں بنا کر مختلف پیٹوں میں سے گزار کر ایک محلول سا بنا دیا جو اتنا ناپاک ہے کہ اس کو چُھو لو تو ہاتھ ناپاک ہو جائیں، کپڑے سے لگے تو کپڑا ناپاک ہو جائے۔ اگر وجود سے نکلے تو وجود پر غسل واجب ہو جائے۔ انسان سوچے کہ اس کی حیثیت کیا ہے، کس چیز سے اسے پیدا کیا گیا ہے! ایک ناپاک قطرے سے اور پھر اُس قطرے سے اسے پیدا کر کے خوبصورت تنومند، نوجوان ایک انسان بنا دیا۔ اُسے رشتے ناتے دیے، والدین دیے، اولادیں دیں، بہن بھائی، برادریاں قبیلے دیے۔ اسے شہر بستیاں، قومیں دیں۔ دولت، مال اور اقتدار دیا۔ اُسے کہاں سے اٹھا کر کہاں پہنچا دیا اور یہ اُس پہنچانے والے کا انکار کرتا ہے؟ فرمایا: ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ ''پھر اس کے لیے راستہ (ان تمام فیصلوں تک پہنچنے کا) آسان کر دیا۔'' فرمایا، اس کے لیے زندگی کی راہیں آسان کر دیں۔ پشت سے شکمِ مادر میں منتقل ہونے کی راہ، پھر شکمِ مادر سے دنیا میں آنے کی راہ اللہ نے آسان کر دی اور دنیا میں پلنے بڑھنے اور جوان ہونے کی راہ بھی اللہ نے آسان کی۔ اس سارے سلسلے میں انسان کا کہیں کوئی دخل ہے؟

مُردے کو قبر میں دفن کرنا واجب ہے:

فرمایا: ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾ ''پھر اس کو موت دی پھر قبر میں دفن کرایا''۔ فرمایا، پھر اس کا احسان ہے کہ اس نے موت بھی رکھی۔ اگر آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک سارے انسان زندہ رہتے تو اتنے بوڑھے کہاں جاتے! پھر تو پاؤں زمین پر نہ پڑتا بلکہ بوڑھوں پر پڑتا جو اُٹھ سکتے نہ بیٹھ سکتے نہ لیٹ سکتے۔ جنہیں نیند آتی نہ کھانا ہضم ہوتا، انہیں کوئی پوچھتا نہ کھلاتا پلاتا۔ اپنے سگے دادا یا والد بوڑھے ہو جائیں تو بوجھ لگنے لگتے ہیں اور اب مغرب میں تو اُنہیں لوگ اولڈ ہومز (OLD HOMES) میں چھوڑ آتے ہیں۔ اگر یہ موت نہ ہوتی تو دنیا کا کیا حال ہوتا! پھر اس کے لیے قبر کا اہتمام کیا۔ یہاں سے علما نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ مردے کو دفن کرنا واجب ہے اور سنت یہ ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے اتنا جلدی دفن کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خادمہ تھیں جو مسجد میں صفائی کیا کرتی تھیں۔ اُن کا رات کے وقت انتقال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے اور حجرۂ مبارک میں آواز دینے کی تو اجازت نہیں تھی۔ چنانچہ اُنؓ کا جنازہ رات کو پڑھا کر دفن کر دی گئیں، صبح تک انتظار نہ کیا گیا۔ صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد تشریف لائے تو فجر کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا کرم فرمایا کہ اُنؓ کی قبر پر جا کر پھر

جنازہ پڑھا لیکن صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی تعمیل کی اور دفنانے میں تاخیر نہیں کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا انتظار نہیں کیا گیا۔آج ہمارے دور میں یہ حال ہے کہ باپ مرجائے تو بیٹا جو فرانس میں رہتا ہے، اُس کا انتظار کیا جاتا ہے اور میت کو سردخانے میں جمع کرادیا جاتا ہے کہ بیٹا آئے گا تو جنازہ پڑھیں گے۔یہ خلافِ شریعت ہے، جائز نہیں ہے۔میت کو جتنا جلدی ہوسکے دفن کرنا سنت ہے جبکہ دفن کرنا واجب ہے۔فرمایا: ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ پھر جب چاہے گا اٹھا کھڑا کرے گا۔

فرمایا، پھر بات دفن پر ختم نہیں ہوگی، اللہ کریم جب چاہے گا سب کو زندہ کرکے کھڑا کردے گا۔انسان کس بات پر اکڑتا ہے جبکہ اُسے اپنے آپ کو بنانے پر اختیار تھا نہ پیدا ہونے پر اختیار تھا؟ اُسے جوان ہونے پر، مالدار ہونے پر حکمران بننے پر اختیار تھا نہ موت پر اختیار تھا تو پھر قیامت کو اٹھنے پر اُس کا کوئی بس کیونکر چلے گا؟

عطائے باری اور روشِ انسانی:

فرمایا: كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ "ہرگز نہیں! اسے جو حکم دیا اس نے پورا نہیں کیا"۔فرمایا اے انسان! تُو نے اللہ کے احکام کی تعمیل نہیں کی۔حالانکہ تجھ پر اس قدر رحمتیں فرمائیں اور تُو نے ہی اللہ کے احکام، اللہ کے دیے ہوئے نظامِ حیات پر عمل سے انکار کردیا۔اے انسان! تجھے اللہ نے بنایا، تجھے ساری قوتیں عطا کیں، عقل وشعور عطا کیا اور یہ کارگاہِ حیات تیرے لیے بنائی اور تُو اتنا خودسر ہے کہ اس سے بغاوت کرکے اس چند روزہ زندگی میں اپنی مرضی نافذ کرتا ہے! جس کام کا اللہ نے حکم دیا تھا تُو نے وہ کام نہیں کیا۔فرمایا: فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ تو انسان اپنے کھانے کی طرف (ہی) دیکھ لے۔

انسان اپنے کھانے پینے پر ہی غور کرے، سوچے تو سہی کہ ایک ایک بندے کا پیٹ بھرنے کے لیے اللہ کریم نے کتنے اسباب پیدا فرمائے ہیں۔فرمایا: اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ کہ ہم نے گرایا پانی برستا ہوا۔

فرمایا، یہ اللہ کریم ہیں جو بارش کا قطرہ قطرہ برساتے ہیں اور ایسا برساتے ہیں جیسا برسانے کا حق ہے۔جہاں چاہیے، وہاں وہ قطرہ پہنچاتے ہیں۔جس ذرّے کا مقدر ہے اور جس سے مل کر اس قطرے نے جو جنس بننا ہے وہ قطرہ وہاں پہنچ کر وہ جنس بن جاتا ہے۔جس دانے نے جس وجود کا حصّہ بننا ہے، جس وجود کے سیل (CELL) جس دانے سے بن رہے ہیں، وہ دانہ اس تک پہنچاتے ہیں۔کتنے انتظام سے ہم ایک ایک قطرہ بارش کا پہنچاتے ہیں اور فرمایا: ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ پھر ہم نے زمین کو چیرا پھاڑا۔پھر ہم ہی نے اس میں اناج اُگایا۔اور انگور اور ترکاری۔اور زیتون اور کھجوریں۔

فرمایا، ہم زمین کا سینہ پھاڑ کر ایک ایک سیل (CELL) کو پھلوں، دانوں، خوشوں کی صورت میں نکالتے ہیں، اناج، پھل، انگور، سبزیاں ترکاریاں اُگاتے ہیں۔ زیتون اور کھجور کے بڑے بڑے درخت اُگاتے ہیں جن پر مختلف پھل لگتے ہیں۔ کسی سے تیل لیتے ہو اور کسی کا پھل کھاتے ہو۔ فرمایا: وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿۳۰﴾ اور گھنے گھنے باغ۔ فرمایا، تمہارے لیے گھنے گھنے باغ، بڑے بڑے درخت، پھل پھول، کیا کیا اُگاتے ہیں۔ وہی مٹی، وہی پانی، وہی اجزا لیکن اُنہیں مختلف نسبتوں سے ملا کر مختلف نعمتیں بنا دیتے ہیں۔ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ ''اور پھل اور چارا''۔ یعنی بے شمار اقسام کے پھل اور نعمتیں بنا دیں۔ اُسی میں سے انسانوں کی غذا بھی بن جاتی ہے اور حیوانات کے لیے چارا بھی بن جاتا ہے، غذا بن جاتی ہے یعنی انسان بھی کھا لیتے اور حیوان، چرند پرند بھی کھا لیتے ہیں۔ فرمایا: مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿۳۲﴾ (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چاپویوں کی ضرورت کے لیے بنایا۔

فرمایا، تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لیے، سب کے لیے غذا کا اہتمام کر دیا۔ ہر ذی روح کے لیے ایک دسترخوان بچھ جاتا ہے۔ انسان، حیوان، چرند، پرند، آبی جانور سب اس سے کھا رہے ہیں لیکن آخر کب تک!

قیامت:

فرمایا: فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ ''پھر جب آئے گی غل مچانے والی قیامت''۔ فرمایا، ایک دن غُل مچانے والا لمحہ آئے گا، شورِ قیامت برپا ہوگا اور اس قدر شور مچے گا کہ ہر چیز ٹوٹے پھوٹے گی، زمین تہہ و بالا ہو جائے گی۔ پہاڑ اڑ جائیں گے سمندر خشک ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا اور سورج چاند ستارے جھڑ جائیں گے۔ اس دن کی چنگھاڑ دلوں کو پھاڑ دے گی اور فرمایا: يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيۡهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيۡهِ ﴿۳۶﴾ اس روز آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔

فرمایا، اُس دن ہر کوئی اپنے بھائیوں سے، ماں، باپ، بیوی اور اولاد سے دور بھاگے گا۔ جن کے لیے دنیا میں اللہ کی نافرمانی کرتا رہا، ساری زندگی حرام اور ناجائز دولت جمع کرتا رہا، رشوت اور چوری کرتا رہا، آج اُنہیں کیوں چھوڑ کر بھاگ رہا ہے؟ فرمایا: لِكُلِّ امۡرِیٴٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ ﴿۳۷﴾ اس روز ان میں سے ہر شخص کی حالت ایسی ہوگی کہ باقی چیزیں اُسے بھلا دے گی۔

فرمایا، اس دن ہر کوئی سب کچھ بھول کر صرف اپنی جان بچانے کی فکر میں ہوگا۔ اُسے فکر ہوگی کہ میری جان بچ جائے، بھائیوں کو بھی چھوڑو، ماں باپ کو بھی چھوڑو، بیوی بچوں کو بھی چھوڑو، بس میں بچ جاؤں۔ ہر کسی کو اپنی اپنی

پڑی ہوگی۔ ہر کوئی اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ اُس دن بھی جب یہ عالم ہوگا تو کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے، فرمایا: وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ کتنے چہرے اس دن روشن ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش باش۔

فرمایا، اس دن کچھ چہرے چودھویں کا چاند بنے ہوں گے، بہت روشن اور مطمئن، مسکرا رہے ہوں گے، کھِلے کھِلے ہوں گے۔ اس عالم میں جب لوگ افراتفری میں بھاگ رہے ہوں گے وہاں کچھ چہرے روشن، مطمئن اور کھِلکھلا کر ہنس رہے ہوں گے۔ دوسری طرف، فرمایا: وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اور کتنے چہرے ہوں گے جن پر اس دن گرد پڑ رہی ہوگی۔ (اور) ان پر سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔

فرمایا، اس دن کچھ چہرے ایسے ہوں گے جو گرد آلود ہو رہے ہوں گے اور ان پر سیاہی پر سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ دنیا میں تو بڑے بیوٹی پارلر تھے لیکن وہاں کوئی نہیں ہوگا اور گناہوں کی سیاہی چہرے پر آ جائے گی۔ سیاہی پر سیاہی، تاریکی پر تاریکی آ رہی ہوگی۔ یہ سیاہ ہونے والے چہرے کون ہوں گے؟ فرمایا: أُولَٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ یہ لوگ کافر (اور) بدکردار ہیں۔

فرمایا، یہ چہرے اُن کے ہوں گے جنہوں نے کفر کیا اور فجور کیا۔ عقیدے کی خرابی کو کفر کہتے ہیں اور کردار کی خرابی کو فجور کہتے ہیں۔ اگر کفر کیا تو سرے سے مارے گئے لیکن کفر نہیں کیا مگر اعمال میں خرابی ہوئی تو پھر بھی مارے گئے اور چہرے پر سیاہی پڑ رہی ہوگی۔ اعمال کی خرابی کی وجہ سے گرفتارِ بلا ہوں گے تو یہ دو خرابیاں چہروں کی سیاہی کا سبب بنیں گی۔ اللہ کریم کفر سے بھی پناہ دیں اور گناہوں سے بھی پناہ دیں اور ہر لحہ توبہ کی توفیق دیں۔ آمین

سورۃ التکویر رکوع 1 آیات 1 تا 29

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝٢ وَإِذَا الْجِبَالُ
سُيِّرَتْ ۝٣ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَإِذَا
الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝٧ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِأَيِّ
ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝٩ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝١٠ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝١١ وَإِذَا
الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝١٣ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝١٤
فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝١٥ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝١٦ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝١٧
وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝١٨ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝١٩ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي
الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝٢٠ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝٢١ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝٢٢ وَلَقَدْ
رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝٢٣ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝٢٤ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ
شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ۝٢٥ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۝٢٦ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ۝٢٧ لِمَنْ شَاءَ
مِنْكُمْ أَنْ يَّسْتَقِيمَ ۝٢٨ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ۝٢٩

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا ﴿۱﴾ اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے ﴿۲﴾ اور
جب پہاڑ چلائے جائیں گے ﴿۳﴾ اور جب بچہ دینے والی اونٹنیاں آوارہ چھٹی
پھریں گی ﴿۴﴾ اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے ﴿۵﴾ اور جب دریا آگ
ہو جائیں گے ﴿۶﴾ اور جب ہر ہر طرح کے لوگ یک جا کر دیے جائیں
گے ﴿۷﴾ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا ﴿۸﴾ کہ وہ کس جرم

میں قتل کی گئی ﴿۹﴾ اور جب (اعمال کے) دفتر کھولے جائیں گے ﴿۱۰﴾ اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی ﴿۱۱﴾ اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی ﴿۱۲﴾ اور جب جنت قریب لائی جائے گی ﴿۱۳﴾ تب ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے ﴿۱۴﴾ پس قسم ہے اُن (ستاروں) کی جو پھر جانے والے ہیں ﴿۱۵﴾ سیدھے چلنے والوں (اور) تھم رہنے والوں کی ﴿۱۶﴾ (اور) رات کی جب ختم ہونے لگے ﴿۱۷﴾ اور صبح کی جب نمودار ہونے لگے ﴿۱۸﴾ کہ بے شک یہ (قرآن) فرشتۂ عالی مقام کی زبانی پیغام ہے ﴿۱۹﴾ جو بہت قوت والا عرش کے مالک کے ہاں مرتبے والا ہے ﴿۲۰﴾ اس کی بات مانی جاتی ہے (اور) امانت دار بھی ہے ﴿۲۱﴾ اور تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے نہیں ہیں ﴿۲۲﴾ اور بے شک اُنہوں نے اسے آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ﴿۲۳﴾ اور وہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں ہیں ﴿۲۴﴾ اور یہ شیطان مردود کی بات نہیں ہے ﴿۲۵﴾ پھر تم کدھر جا رہے ہو ﴿۲۶﴾ یہ تو دنیا بھر کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے ﴿۲۷﴾ ہر اس شخص کے لیے جو بھی تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے ﴿۲۸﴾ اور تم اللہ جو جہانوں کا رب ہے تم اُس کے چاہنے کے سوا کچھ نہیں چاہ سکتے ﴿۲۹﴾

تفسیر و معارف

سورۂ تکویر مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔

اس معمورۂ عالم کا ایک انجام ہے:

اس دارِ دنیا میں سورج، حیات کی نوید ہے۔ اس کے طلوع و غروب سے، گرمی سردی سے نمو ہوتی ہے، بادل بنتے ہیں، بارشیں برستی ہیں چیزیں پیدا ہوتی ہیں، اُگتی ہیں۔ معمورۂ عالم کی آبادی میں سورج ایک بنیادی اِکائی ہے لیکن ایک وقت آئے گا، فرمایا: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔

جب سے اللہ نے پیدا فرمایا ہے سورج ایک لمحے کی تقدیم وتاخیر کے بغیر اپنی راہوں پر گامزن ہے اور جب تک اللہ نے چاہا اُسی آب وتاب اور رفتار سے گامزن رہے گا۔ ایک وقت آئے گا کہ اس کے سارے کمالات ختم ہو جائیں گے گویا اسے لپیٹ دیا گیا ہو، ختم کر دیا گیا ہو۔ سورج ہی نہیں رہے گا تو حیات ختم ہو جائے گی۔ فرمایا: وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

فرمایا، سورج ہی نہیں رہے گا تو سارے ستارے، سیارے بے نور ہو جائیں گے، اُن میں حیات ختم ہو جائے گی۔ کسی کے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ جب پہاڑ دھول بن کر اڑ جائیں گے فرمایا: وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾ اور جب بچہ دینے والی اونٹنیاں آوارہ چھٹی پھریں گی۔

فرمایا، ایسا عجیب حال وارد ہوگا کہ جس دولت سے لوگ محبت کرتے ہیں، جس مال وزر کے حصول کے لیے زندگیاں تج دیتے ہیں جائز، ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں، اُس مال وزر کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہوں گے۔ قرآن چونکہ عربوں میں نازل ہوا اور عربوں کے نزدیک دس ماہ کی گھابن بچہ دینے والی اونٹنی بہت قیمتی اثاثہ سمجھی جاتی تھی، دولتمندی کا نشان ہوتی تھی اور انہیں اتنی عزیز ہوتی تھی کہ ہر وقت دم پکڑ کر اُس کے ساتھ ساتھ پھرا کرتے تھے۔ چونکہ صحراؤں میں اونٹنی کا دودھ آبِ حیات ہوتا ہے لہٰذا عرب اونٹنی کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ فرمایا، اُس دن دس ماہ کی گھابن اونٹنیاں آوارہ پھرتی ہوں گی اور کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس دولت کے لیے انسان اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اُن خزانوں کو چھوڑ کر بھاگتا پھرے گا کہ سب کو چھوڑو یہ کیا ہو رہا ہے، کیا بنے گا، جان کیسے بچے گی! لوگوں کو مال وزر کا ہوش ہی نہیں رہے گا۔ فرمایا: وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔ قیامِ قیامت کے وقت ایسی عجیب بے چینی پیدا ہوگی کہ جنگلی جانور آبادیوں میں آگھسیں گے۔ آبادیوں کے لوگ جنگلوں کو بھاگیں گے اور جنگلی جانور شہروں کا رخ کریں گے۔

فرمایا: وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾ اور جب دریا آگ ہو جائیں گے۔

سائنس کا ایک کلیہ ہے کہ آج دنیا میں جتنی گیس (GASES) ہیں اگر اُن میں سے صرف آکسیجن (OXYGEN) ختم کر دی جائے تو چند لمحوں میں سارے ذی روح مر جائیں گے اور سمندر خشک ہو جائیں گے۔ صرف خشک نہیں ہوں گے بلکہ سمندر بخارات اور دھواں بن کر اڑیں گے اور پھر اس دھویں کو آگ لپیٹ لے گی۔ اس کے بعد پھر دوسرا نفخہ ہوگا۔

بدن اور روح:

فرمایا: وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۞ اور جب ہر ہر طرح کے لوگ یک جا کر دیے جائیں گے۔

فرمایا، تمام ارواح کو بدنوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور سب پھر سے زندہ ہو جائیں گے۔ روح اور بدن کا رشتہ اللہ کریم اوّل شکمِ مادر میں قائم فرماتے ہیں جب حمل ایک سو بیس دن کا ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا عجیب جوڑ ہے کہ روح عالمِ امر کی لطیف تر چیز ہے جبکہ بدن مادّے کی کثیف اور ٹھوس تر شکل ہے۔ ٹھوس اور لطیف میں جوڑ نہیں لگتا کہ لطیف چیز کسی ٹھوس چیز سے گزر تو سکتی ہے لیکن جڑ کر یکجان نہیں ہو سکتی۔ جیسے بجلی لوہے کی تار سے گزر سکتی ہے لیکن دونوں یکجان نہیں ہو سکتے۔ اگر دونوں جڑیں گے تو لوہا جل جائے گا۔ اگر لوہے کی تار سے بجلی گزارنے کے بعد دونوں طرف سے تار کاٹ دیں تو بجلی اس تار میں باقی نہیں رہے گی، اگر بجلی رہے تو تار جل جائے گی۔ بجلی لوہے سے گزر سکتی ہے لیکن اس کا حصہ نہیں بن سکتی۔ یہ اللہ کریم کی قدرتِ کاملہ ہے کہ مادّے کی کثیف تر شکل کے ساتھ عالمِ امر کی لطیف تر روح کا تعلق جوڑ دیا۔ اب جب جوڑا ہے تو ایسا جوڑا ہے کہ چونکہ روح کے لیے فنا نہیں ہے تو جو مادّی اجزا بدن کی صورت میں روح کے ساتھ منسلک ہو گئے وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا میں بدن مکلف بالذات ہے، روح نظر نہیں آتی لیکن جو دکھ سکھ بدن جھیلتا ہے اس کی تکلیف روح کو بھی ہوتی ہے۔ اس زندگی کے سفر کو پورا کر کے برزخ میں جانے کا نام موت ہے اور اب قبر میں جانا ہے، روح برزخ میں چلی گئی اور برزخ میں روح مکلف بالذات ہوتی ہے۔ قبر کا عذاب و ثواب تو روح کو ہوتا ہے لیکن تکلیف ہر اُس سیل (CELL) تک پہنچتی ہے جو مادّی وجود کا حصہ رہا ہوتا ہے۔ اگر روح پر راحت آئے تو ایک ایک سیل (CELL) تک جاتی ہے۔ پھر جب قیامت قائم ہو گی تو میدانِ حشر میں جانا ہے اور وہاں سے پھر گھر جائیں گے۔ کچھ لوگ جنہوں نے سفر کامیابی سے طے کیا وہ گھر جائیں گے اور جنہوں نے اثنائے سفر جرائم کیے، برائی کی، وہ جیل جائیں گے۔ دو ہی ٹھکانے ہیں، جنت یا جہنم۔ وہاں جا کر قرار ہے۔ پھر وہاں ہمیشہ رہیں گے چونکہ یہ جوڑ ٹوٹے گا نہیں۔ جب قیامت قائم ہو گی تو بدن اور روح کو پھر اکٹھا کر دیا جائے گا اور اب بدن اور روح برابر کے مکلف ہو جائیں گے۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ تمام اقوام الگ الگ جمع ہوں گی مگر قومیت نسب سے نہ ہو گی بلکہ عقیدے اور عمل سے مرتب کی جائے گی لہٰذا ایک جیسے عقیدے اور ایک جیسے عمل والے لوگوں کے گروہ بنائے جائیں گے۔

ہر عمل کا حساب ہو گا:

فرمایا: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۞ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۞ اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔

عہدِ جاہلیت میں جب جزیرہ نمائے عرب میں برائی اور فحاشی اپنے عروج پر تھی تو عربوں میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ نوزائیدہ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ماحول میں برائی اور بدکاری عام تھی اور بدکاری جرم نہیں تھی بلکہ فیشن تھی تو میں سمجھتا ہوں کہ اُن کافر و مشرکوں میں بھی اتنی غیرت تو تھی کہ بیٹی زندہ دفن کر دیتے تھے جبکہ آج کل کے نام نہاد مسلمان بیٹیوں کو نچا کر تالیاں بجا رہے ہوتے ہیں۔ یہ جن کی بیٹیاں آج سٹیج پر گا رہی ہوتی ہیں اور اُن کے باپ اور بھائی بیٹھے تالیاں بجا رہے ہوتے ہیں، میری رائے میں یہ اُن مشرکوں سے زیادہ بے غیرت ہیں۔ یہ نام کے مسلمان ہیں لیکن ان میں اتنی غیرت بھی نہیں جتنی اُن مشرکین اور کفار میں تھی۔

جو باپ اپنی بیٹی کو دفن کر دے، اُس کا مدعی کون ہوگا! دنیا میں تو کوئی دعویٰ کرنے والا نہیں تھا۔ کیونکہ جب والی وارث ہی قاتل ہو تو مدعی کون بنے گا! دنیا میں تو یہ حال ہے کہ کوئی جرم کر لو اگر کوئی دعویٰ نہ کرے تو کوئی نہیں پوچھتا لیکن آخرت میں ایسا نہیں ہوگا۔ فرمایا، جن گناہوں کا کوئی مدعی نہیں ہے، کوئی گواہ نہیں ہے، تم نے چھپ چھپا کر کیے جیسے تمہاری بیٹی پیدا ہوئی، کسی کو بتایا ہی نہیں اور دفن کر دی یا اعلانیہ بھی درگور کر دی لیکن وہاں سب پوچھے جائیں گے۔ وہ سب گناہ جن کا کوئی مدعی نہیں وہ سب بھی سامنے آ جائیں گے۔ اُس زندہ درگور معصوم بچی سے بھی پوچھا جائے گا کہ آج بات کرو تمہیں کس جرم میں مار دیا گیا تھا؟ اس کا مطلب ہے کہ روح روزِ اوّل سے عاقل و بالغ ہی ہوتی ہے جبکہ دنیا میں بدن کی بلوغت مکلف ہے۔ ایک دن کی بچی پیدا ہوئی اور دفن کر دی گئی لیکن اُسے پتا ہے کہ اُسے کس نے، کیوں مارا۔ فرمایا، وہاں کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہ سکے گا، ہر بات کی تفتیش ہوگی۔

فرمایا: وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ ''اور جب (اعمال کے) دفتر کھولے جائیں گے''۔ یعنی جب سب اعمالنامے سامنے آ جائیں گے اور ہر ایک کا سارا کردار لکھا ہوا سامنے آ جائے گا۔

دارِ دنیا ایک بازار ہے:

فرمایا: وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی۔ اور جب جنت قریب لائی جائے گی۔

آسمان اپنی تخلیق سے لے کر قیامِ قیامت تک جم کے کھڑے ہیں۔ ان میں کوئی شگاف پڑا نہ ٹوٹ پھوٹ ہوئی اور نہ ہی کسی مرمت کی ضرورت پڑی لیکن قیامت انہیں بھی ہلا کر رکھ دے گی، توڑ پھوڑ دے گی۔ آسمانوں کا یہ حال ہوگا گویا کسی نے ان کی کھال ہی کھینچ لی ہو، اکھیڑ کے رکھ دیے ہوں اور جگہ جگہ سے پھٹ کر ان میں دروازے بن گئے ہوں، راستے کھل گئے ہوں۔ اس دن عالمِ بالا سامنے ہوگا اور دوزخ سب کے سامنے لائی جائے گی جسے مزید

بھڑکایا جائے گا اور جنت بھی سجی سنوری روبرو ہوگی، جو مزید سجائی جائے گی۔ دونوں کو آنے والوں کے لیے مزید سجایا جائے گا۔ جہنم کے شعلے مزید بھڑکائے جائیں گے اور جنت کا حسن مزید سنوارا جائے گا۔ فرمایا: عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾ تب ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

فرمایا، ہر کوئی جان لے گا کہ اس کے دامن میں کیا ہے! وہ اپنے ساتھ کیا لایا ہے۔ یہ دارِ دنیا ایک بازار ہے اور ہمارے سانسوں اور لمحات کی نقدی ہے۔ ہم ایک ایک سانس خرچ کر رہے ہیں اور دنیا سے چیزیں خرید رہے ہیں۔ جو نیکی یا برائی، بھلا یا برا ہم لے رہے ہیں یہ سب ہم اپنے خزانے میں رکھتے جا رہے ہیں۔ یہ ہمارے اعمالنامے میں چلتا جا رہا ہے، ضائع نہیں ہو رہا۔ اُس دن سب سامنے آجائے گا کہ دارِ دنیا کے بازار سے ہم نے کیا کیا خریدا۔ ایک خوبصورت مصرعہ تھا:

ہر چیز یہاں بکتی ہے، بولو جی تم کیا کیا خریدو گے

دنیا میں تو ساری چیزیں بکاؤ ہیں۔ زندگی، جان، سانسیں خرچ کرو، اوقات خرچ کرو، محنت، دیانت، امانت خرچ کرو یہ تمہارا سکہ ہے اور عشقِ الٰہی خرید لو، دامانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خرید لو، یقین و ایمان خرید لو، عدل و انصاف خرید لو، غریبوں کی دعائیں خرید لو۔ یہی سرمایہ یعنی زندگی، جان اور سانسیں خرچ کرتے ہوئے چاہو تو جھوٹ خرید لو، چوری کا مال جمع کر لو، لوگوں پر ظلم کرو، ظلم خرید لو، لوگوں کو قتل کر دو، لاکھوں لوگوں کو بے گھر کر دو، گھروں کو اجاڑ دو، ملک اجاڑ دو، جنگیں لگا دو۔ خرید لو! بھئی جو چاہتے ہو لے لو۔ وہاں جاؤ گے تو ہر چیز سامنے آجائے گی کہ تم نے کیا کیا خریدا تھا! تمہارے دامن میں کیا کیا ہے!

قیامِ قیامت پہ گواہ:

فرمایا: فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ پس قسم ہے اُن (ستاروں) کی جو پھر جانے والے ہیں۔ سیدھے چلنے والوں (اور) تھم رہنے والوں کی۔

فرمایا، قسم ہے اُن ستاروں کی جو گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ پانچ ستارے ہیں جنہیں اصطلاح میں 'خمس متحیرہ' کہتے ہیں۔ ان میں زحل، مشتری، عطارد، مریخ اور زہرہ شامل ہیں۔ ان ستاروں کو نجومیوں کے ہاں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نجومی ان کی روش سے لوگوں کی قسمت کے اندازے لگاتے رہتے ہیں کہ فلاں کی عمر کتنی ہے یا فلاں کی شادی کب ہوگی، کسی کو دولت ملے گی یا بارش کب ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ ستارے بھی اس بات پر گواہ ہیں کہ بالآخر سب کو مرنا ہے۔ یہ ستارے بھی یہی ثابت کرتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو ہمیشہ نہیں رہنا اور

ہر آدمی کے حالات میں بالآخر زندگی کا خاتمہ ہی سمجھ آتا ہے۔ فرمایا، ان کے علاوہ جو دوسرے ستارے ہیں جن سے اوقات اور راستوں کا تعین کرتے ہو، نجوم کے حساب لگاتے ہو، کیا یہ سارے حساب جو راستوں کا پتا دیتے ہیں ایک دن کسی منزل پر نہیں لے جاتے؟ سب راستے ختم نہیں ہو جاتے؟ جن شب و روز اور موسموں کا پتا دیتے ہیں کیا وہ موسم پھر بدل نہیں جاتے؟ جو زندگی کا پتا دیتے ہیں تو کیا ایک دن موت نہیں آجاتی؟ یہ ساری چیزیں اس بات پر گواہ ہیں کہ ایک خاتمہ اور انجام ہے۔ فرمایا: وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ (اور) رات کی جب ختم ہونے لگے۔ اور صبح کی جب نمودار ہونے لگے۔

فرمایا، رات جب دم توڑنے لگتی ہے تو وہ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ ظلمت سدا نہیں رہتی اور جب صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو وہ بتاتی ہے کہ ایک نیا عالم پیدا ہو رہا ہے۔ ایک نیا جہان نمو لے رہا ہے۔ ایک نیا دن آرہا ہے۔ ایک نیا موسم نئی فضا، نئے حالات لا رہا ہے۔ رات سوئے تھے تو کیا خبریں تھیں، صبح اُٹھے تو کیا ہو گئیں! رات سوئے تھے تو موسم کیا تھا، صبح اٹھے تو کیا ہو گیا۔ رات سوئے تھے تو کتنے لوگ زندہ تھے، صبح اُٹھے تو کتنوں کے مرنے کی خبر آ گئی۔ رات کتنے لوگ صحتمند سوئے تھے لیکن صبح حالات بدل گئے، سارا عالم ہی نیا ہو گیا۔ اسی طرح ایک دن قیامت بھی آجائے گی اور سب کچھ بدل جائے گا۔ فرمایا، ہر شئے جو لحہ بہ لحہ بدل رہی ہے اس بات پر گواہ ہے کہ قیامت آئے گی یہ سب ان حقائق کی تصدیق کرتے ہیں جو قرآن بیان کرتا ہے۔ یہ قرآنِ کریم جو اس بات پر سب سے بڑا گواہ ہے، دلیل ہے، یہ کوئی عام بات نہیں ہے بلکہ فرمایا: إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ کہ بے شک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبانی پیغام ہے۔ یہ قرآن اللہ کا بہت برگزیدہ، بہت بڑی عزت والا فرشتہ لے کر آیا جو تمام فرشتوں کا سردار ہے۔ جبرائیل امین جو اللہ کے قاصد ہیں، اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے ہیں۔ فرمایا: ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ جو بہت قوت والا عرش کے مالک کے ہاں مرتبے والا ہے۔

فرمایا، وہ قاصد بہت طاقتور ہے۔ اس سے کوئی کلامِ الٰہی چھین سکتا ہے نہ اس میں کوئی مداخلت کر سکتا ہے۔ کوئی شیطان یا کوئی طاغوتی طاقت اس کے قریب نہیں جا سکتی اور وہ قاصد اللہ کریم کے نزدیک بہت معزز ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں اس کا بہت بڑا عہدہ ہے، بہت بڑا مرتبہ اور عظمت ہے۔ فرمایا، وہ پروردگارِ عالم کا بہت مقرب فرشتہ ہے۔ فرمایا: مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ اس کی بات مانی جاتی ہے (اور) امانت دار بھی ہے۔

فرمایا، وہ تمام فرشتوں کا حاکم ہے۔ سب فرشتے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ فرشتوں کے کتنے لشکر ہیں۔ وہ سارے لشکر جبرائیل امین کے اطاعت گزار ہیں اور وہ سب کے حاکمِ اعلیٰ ہیں۔ وہ بہت

طاقتور، نہایت، امانت دار، بہت کریم اور معزز ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ امین ہیں۔ جو بات جس طرح ربّ العالمین نے عطا فرمائی، ویسی پوری امانت دیانت، قوت اور حفاظت کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی۔ یہ گواہی اللہ کریم دے رہے ہیں کہ اس میں کسی شک وشبے کی بات نہیں ہے۔ اب ساری امانت آ گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، تو فرمایا: وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ﴿۲۲﴾ اور تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے نہیں ہیں۔

فرمایا، تم سمجھتے ہو انہیں جنون ہو گیا ہے؟ جنون تمہیں ہے۔ میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہستی ہے کہ جس کے قدموں میں عقل وشعور، علم و دانش تقسیم ہوتی ہے۔ ساری دنیا میں عقل و دانش بانٹنے والے ہیں، صرف یہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود دانشمند ہیں بلکہ دنیا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے در سے دانش لی۔ دراصل جنون تمہیں ہو گیا ہے کیونکہ ہر پاگل تمام دوسروں کو پاگل سمجھتا ہے۔ یہ بھی نہ سمجھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرائیل امین کو دیکھنے یا سمجھنے میں غلطی یا ٹھوکر لگ گئی ہو۔ فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴿۲۳﴾ اور بے شک اُنہوں نے اُسے آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے افق پر کئی بار کھلی آنکھوں سے جبرائیلِ امین کو دیکھا اور اِنہیں جبرائیلِ امین کو دیکھنے میں غلطی لگی نہ ہی انہیں پہچاننے اور سننے میں غلطی لگی۔ وحی کشفاً آتی تھی لیکن کشفاً دیکھنا اور بات ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امین کو کھلی آنکھوں بھی دیکھا ہے۔ لہٰذا غلطی کا امکان نہیں ہے۔ فرمایا: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴿۲۴﴾ اور وہ غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔

فرمایا، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہیں ہیں کہ تم سے غیب کی وہ خبریں جو جبرائیل امین لائے ہیں، چھپا کے رکھیں۔ انہوں نے تو سب بیان فرما دیا، بانٹ دیا، لُٹا دیا۔ کائنات میں سب سے بڑا غیب تو ذاتِ باری ہے جسے کوئی دیکھ سکتا ہے نہ اپنی حسیاتِ انسانی سے محسوس کر سکتا ہے۔ غیب کی تعریف ہی یہ ہے، 'مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاسِ' یعنی حسیات سے آپ جس چیز کو نہ پاسکیں، وہ غیب ہے۔ ایک چیز ایک بندے کے لیے غیب ہوتی ہے لیکن وہی چیز دوسرے کے لیے غیب نہیں ہوتی۔ ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو بیماری اور اس کا سبب ہمارے لیے غیب ہے، طبیب یا ڈاکٹر دیکھ کر کہتا ہے کہ تمہیں یہ بیماری ہے یا تم نے یہ کھایا ہے، اس لیے ایسا ہوا تو اُس کے لیے وہ غیب نہیں ہے۔ اللہ کی ذات تو سب کے لیے غیب ہے اور اگر اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم راہنمائی نہ فرمائے تو کوئی نہیں جان سکتا۔ آخرت، قیامت فرشتے جنت دوزخ کسی نے دیکھا، چھُوا یا سُنا؟ نہیں! ان سب کو جاننے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ نبوت اور

وحیٔ الٰہی ہے۔ فرمایا، یہ علومِ غیب ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیے گئے ہیں اور اُنہوں نے کچھ چھپا کر نہیں رکھا بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر عام کر دیے۔ عالم سے جاہل تک اور فقیر و گدا سے بادشاہ تک سب میں حقائق بانٹ دیے۔ اس علمِ غیب کو بانٹنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنجوسی نہیں فرمائی بلکہ بہت سخاوت فرمائی اور بانٹ دیا۔ فرمایا: وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ اور یہ شیطان مردود کی بات نہیں ہے۔

فرمایا، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بانٹا وہ حق ہے اور ایسی باتیں جو حق کی طرف راہنمائی کرتی ہوں کبھی شیطانی نہیں ہو سکتیں۔

کفار کہتے تھے کہ یہ باتیں شیطان کی طرف سے ہیں تو شیطان تو برائی سکھاتا ہے جبکہ یہ ساری نیکی، بھلائی اور نجات کی باتیں ہیں، عظمتِ الٰہی اور کرم کی باتیں ہیں۔ یہ تو غیبی علوم ہیں کہ آج یہ عمل کر رہے ہو تو قیامت کو اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور یہ غیب میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ آج کفر کر رہے ہو، جھوٹ بول رہے ہو، چوری کر رہے ہو تو اس کا اخروی نتیجہ کیا ہوگا۔ فرمایا، اگر تمہیں یہ خیال گزرے کہ معاذ اللہ کشف ہی تو ہے کہیں شیطان نے دھوکا نہ دے دیا ہو! معاذ اللہ اگر ایسا ہو تو پھر گمراہی کا سبب بن جائے جو یہاں ہرگز نہیں ہے۔ یہاں حق اور نیکی ہے۔ فرمایا: فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ پھر تم کدھر جا رہے ہو۔

فرمایا، پھر تم کہاں پھر رہے ہو؟ تم اپنے لیے کیا خرید رہے ہو اور تمہارے دامن میں کیا ہے؟ رسالت کو نہ مان کر کیوں تباہی کی طرف جا رہے ہو؟

قرآن بہترین نصیحت ہے:

فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ یہ تو دنیا بھر کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔

فرمایا، یقیناً یہ قرآن کائناتِ بسیط کے لیے بہترین نصیحت ہے، راہنمائی ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت نہیں ہے۔

نصیحت کس لیے ہوتی ہے؟ نصیحت سننے، سمجھنے جاننے اور عمل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ آپ کو کوئی نصیحت کرے اور آپ کہیں کہ لکھ کر دے دو۔ پھر وہ لکھ کر بھی دے دے اور آپ اُسے ریشمی غلاف میں لپیٹ کر طاق میں رکھ دیں۔ پھر روز اُٹھا کر چوم کر ماتھے سے لگا کر رکھ دیں یا روز اسے پڑھ کر رکھ دیں لیکن اس پر عمل نہ کریں تو کیا فائدہ ہوگا؟ کیا آپ نے اس نصیحت کو مانا؟ قرآن نصیحت ہے، اللہ کریم کا خط ہے اپنے بندوں کے نام جو بوساطت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا ہوا۔ فرمایا، میرا سب سے عظیم فرشتہ جو فرشتوں کا سردار ہے قاصد بنا اور اسے لے کر

میرے رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا۔ میرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے بڑا امین ہے، سب سے بڑا عقلمند ودانا ہے جو غیب بانٹنے پر سخی ہے۔ اس نے تمہیں بھی غیب دان بنا دیا! آج تو ہر بندہ جنت، دوزخ، قیامت جانتا ہے۔ یہ سب کس نے سکھایا! یاد رکھو! جب تک یہ کائنات رہے گی، یہ سورج چاند رہے گا، یہ دولت بٹتی رہے گی۔ یہ کائنات کے لیے ہے۔ اب یہ تمہارے ذمے ہے، فرمایا: لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ﴿۲۸﴾ ''ہر اس شخص کے لیے جو بھی تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے''۔ فرمایا، اب تم میں سے جو چاہتا ہے وہ اب سیدھا ہو جائے، سیدھا راستہ اختیار کر لے، حق کو اختیار کر لے۔

وطنِ عزیز میں ربیع الاوّل میں یہ سماں ہوتا ہے کہ جگہ جگہ محافل ہوتی ہیں۔ بجلی سے اتنا چراغاں کیا جاتا ہے کہ ایسے لگتا ہے جیسے ملک میں بجلی زائد از ضرورت ہے۔ اتنے پٹاخے چلائے جاتے ہیں، بارود پھونکا جاتا ہے اور لاؤڈ سپیکروں پر اتنا شور کیا جاتا ہے، گانا بجانا، یہ سب کیا ہے؟ پھر زندہ باد، نعرے ڈھول تماشے ہوتے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ علما تقریر فرما دیتے ہیں اور کچھ نعت خواں نعتیں پڑھ دیتے ہیں۔ اس سارے کا حاصل کیا ہے؟

تقریروں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرتے ہیں گنتے رہتے ہیں، ٹھیک ہے یہ درست ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تو سارے جن و انس اگر ساری عمر بھی گنتے رہیں تو بھی شمار نہیں کر سکیں گے کہ وہ پھر بھی زیادہ ہیں۔ بارگاہِ رسالت علیہ صلوٰۃ والسلام میں تو جمالِ الٰہی بھی ہے عشقِ الٰہی بھی ہے جنتیں بھی ہیں، ہر نعمت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ سارے مسلمان ہیں الحمدللہ! یہ کبھی کسی نے سوچا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں سے میرے دامن میں کیا ہے؟ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی سنتیں اپنائی ہیں؟ میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی برکات ہیں؟ یہ شور شرابا، یہ ڈھول باجے، اچھل کود یہ تو بارگاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلیم نہیں کیے گئے۔ یہ تو شیطانی حرکات ہیں، ان کا تعلق اس عظیم بارگاہ سے تو نہیں ہے۔ پھر تمہارے پاس کیا ہے؟ یہ پٹاخے جو چلا رہے ہو یہ کیا سوچ کر چلاتے ہو؟ اُس بارگاہ کے آداب کا تو یہ عالم ہے کہ وہاں تو اونچا سانس بھی نہ لیا جائے۔ وہاں تو بات ہی کچھ اور ہے اور تم کر کچھ اور رہے ہو۔ تم کہتے ہو وہاں بڑی نعمتیں ہیں۔ بے شک وہاں بے پناہ نعمتیں ہیں، ذرا سوچو تمہارے دامن میں کیا ہے؟ اگر ایک شخص جلسہ کرے اور ساری مخلوق کو اکٹھا کر کے گنتا رہے تو وہ نعمتیں شمار نہیں کی جا سکتیں۔ اگر لوگ یہ کہیں کہ نیشنل بینک میں اتنے کھرب روپیہ ہے یا اتنے ارب ڈالر ہیں اور گنتے رہیں تو بے شک گنتے رہیں لیکن کیا انہوں نے یہ سوچا ہے کہ اس میں سے اُن کے کتنے ہیں؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ بینک تو دولت سے بھرا پڑا ہے، میں نے کیا حاصل کیا ہے، اس دولت میں میرا حصّہ کتنا ہے! اگر ہمارا ایک روپیہ بھی نہیں ہے تو بینک بھرا رہے ہمیں بینک سے

کیا! بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تو ہر نعت ہے لیکن اس میں سے ہمیں کیا ملا، ہم نے کیا حاصل کیا؟ اگر ہمارے دامن میں کچھ نہیں ہے تو ہمیں کیا فائدہ! جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ اچھل کود، شور و غل ڈھول تماشے یہ تو شیطانی کام ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ جی ہم تو نعت پڑھ رہے ہیں اور نعت بھی ایسی پڑھتے ہیں جو فلمی گانوں کی طرز پر ہوتی ہیں اور یہی بات ہوتی ہے کہ میرا یہ کام کر دو، وہ کر دو۔ یہ نعت نہیں ہے۔ نعت وہ ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہو۔ یہ کون سی نعت ہے کہ میرا فلاں دنیا کا کام کر دو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزامیر کو حرام فرمایا اور لوگ ڈھول باجے، طبلے ہارمونیم لے کر نعتیہ قوالی کرتے ہیں۔ کیا یہ ثواب کا کام ہے؟ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر رہے ہیں یا مقابلہ کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حرام فرمایا ہے لیکن ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی بھی طبلوں اور سارنگیوں پر لیں گے! کیا یہ کبھی سوچا ہے بیٹھ کر؟ ہر ایک نے اپنی قبر میں جانا ہے اور اسے اپنے لیے سوچنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ڈھول باجے، طبلے، سارنگیاں منع فرمائی تھیں۔ اب وہی بجا کر ہم نعت پڑھ رہے ہیں، ہم کیا کر رہے ہیں! کوئی خدا کا خوف کرو، اپنے لیے سوچو، کل قبر میں جانا ہے۔ چھوڑو لوگوں کو کہ فلاں کیا کہتا ہے۔ دین پارٹیوں یا دھڑوں پر نہیں ہوتا ہم نے دھڑے بندیاں بنالی ہیں۔

ہمارے ساتھ ہی ایک گاؤں ہے جہاں کے ایک شخص فتح محمد نے اپنا ایک نیا عقیدہ بنالیا تھا۔ فتح محمد کو سب پھتو کہتے تھے۔ اس کا ایک بھائی تھا جسے عقیدے کی سمجھ نہیں تھی کہ عقیدہ کیا ہوتا ہے۔ اُس سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا عقیدہ کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ وہی جو پھتو بھراؤ (بھائی) کا ہے! ہمارا عالم بھی یہی ہے کہ ہم پھتو بھراؤ کے مذہب پر ہیں کہ فلاں کا یہ ہے تو میں بھی ساتھ ہوں۔ ارے بھائی! آپ نے اپنی قبر میں جانا ہے، اپنا جواب دینا ہے پھتو بھائی کی قبر میں نہیں جانا۔ وہاں اعمال پر انبیاءؑ کی شہادت ہوگی اور عمل تب قبول ہوگا جب وہ فرمائیں کہ یہ کام کرنے کا حکم میں نے دیا تھا۔ دنیا میں چھوٹے سے چھوٹے سکے پر سرکاری مہر ہو تو قبول ہوتا ہے ورنہ نہیں ہوتا۔ ایک کاغذ کی چھوٹی سی چٹ ہوتی ہے، اُس پر مہر ہوتی ہے تو وہ ایک نوٹ بن جاتا ہے۔ وہی کاغذ دس کا، ہزار یا پانچ ہزار کا نوٹ بن جاتا ہے۔ اسی طرح جس عمل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ہوگی، خواہ چھوٹا سا عمل ہو وہی قبول ہو جائے گا۔ اس میں جتنا تمہارا خلوص ہوگا اتنی قیمت وہ چھوٹا سا عمل پالے گا لیکن قیمت تب پائے گا، مقبول تب ہوگا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرمائیں گے۔ کیا ان ڈھول باجوں اور تماشوں کی تصدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے؟ اپنے لیے سوچو! چھوڑو اس بات کو کہ باقی لوگ کیا کہتے یا کرتے ہیں۔

فرمایا، جو چاہتا ہے وہ سیدھا راستہ اختیار کرلے۔

جو اللہ کی رضا کا طالب ہو اُسے اللہ راستہ دکھا دیتے ہیں:

فرمایا: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۹ اور تم اللہ جو جہانوں کا رب ہے اُس کے چاہنے کے سوا کچھ نہیں چاہ سکتے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، یہ کیا چاہیں گے، چاہتا تو اللہ ہے، وہی بندہ بھی چاہتا ہے۔ جب انہوں نے اللہ کو ناراض کردیا تو اُن کی عقلیں ماری گئیں۔ اگر کوئی خلوص سے یہ فیصلہ کرلے کہ اُسے اللہ کی رضا مطلوب ہے تو اللہ اس کی عقل بھی درست کردیتے ہیں، اس کی خواہشات اور انتخاب بھی درست کردیتے ہیں۔ اس کی راہنمائی فرمادیتے ہیں۔ فرمایا، یہ دل سے چاہتے ہی نہیں کہ اللہ کو راضی کریں۔ یہ دل سے اپنے نفس کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی بڑائی کی بجائے اپنی بڑائی میں گرفتار ہیں۔ ہر کوئی کہتا ہے میں بہت بڑا ہوں، میری بات مانی جائے، میرے ماتحت ہر چیز ہو، جو میں کہوں وہ ہوجائے۔ فرمایا، جب یہ 'میں' میں گرفتار ہیں تو اللہ انہیں پسند نہیں فرماتے اور جب اللہ انہیں پسند نہیں فرماتے تو ان کی سمجھ الٹ جاتی ہے۔ بھلائی تو وہ چُنے گا جو اللہ کی رضا کا طالب ہوگا کہ پہلے وہ دل میں اللہ کی رضا پانے کا فیصلہ کرے اور اللہ کو اس کی بات پسند آئے تو پھر اُسے انتخاب کی فرصت ہو۔ پہلے اس کی نظر تو ٹھیک ہو ورنہ اندھا کیا چُنے گا! ایک دکان چیزوں سے بھری ہوئی ہو اور کسی اندھے سے کہا جائے کہ اس میں اچھی بری چیزیں ہیں ان میں سے چُن لو۔ بھلا وہ اندھا کیا چنے گا! کائنات میں ہر چیز سجی سجائی ہے اچھائی بھی برائی بھی لیکن یہ تو اپنی بڑائی میں گرفتار ہوکر اندھے ہوگئے ہیں۔ یہ جو کل ایک نطفے سے پیدا ہوئے، کل پھر خاک میں مل جائیں گے کہتے ہیں ہم بڑے ہیں ہماری مانو! وہ جو کائنات کا پروردگار ہے جو ان کو پیدا کرنے والا ہے وہ بڑا نہیں ہے؟ اُس کی نہ مانو؟ یہ کہتے ہیں ہماری شہرت ہو۔ اُس کی کیوں نہ ہو جس نے تمہیں پیدا کیا؟ اگر یہ بات انہیں سمجھ آجائے تو یہ برائی چھوڑ دیں اور اچھی چیزیں چُن لیں۔ جب ان کے دل میں عظمتِ الٰہی کی جگہ اپنی بڑائی آجاتی ہے تو پھر انہیں اچھائی چننے کی توفیق نہیں ہوتی یہ کیسے ممکن ہے کہ کائنات بھی ہو، اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بھی ہو، بندہ انسان ہو، بنی آدم ہو اور وہ محروم رہے، خالی رہے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انسان تو حُسن کا دیوانہ ہے، لذت کا دیوانہ ہے اور ہر حسین اور لذیذ چیز چاہتا ہے۔ دامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حُسن اور لذت کہیں اور ہے؟ اس حسن کو جاننے کے لیے، اس لذت کو پرکھنے کے لیے بندے میں بھی وہ کیفیت ہو تو جان سکے گا۔ جب وہ جان ہی نہ سکے تو چُنے گا کیسے؟ فرمایا، یہ ربّ العالمین کی عظمت بھول گئے اور اپنی بڑائی میں مارے گئے اسی لیے کائناتِ بسیط میں یہ نعمتیں انہیں نظر ہی نہیں آتیں۔

سورۃ الانفطار رکوع 1 آیات 1 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ
فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ؕ﴿۵﴾
یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ
فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۙ﴿۹﴾
وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۙ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۙ﴿۱۱﴾ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ
الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ
الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾ وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىِٕبِیْنَ ؕ﴿۱۶﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۙ﴿۱۷﴾ ثُمَّ
مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ؕ﴿۱۸﴾ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ
وَ الْاَمْرُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا ﴿۱﴾ اور جب تارے جھڑ جائیں گے ﴿۲﴾ اور جب (سمندر اور) دریا ایک دوسرے میں مل جائیں گے ﴿۳﴾ اور جب قبریں زیروزبر کردی جائیں گی ﴿۴﴾ تب ہر شخص جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا ﴿۵﴾ اے انسان! تجھے اپنے کرم کرنے والے پروردگار کے بارے کس چیز نے دھوکے میں رکھا؟ ﴿۶﴾ جس نے تجھے پیدا کیا پھر (تیرے اعضاء کو) درست کیا پھر سب اعضاء و جوارح کو موزوں رکھا ﴿۷﴾ جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا ﴿۸﴾ مگر ہیہات تم لوگ قیامت کا انکار کرتے ہو ﴿۹﴾ اور یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں ﴿۱۰﴾ عالی قدر لکھنے والے ﴿۱۱﴾ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے

ہیں ﴿۱۲﴾ بے شک نیک کام کرنے والے نعمتوں کی جگہ (جنت) میں ہوں گے ﴿۱۳﴾ اور یقیناً برائی کرنے والے دوزخ میں ﴿۱۴﴾ قیامت کے روز اس میں داخل ہوں گے ﴿۱۵﴾ اور وہ اس سے غائب نہیں ہوسکیں گے ﴿۱۶﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ قیامت کا دن کیسا ہے؟ ﴿۱۷﴾ پھر تمہیں کیا معلوم کہ قیامت کا دن کیسا ہے؟ ﴿۱۸﴾ جس دن کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکے گا اور اس روز فیصلہ صرف اللہ کا ہوگا ﴿۱۹﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الانفطار بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ مکی سورتوں میں عقائد پر زیادہ بحث ہے جبکہ مدنی سورتوں میں اعمال پر زیادہ بحث ہے۔ مکی سورتوں میں اعمال کا ذکر بھی ہے لیکن بنیاد عقائد پر ہے جبکہ مدنی سورتوں میں عقائد کی بات بھی ہے لیکن زیادہ توجہ اعمال پر ہے۔

قیامت کا زلزلہ:

فرمایا: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ① وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ② وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ③

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب (سمندر اور) دریا ایک دوسرے میں مل جائیں گے۔

فرمایا، تم زمین کی بات کرتے ہو، قیامت کا زلزلہ تو آسمانوں کو پھاڑ دے گا۔ زمین کے ایک خطے میں زلزلہ آتا ہے تو بڑی بڑی عمارتیں گر جاتی ہیں، زمین شق ہوجاتی ہے۔ سڑکوں میں شگاف ہوجاتے ہیں، نہریں بن جاتی ہیں۔ پہاڑ گر جاتے ہیں، فرمایا اس زلزلے کا سوچو جس سے زمین تو زمین، آسمان پھٹ جائیں گے، وہ کس قدر ہولناک ہوگا! اُس روز جب صور پھونکا جائے گا تو اس کی آواز اس قدر شدید ہوگی، قیامت کا زلزلہ ایسا ہوگا کہ زمین کیا، آسمان بھی پھٹ جائیں گے اور ستارے، سیارے جھڑ جائیں گے۔ اُس وقت دریا، سمندر، نہریں یا ندیاں کوئی تمیز نہیں رہے گی سب کچھ گڈمڈ ہوجائے گا۔ فرمایا: وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ④ اور جب قبریں زیر و زبر کردی جائیں گی۔

اس دن قبریں، قبریں نہیں رہیں گی سب لوگ قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس دن ہر ذرّے کو جھنجھوڑ کر، بدن کو سلامت کر کے کھڑا کر دیا جائے گا۔ ہر طرف اللہ کی مخلوق قبروں سے اٹھ کھڑی ہوگی۔

فرمایا: عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾ تب ہر شخص جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔

فرمایا، وہاں ہر شخص کو پتا چل جائے گا کہ وہ ساتھ کیا لایا ہے اور کیا چھوڑ کر آیا ہے۔ وہ جان لے گا کہ وہ کیا لا سکتا تھا لیکن نہیں لایا اور اسے کیا نہیں لانا چاہیے تھا جو بوجھ اٹھا لایا ہے اس دن جان لے گا کہ کون سا عمل آگے بھیجا اور کون سا عمل پیچھے دنیا میں چھوڑا۔ نیکی چھوڑنے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا اور برائی چھوڑنے والے کو، جب تک دنیا میں لوگ اس پر عمل کریں گے اس کا عذاب بڑھتا رہے گا۔ دنیا میں ہم یہ عجیب تماشا دیکھتے رہتے ہیں کہ وطنِ عزیز سے لوگ کمانے کے لیے بیرونِ ملک چلے جاتے ہیں۔ وہاں جا کر بڑی مشقت کرتے ہیں، بہت محنت کرتے ہیں۔ یاد رہے! آپ کسی بھی ملک میں چلے جائیں وہاں پیسے آسانی سے نہیں ملتے۔ وہاں گدھے کی طرح کام لیتے ہیں تب پیسہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ بے چارے جو کماتے ہیں وہ یہاں بھیج دیتے ہیں۔ اُنہیں کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مکان میں سفیدی کرانا ہے، کبھی مکان کی مرمت کرانی ہے، نیا مکان بنانا ہے۔ نیا صوفہ لینا ہے، اب ٹی وی چاہیے، کبھی بیٹے کے لیے موٹر سائیکل کی فرمائش ہے، وہ پوری ہوئی تو اب کار ہونی چاہیے۔ یہ سب کرنے کے بعد جب باہر سے لوگ بوڑھے ہو کر، دھکے کھا کھا کر، پیسے بھیج بھیج کر واپس آتے ہیں تو اُنہیں امید ہوتی ہے کہ گھر میں بہت کچھ ہوگا لیکن جب گھر آتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سارا ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر بابا جی پریشان پھرتے ہیں کہ اتنے پیسے بھیجے تھے وہ کدھر گئے۔ بعض لوگوں کے ساتھ یہ تماشا بھی ہوتا ہے کہ یہاں جو اُن کی دو چار بیگھے زمین تھی وہ رشتہ دار قابو کر لیتے ہیں، جو پیسے بھیجتے تھے بھائی یا باپ کو وہ کھا جاتا ہے جب واپس آتے ہیں تو پھر خالی ہاتھ، ویسے کے ویسے تو آنکھ کھلتی ہے کہ یہ میں کیا کرتا رہا! فرمایا، اسی طرح جب قبروں سے اٹھیں گے تو پتا چلے گا کہ دنیا میں کیا خریدا، کیا کمایا کیا آگے بھیجا اور کیا کما سکتا تھا جو نہیں کمایا۔ ہر ایک کو یہ سمجھ آ جائے گی۔

اتنے کریم ربّ کے سامنے انسان کس بات پر اکڑتا ہے!

فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴿۶﴾ ''اے انسان! تجھے اپنے کرم کرنے والے پروردگار کے بارے کس چیز نے دھوکے میں رکھا؟'' فرمایا، اے انسان! تُو اتنے کریم پروردگار کے مقابلے میں کس دھوکے میں مبتلا ہے؟ تیرا کریم پروردگار تجھے پال رہا ہے، ہر چیز تجھے عطا کر رہا ہے تو پھر تُو کس بات پر اللہ کے سامنے

اکڑ رہا ہے؟ تیرا ربّ اتنا کریم ہے، اس نے رشتے، والدین، اولاد مال و دولت عہدے، جوانی صحت زندگی دی اور تُو اپنے ربّ کی بات نہیں مانتا، کہتا ہے اپنی مرضی کروں گا! تیرا ربّ تو اتنا کریم ہے اور تُو نہ جانے کس دھوکے میں مبتلا ہے!

فرمایا: الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ ۙ﴿۷﴾ جس نے تجھے پیدا کیا پھر (تیرے اعضا کو) درست کیا پھر سب اعضاو جوارح کو موزوں رکھا۔

تیرے کریم پروردگار نے تجھے ایک خوبصورت تخلیق بخشی۔ تجھے خاک سے سیل (CELL) بنایا، سیل (CELL) سے نطفہ بنایا اور اس سے تجھے انسانی روپ دے دیا اور پھر کتنا خوبصورت، کتنا متناسب بنایا!

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم کسی کو خوبصورت سمجھیں یا نہیں، مانیں یا نہیں لیکن یہ بات ماننا پڑے گی کہ جس بندے کے سامنے آئینہ ہو وہ خود ہی دیکھ دیکھ کر سنور رہا ہوتا ہے۔ ہر بندہ اپنے آپ کو خوبصورت سمجھتا ہے اور عجیب بات ہے کہ ہر چہرہ کسی نہ کسی کا محبوب ہے۔ ہر چہرہ خود کو خوبصورت بھی سمجھتا ہے اور ہر چہرے کے کچھ چاہنے والے بھی اس کریم ربّ نے پیدا کر دیے ہیں۔ ہمیں کوئی شخص بدصورت لگتا ہے لیکن کسی نہ کسی کو وہ بہت پیارا لگتا ہے۔ بیٹی کہتی ہے میرا باپ بہت پیارا ہے، ماں کہتی ہے میرا بیٹا چاند کا ٹکڑا ہے۔ فرمایا، وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے تجھے کتنا خوبصورت اور متناسب بنا دیا اور فرمایا: فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴿۸﴾ جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔

انسان کی تو کوئی حیثیت نہیں تھی نہ اس کی کوئی فرمائش تھی کہ اُس کے کہنے پر کچھ ہوتا بلکہ ربّ کریم نے جیسا چاہا ویسا اُسے بنایا۔ اس نے لاتعداد انسانوں کو الگ الگ صورتیں اور سیرتیں عطا کیں۔ اگر کسی کے پاس کوئی کمال ہے تو وہ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ کسی کے پاس قوت ہے، عقل ہے، علم ہے، حسن ہے تو سب اللہ کی عطا ہے۔ جس بات پر بھی انسان فخر کرتا ہے وہ اس کی اپنی نہیں ہے بلکہ اس کے ربّ کی دین ہے۔ پھر بھی افسوس ہے، فرمایا: کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ ۙ﴿۹﴾ مگر ہیہات تم لوگ قیامت کا انکار کرتے ہو۔

فرمایا، افسوس ہے کہ تم انسان ہوتے ہوئے انجامِ کار کا انکار کرتے ہو! تمہارے سامنے ہر لمحے کا انجام ہے، ہر دن، ہر رات، ہر موسم، ہر پھل، ہر کام کا انجام ہے۔ ہر انسان کی زندگی کا انجام ہے پھر بھی تم اس دنیا کے انجام، اس کے نتیجے سے یعنی قیامت سے انکار کرتے ہو؟ اس سب کا حساب ہوگا۔ فرمایا: وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ﴿ۙ۱۰﴾ اور یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ فرمایا، تمہارے ساتھ تو ہمارے چوکیدار مقرر ہیں۔ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾ ''عالی قدر لکھنے والے''۔ فرمایا، تمہارے ساتھ تو ہم نے منشی لگا رکھے ہیں جو تمہاری کہی ہوئی ہر بات لکھ لیتے ہی۔ تم کسی کو گالی دو یا اللہ کی حمد کرو، وہ لکھ لیتے ہیں۔ تم درود شریف پڑھو یا کسی کو برا بھلا کہو وہ فرشتے جو

عزت والے ہیں سب ضبطِ تحریر میں لے آتے ہیں۔کل سب تمہارے سامنے آجائے گا اور فرمایا: يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔

فرمایا، جو کام کرتے ہو اُس پر بھی وہ نگہبان فرشتے گواہ ہیں کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں، وہ جانتے ہیں۔تم انسانوں سے چھپ سکتے ہو، رات کی تاریکیوں میں چھپ سکتے ہو، بند کمروں میں چھپ سکتے ہو لیکن وہ فرشتے تو تمہارے ساتھ ہیں۔تم جو کرتے ہو اُن کے سامنے ہی کرتے ہو۔وہ تمہارے اعمال سے واقف ہیں اور اُنہیں لکھ لیتے ہیں۔لہٰذا تمام اعمال کا حساب ہوگا تو فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ ''بے شک نیک کام کرنے والے نعمتوں کی جگہ (جنت) میں ہوں گے۔'' یاد رکھو! جو نیکی کریں گے وہ انعام پائیں گے۔

نیکی کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا یا کرنے کا حکم دیا وہ نیکی ہے۔سو نیکی کرنے والے انعام پائیں گے۔یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ ہمیں بڑی غلط فہمی ہوتی ہے کہ ہم بڑے پارسا ہیں، بڑی نمازیں اور نوافل ادا کرتے ہیں لہٰذا ہم بڑے نیک ہیں اور ہمارا بڑا درجہ ہے۔ہمارا کوئی درجہ نہیں اس لیے کہ جتنی عبادت ہم کرتے ہیں اس کی اجرت ہم پہلے ہی لے چکے ہیں۔قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (البقرہ:21) اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔

ہمارے پروردگار نے ہمیں بے شمار نعمتیں دی ہیں، سماعت، بصارت، حسیات، دماغی صلاحتیں ہر قوت عطا فرمائی۔اگر ہم ساری عمر صرف عبادت ہی کرتے رہیں تو کسی ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا لہٰذا ہم جتنی محنت کرتے ہیں اس سے اُن نعمتوں کی قیمت ادا نہیں ہوتی جو پہلے لے چکے ہیں۔اب آگے جو ملے گا وہ اللہ کی طرف سے انعام ہوگا، اس کی عطا اور کرم ہوگا۔فرمایا، جو بھی نیکی کرے گا بھلائی کرے گا، انعام پائے گا۔فرمایا: وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ اور یقیناً برائی کرنے والے دوزخ میں۔

جو برائی کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔یہ سیدھی سیدھی دوٹوک بات ہے۔اب یہ تمہارا فیصلہ ہے، انتخاب ہے کہ میدان سجا ہے اس میں بھلائی موجود ہے برائی بھی موجود ہے اور قیامت سر پر کھڑی ہے۔تمہارے پاس اللہ کا قرآن موجود ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام موجود ہے، میدان سامنے ہے اب چاہو تو نیکی لے لو، چاہو تو برائی لے لو۔فرمایا: يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ قیامت کے روز اس میں داخل ہوں گے۔

قیامت کے دن دونوں فریق اپنے اپنے گھر پہنچ جائیں گے۔نیکی کرنے والے اللہ کے انعامات میں یعنی جنت میں پہنچ جائیں گے جبکہ کفر اور نافرمانی کرنے والے جہنم میں پہنچ جائیں گے۔قیامت کے دن ہر کوئی اپنی منزل پر پہنچ جائے گا۔فرمایا: وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ اور وہ اس سے غائب نہیں ہو سکیں گے۔

فرمایا، ایسا مت سوچو کہ کوئی دنیا میں غائب ہو جائے گا یا برزخ میں چھپ جائے گا۔ یہ ناممکن ہے۔ راستے میں کوئی نہیں بچھڑ سکتا کہ جو مسافر چلا ہے اسے منزل پر جانا ہے۔ کوئی مسافر راستے میں گم ہو گا نہ بھاگ سکے گا اور کسی کا کردار چھپ نہیں سکے گا۔ سب منزل کو پہنچیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

یومِ حساب:

فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ اور تمہیں کیا معلوم کہ قیامت کا دن کیسا ہے؟ پھر تمہیں کیا معلوم قیامت کا دن کیسا ہے؟

فرمایا، بھلا تم نے یومِ حساب کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ قیامت کیا ہوگی؟ تمہیں کیا خبر کہ وہ دن کیسا ہوگا۔ پھر دہرایا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ قیامت کیا ہوگی؟ وہ تو اتنا بڑا حادثہ ہوگا، اتنی عظیم بات ہوگی کہ فرمایا: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۔۔۔جس دن کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکے گا۔

وہ ایسا دن ہے کہ کوئی متنفس کسی دوسرے کے لیے کچھ نہیں کر سکے گا کہ ہر ایک اپنا اپنا جواب دے گا۔ میاں اپنا، بیوی اپنی، باپ اپنا، بیٹا اپنا، بیٹی اپنی، بھائی اپنا، بہن اپنی ہر کوئی اپنی جوابدہی میں ہوگا۔ ہر کسی کو اپنی مصیبت پڑی ہوگی۔ یہ دن ایسا ہوگا، ایسا عظیم حادثہ ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے پہچان رہے ہوں گے لیکن کوئی کسی کو پوچھ نہیں سکے گا۔ کوئی کسی کے لیے کچھ کر نہ سکے گا طاقت سے نہ کسی حیلے سے بلکہ وہ ہوگا جو، اللہ چاہے گا فرمایا: وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ ''اور اس روز فیصلہ صرف اللہ کا ہوگا''۔ فرمایا، اس دن صرف اللہ ربّ العزت کے فیصلے نافذ ہوں گے اور وہی ہوگا جس کا حکم اللہ دیں گے۔ اس دن بدکاروں کو اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ کوئی سفارش، رشوت یا کسی کے چھپ جانے یا فرار ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اگر کسی کی شفاعت یا سفارش ہوگی تو اللہ اس کی اجازت دیں گے، تب ہوگی۔ جب اللہ کا فیصلہ ہوگا کہ فلاں شخص فلاں کے حق میں سفارش کر سکتا ہے، بول سکتا ہے تو بولے گا ورنہ کوئی دم نہ مار سکے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مسافر کی طرح رہو۔ جیسے کوئی راہ چلتا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ دنیا میں مسافروں کی طرح رہو، یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔ ہر سانس ایک قدم ہے اور تم مسافر ہو چل رہے ہو۔ دنیا کی زندگی ایک مسلسل سفر ہے۔ اللہ نے خاکی ذرّات سے تمہارا وجود بنایا پشتِ پدر میں آئے پھر شکمِ مادر میں آئے، تمہاری روح عالمِ امر سے بھیج دی پھر

دارِ دنیا میں آئے پھر شکمِ گور میں جاؤ گے، میدانِ حشر میں جاؤ گے پھر جا کر گھر پہنچو گے۔ کوئی جنت پہنچتا ہے یا جہنم، وہاں قیام ہو گا۔ وہ اس کا گھر ہو گا جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ فرمایا، دنیا میں مسافروں کی طرح رہو کہ مسافر جہاں جاتا ہے اپنی ضرورت کا سامان ضرور رکھتا ہے، آرام بھی کرتا ہے کھاتا پیتا بھی ہے لیکن بوجھ نہیں بناتا رہتا کہ ہر چیز سمیٹتا رہے کہ وہ جانتا ہے کہ صبح چلنا ہے تو کیا کیا چیز اٹھاؤں گا۔ دنیا میں عزت سے رہو، اچھا گھر بناؤ، اچھا کھاؤ پیو اچھا پہنو لیکن یہ نہ ہو کہ صرف دنیا ہی اکٹھی کرتے رہو حلال حرام کی پروا کیے بغیر۔ سوچو! کہ تمہیں آگے جانا ہے۔ فرمایا، اس طرح رہو جیسے کوئی راستہ چلتا ہوتا ہے اور زندگی میں خود کو اہلِ قبور میں سمجھو۔ یہ سمجھو کہ میں ان میں سے ہی ایک ہوں جو قبروں میں پڑے ہیں۔ آج یہ پڑے ہیں کل مجھے بھی یہیں آنا ہے۔

کسی نے مجھ سے کہا کہ میرے لیے دعا کریں مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے اور مجھے موت بہت یاد آتی ہے تو مجھے موت یاد نہ آئے۔ کتنی عجیب بات ہے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان بڑا خوش قسمت ہے جسے موت یاد آئے (مفہوم) اس بندے کو سمجھنا چاہیے کہ موت تو یاد رکھنے کی چیز ہے کہ یاد رہے تو گناہ سے حفاظت ہوتی ہے۔ انسان کو برائی سے بچنا نصیب ہوتا ہے اور وہ موت کی تیاری کرتا ہے۔ ہمارا یہ عالم ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی دعا دے دو، دوا دے دو کہ موت کی آخرت کی یاد بھی نہ آئے!

اللہ کریم ہمیں توبہ کی توفیق دیں، ہماری توبہ قبول فرمائیں۔ دنیا کی رسوائی سے بھی بچائیں اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بھی پناہ دیں۔ ہمارے گناہ معاف فرمائیں اور دنیا و آخرت میں دامانِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیں ڈھانپ دیں۔ (آمین)

سورۃ المطففین آیات 1 تا 36

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿١﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿٢﴾ وَاِذَا
كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿٣﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿٤﴾
لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ
الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿٧﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ
اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾
كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ
يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ
نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾
يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ
يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ
قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

خرابی ہے کم کر کے دینے والوں کے لیے ﴿۱﴾ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے لیں تو پورا ناپ کر لیں ﴿۲﴾ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں ﴿۳﴾ کیا یہ نہیں خیال کرتے کہ یہ لوگ پھر سے زندہ کیے جائیں گے ﴿۴﴾ ایک بڑے دن کے لیے ﴿۵﴾ جس دن تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے لوگ کھڑے ہوں گے ﴿۶﴾ یاد رکھو! یقیناً بدکاروں کا اعمال نامہ سجین میں ہے ﴿۷﴾ اور تجھے کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟ ﴿۸﴾ ایک دفتر ہے لکھا ہوا ﴿۹﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے ﴿۱۰﴾ وہ لوگ جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں ﴿۱۱﴾ اور اس کو صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے نکل جانے والا گناہگار ہے ﴿۱۲﴾ جب اس کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں ﴿۱۳﴾ دیکھو! بلکہ ان کے کردار کا زنگ اُن کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے ﴿۱۴﴾ بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے اوٹ میں ہوں گے ﴿۱۵﴾ پھر وہ یقیناً دوزخ میں جا داخل ہوں گے ﴿۱۶﴾ پھر اُن سے کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے ﴿۱۷﴾ یہ بھی سن رکھو! یقیناً نیکوں کے اعمال علیین میں ہیں ﴿۱۸﴾ اور تم کو کیا خبر کہ علیین کیا ہے؟ ﴿۱۹﴾ ایک لکھا ہوا دفتر ہے ﴿۲۰﴾ جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں ﴿۲۱﴾ بے شک نیک لوگ چین میں ہوں گے ﴿۲۲﴾ تختوں پر بیٹھے نظارہ کریں گے ﴿۲۳﴾ تم ان کے چہروں سے ہی راحت کی تازگی معلوم کر لو گے ﴿۲۴﴾ ان کو خالص سربمہر مشروب پلایا جائے گا ﴿۲۵﴾ جس کی مہر مشک کی ہو گی اور نعمتوں کے شائقین کو چاہیے کہ اس میں رغبت کریں ﴿۲۶﴾ اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہو گی ﴿۲۷﴾ وہ ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب پئیں گے ﴿۲۸﴾ بے شک وہ لوگ جو گناہگار (کافر)

ہیں وہ (دنیا میں) مومنوں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے ﴿۲۹﴾ اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو طنزیہ اشارے کرتے ﴿۳۰﴾ اور جب وہ اپنے گھروں کو لوٹتے تو باتیں بناتے ہوئے لوٹتے ﴿۳۱﴾ اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ بے شک یہ تو گمراہ ہیں ﴿۳۲﴾ اور حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے ﴿۳۳﴾ سو آج مومن کافروں سے مذاق کریں گے ﴿۳۴﴾ تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے ﴿۳۵﴾ تو کافروں کو ان کے کردار کا (پورا پورا) بدلہ مل گیا ﴿۳۶﴾

تفسیر و معارف

سورۂ مطففین بھی اُن سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔

اسلام عملی زندگی کا نام ہے:

اسلام کے بارے میں ہمارے ہاں ایک بنیادی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ اللہ کریم کو ماننا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماننا، آخرت کو ماننا قرآن کو ماننا اور نماز، روزہ وغیرہ کرنا یہی سارا اسلام ہے۔ اس کے بعد ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں۔ یہ تعبیر درست نہیں ہے۔

دراصل ایمان باللہ، ایمان بالرسالت، ایمان بالآخرت اور ایمان بالقرآن، ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ عملی زندگی کو بھی احکامِ الٰہی کے مطابق ڈھالا جائے۔ اگر بندہ ان سب باتوں کو ماننے کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن اپنی عملی زندگی کو ان کے مطابق نہیں ڈھالتا تو اس نے کیا مانا؟ اگر جھوٹ بول لیتا ہے، کام میں بددیانتی کرتا ہے، لوگوں کے حقوق کھا جاتا ہے تو اس نے کیا مانا؟ ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے تو اسلام دراصل عملی زندگی کا نام ہے۔ اگر دنیا کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گزارا جائے تو دنیا ہی دین ہے۔ عبادات دین کی بنیاد ہیں اور دین کا بہت اہم حصہ ہیں لیکن عبادات کا حاصل کیا ہے؟ ہم ساری زندگی یہی سنتے آئے کہ عبادات پر ثواب ہوگا۔ تبلیغ کرنے والے بھائی بتاتے رہتے ہیں کہ جنت میں ہزاروں حوریں ملیں گی۔ درست لیکن ثواب کا نقد بدلہ دنیا میں ملتا ہے۔ آخرت میں اس پر انعام ملے گا۔ ثواب کا مطلب تو اجر یا بدلہ ہے کہ کچھ تو نقد بھی ملے۔ جسے یہاں کچھ نہیں ملتا اُسے وہاں کیا ملے گا؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کا ہی حکم ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشادِ عالی ہے اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهٗ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث نمبر 2443 سنن ابن ماجہ، باب اجر الاجراء) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دی جائے۔ اللہ کریم ہمیں حکم دیتے ہیں کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو تو کیا خود یہ کہتے ہیں کہ تمہاری مزدوری اگلے جہان آؤ گے تو تب دوں گا؟ یہ کیا بات ہوئی؟ ایسا تو نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اللہ خود بھی پھر نقد عطا کرتے ہیں۔ ہمیں دارِ دنیا میں کیا ملتا ہے؟ ہمیں دین پر عمل کرنے سے دنیا کا بھی ہر سکون ملتا ہے۔ زندگی پُرلطف ہو جاتی ہے اور دنیا کے خطرات ٹل جاتے ہیں بلکہ دنیا کے دکھ ختم ہو جاتے ہیں۔ انسان دنیا میں بھی ایسے جیتا ہے جیسے جنت میں رہ رہا ہو۔ خواہ بظاہر لوگوں کو وہ کیسا بھی لگے لیکن اس کے دل میں ایسا سکون، ٹھہراؤ، اطمینان اور وہ لطف ہوتا ہے کہ گویا وہ جنت میں ہے۔

آج لوگ عمرے کرتے ہیں، حج کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، اذان ہونے پر مساجد بھر جاتی ہیں لیکن مسجد سے باہر دین نظر نہیں آتا۔ ہماری عملی زندگی اسلام سے بہت دور ہے۔ بازار میں دکاندار جھوٹ بولتا ہے قیمتیں غلط لیتا ہے۔ عدالتوں میں سارا دن جھوٹ بولا جاتا ہے، جھوٹ لکھا جاتا ہے اور جھوٹ پر فیصلے ہوتے ہیں۔ سیاست میں جھوٹ ہے اور جدھر دیکھیں، جس بندے سے پوچھیں تو کسی کے پاس سکون نام کی کوئی چیز نہیں۔ دولت ہے، عہدہ ہے، مکان ہیں، گاڑیاں ہیں اولاد ہے لیکن سکون اور اطمینان نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جسے دیکھو پریشان حال ہے، بے قرار ہے۔ عملی زندگی میں اسلام نہ ہو تو یہی حال ہوتا ہے۔ اسلام اور ایمان، دنیوی امور کو دینی طور پر انجام دینے کا نام ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو نماز، روزے کا پابند ہے وہ بڑا پکا مسلمان ہے تو نماز روزے کا حاصل تو یہ ہے کہ وہ عملی زندگی میں دین پر عمل کرے۔ اگر اس کی عملی زندگی اسلام کے مطابق نہیں تو اس کا نماز روزہ صحیح نہیں ہے۔ اگر عبادات صحیح ہوتیں تو عملی زندگی بھی دین کے مطابق ڈھل جاتی۔ اگر درخت صحیح ہو تو اس پر پھل آتا ہے اور جس درخت پر پھل نہیں آتا اس میں کوئی خرابی ہوتی ہے۔ جس فصل پر کوئی سٹہ یا دانہ ہی نہیں لگتا ایسی فصل کو کوئی کیا کرے گا؟ قرآنِ کریم فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت:45) بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

اگر ہماری نماز، ہمارے روزے ہمیں جھوٹ سے، کم تولنے سے، ذمہ داری پوری نہ کرنے سے نہیں روکتی تو اس کا مطلب ہے ہماری نماز میں کہیں کوئی کمی ہے۔ ہم ارکان پورے نہیں کر رہے یا ہمارے خلوص میں کمی ہے ورنہ اس پر پھل ضرور آتا۔

ڈنڈی مارنے والے تباہ ہو گئے:

فرمایا: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ② خرابی ہے کم کر کے دینے والوں کے لیے۔ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے لیں تو پورا ناپ کر لیں۔

'مطففین' کا اگر عام فہم ترجمہ کیا جائے تو 'ڈنڈی مارنے والے' بنے گا۔ اس کا اردو میں ترجمہ تو کم تولنے والے یا کم دینے والے ہے لیکن اس کا مفہوم 'ڈنڈی مارنے والے' سے ادا ہوتا ہے۔ مثلاً جو تنخواہ تو پوری لیتا ہو لیکن کام نہیں کرتا، صرف گھنٹے پورے کرتا ہے۔ دفتر میں فائلیں بغل میں دبا کر اِدھر جا، اُدھر جا، دن گزار کر چلا جاتا ہے اور کام وہیں پڑا رہتا ہے۔ لوگ دفتروں کے چکر لگاتے ہیں چھ چھ مہینے دھکے کھاتے رہتے ہیں لیکن کام نہیں ہوتا۔

ایک مرحوم دوست کہا کرتے تھے کہ ہمارے دفاتر میں لوگ کام کرنے کی تو رشوت لیتے ہیں اور آنے جانے کی تنخواہ لیتے ہیں۔ اگر کام رشوت لے کر کیا جائے، کہیں بھی ڈنڈی ماری جائے، غلط فیصلے کیے جائیں، دینے میں کم دیا جائے اور لینے میں جب دوسروں سے اپنا حق وصول کیا جائے تو پورا پورا لیا جائے تو ایسا کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔ ہر بندے کو اپنے کام کی فکر ہوتی ہے کہ میرا کام صحیح ہو جائے اور فوراً ہو جائے لیکن جو اس کے ذمے ہوتا ہے وہ کام نہیں کرتا۔ فرمایا، ایسے لوگ تباہ ہو گئے جو ذمہ داری پوری نہیں کرتے ڈنڈی مارتے ہیں۔ جب اپنا حق وصول کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں فرمایا: وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ اور جب اُن کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔

جب دوسروں کو حق دینے کی باری آتی ہے تو کم دیتے ہیں، اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے۔ فرمایا، ایسے لوگ تباہ ہو گئے، انہوں نے اپنے آپ کو برباد کر لیا جو اپنا حق تو پورا لینا چاہتے ہیں کہ ہمیں تو پورا پورا ملے لیکن دوسروں کا حق روکتے ہیں، ڈنڈی مارتے ہیں۔

یاد رہے کہ زندگی کا نظام کچھ دینے پر ہے لینے پر نہیں۔ اللہ کریم نے نظامِ حیات کا مدار دینے پر بنایا ہے۔ زمین کب سے نعمتیں اُگل رہی ہے، کھیتیاں، سبزے، پھل چشمے کیا کیا دے رہی ہے۔ ایک پھل دار درخت اگر پھل دینا چھوڑ دے تو اُسے ایندھن بنا لیا جاتا ہے یا کاٹ کر لکڑیاں بنا لیتے ہیں جبکہ اس کے ساتھ والے پھل دار درختوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ درخت دیتا کچھ نہیں، بے کار ہے۔ سورج ہر ایک کو نویدِ حیات دیتا ہے، چاند ہر ایک کو چاندنی دیتا ہے، ہوا ہر ایک کو حیات دیتی ہے۔ پانی ہر ایک کو حیات بخشتا ہے۔ دل خون

سپلائی (SUPPLY) کرتا ہے تو جلد کے ایک ایک ذرّے میں آتا ہے۔ اگر خون کو بازو تک روک دیا جائے تو کچھ ہی دن میں اگلا ہاتھ بیکار ہو جائے گا۔ اگر آپ حقوق روکیں تو جہاں لوگوں کے حقوق رکیں گے آگے معاشرہ مفلوج ہو جائے گا۔ اسی معاشرے میں چور اور بددیانت پیدا ہوں گے، دہشت گرد پیدا ہوں گے۔ وہی شریف لوگ ڈاکو بن جائیں گے، بدکار ہو جائیں گے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ نظامِ حیات پیچھے کہیں رک گیا اور اُن تک وہ چیز نہیں آ رہی جو اُن کا حق بنتا ہے۔ فرمایا، ایسے لوگ تباہ ہو گئے انہوں نے اپنے آپ کو برباد کر لیا جو اپنا حق تو پورا پورا لینا چاہتے لیکن دوسروں کا حق روکتے ہیں، اس میں ڈنڈی مارتے ہیں۔

ہر روز خبر آتی ہے کہ آج ڈاکٹروں نے جلوس نکالا ہے کہ ہمارے حقوق دیے جائیں۔ آج کاشتکاروں نے حقوق کے لیے جلوس نکالا ہے۔ آج وکیلوں کا جلوس ہے۔ آج دفتروں میں ہڑتال ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ ٹھیک ہے آپ کے تو حقوق ہیں لیکن یہ سڑک جو آپ نے روک رکھی ہے اس پر گزرنے والوں کا کوئی حق نہیں؟ جس دفتر کو آپ چھوڑ آئے ہیں اس میں آپ کے ذمّے لوگوں کے حقوق نہیں ہیں؟ جس ہسپتال کو چھوڑ کر آپ سڑک پر کھڑے ہیں اس ہسپتال میں مریض مر نہیں رہے؟ اُن کا کوئی حق نہیں ہے؟

اسلام حق دینے کی بات کرتا ہے کہ جو تمہارے ذمّے ہے وہ پہلے ادا کرو اور جو لینا ہے وہ تم معاف بھی کر سکتے ہو۔ جو دینا ہے وہ بہرحال تمہیں دینا ہے۔ ہر بندے کا فرض کسی دوسرے کا حق ہوتا ہے لہٰذا اگر سب اپنا اپنا فرض ادا کریں تو کسی کو حق مانگنا ہی نہ پڑے۔ سب کو حق پہنچتا رہے۔

فرمایا، یہ جو اپنے لیے تو پورا پورا لینا چاہتے ہیں اور دوسروں کو دینے کے لیے ڈنڈی مارتے ہیں انہیں یہ خیال نہیں آتا کہ فرمایا: اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝۴ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۝۵ کیا یہ نہیں خیال کرتے کہ یہ لوگ پھر سے زندہ کیے جائیں گے۔ ایک بڑے دن کے لیے۔

فرمایا، کیا یہ سوچتے نہیں کہ ایک بہت عظیم لرزا دینے والا دن ہو گا جس دن ایک عظیم بارگاہ میں انہیں پیش ہونا ہو گا۔ فرمایا: یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۶ جس دن تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے لوگ کھڑے ہوں گے۔

فرمایا، جس دن ساری انسانیت اس کائنات کے پروردگار کے روبرو کھڑی ہو گی۔ اللہ کی بارگاہ میں ساری مخلوق پیش ہو گی اور یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہاں اللہ کریم نے اپنا نام نامی، اسمِ ذات استعمال نہیں فرمایا بلکہ 'رب العالمین' فرمایا یعنی جہانوں کا پالنہار، خالق، مالک۔

فرمایا، سب کو ایک بڑے دن اس ربّ العالمین کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ جو ہر ایک کو اس کا مقرر شدہ حصّہ

پہنچا رہا ہے۔ ہر ایک کو حیات دے رہا ہے، رزق بھی دے رہا ہے، ساری نعمتیں مسلسل دیے جا رہا ہے۔ گویا ہر مستحق کو اس کا حق اللہ کریم پہنچا رہا ہے۔ اب یہ جو راستے میں رکاوٹ ڈالنے کا سبب بنتے ہیں انہیں یہ خیال نہیں آتا کہ جس نے یہ حق مقرر کیا ہے وہ ان سے یہ بھی پوچھے گا کہ میں نے اس کا حصہ بھیج کر اس کے پہنچانے کا سبب تجھے بنایا پھر تُو نے کیوں روکا؟ فرمایا، ایک دن آرہا ہے، بہت بڑا دن، جس دن ہر متنفس حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے آخری انسان تک، ساری مخلوق اس کی بارگاہ میں پیش ہوگی جو سارے جہانوں کو نعمتیں مسلسل دیے جا رہا ہے۔ یہ مخلوق کا حق نہیں ہے بلکہ اُس ربّ العالمین نے خود مقرر کیا ہے کہ تمہیں یہ دوں گا اور جو مقرر کیا ہے، وہ اُن تک پہنچا رہا ہے۔ خواہ وہ زمین کا حصہ ہوں، خواہ صلبِ پدر میں ہوں، خواہ شکمِ مادر میں ہوں، خواہ دنیا میں ہوں۔ جہاں کوئی ہے اُسے اُس کا حصہ پہنچا رہا ہے۔ اب راستے میں جو روکنے کا سبب بنتا ہے اُسے یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ اللہ نے تو اسے اس کا حق بھیج دیا اب میں اسے راستے میں روک رہا ہوں تو مجھے اس پروردگار کے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہ مجھ سے پوچھے گا کہ تو روکنے والا کون تھا؟ تیرے روکنے سے نظامِ کائنات میں یہ خرابی آگئی۔ اس خرابی کا ذمہ دار کون ہو گا؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برزخ کے بے شمار واقعات اور حالات کو کھول کر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مغیباتِ الٰہی (جنت دوزخ فرشتے حساب کتاب) ارشاد فرما دیے۔ زندگی میں بھی اندازہ ہو جاتا ہے، موت کے قریب بھی لوگوں کو اندازہ ہو جاتا ہے اور جب برزخ کھلتا ہے تو سمجھ آجاتی ہے۔

ہمارے پاس پیسہ ہے اور ہم زکوٰۃ دیتے ہیں تو کسی پر احسان نہیں کرتے۔ پیسہ اللہ کا ہے اور اس نے حکم دیا ہے کہ ساڑھے ستانوے تم استعمال کر لو اور اڑھائی روپے اللہ کے نام پر اس کے کسی محتاج بندے کو دے دو۔ حالانکہ سو کا سو اُس کا ہے مگر وہ فرماتا ہے کہ ساڑھے ستانوے تم کھا لو، کپڑے بنا لو، جوتا بنا لو، غذا بنا لو، دوا بنا لو لیکن اڑھائی روپے کسی ایسے بندے کو دے دو جو محتاج ہے۔ کیا یہ ہم نے اس پر احسان کیا ہے؟ ساڑھے ستانوے روپے تو ہم کھا گئے۔ یہ تو اللہ کا ہم پر احسان ہے۔ اگر ہم صدقہ کرتے ہیں تو کتنا صدقہ کر لیتے ہیں؟ کوئی جو تھوڑا سا کرتے ہیں تو یہ بھی اس کا احسان ہے کہ وہ توفیق دیتا ہے۔ اس غریب کا بھی احسان ہے کہ وہ آکر لے جاتا ہے ورنہ جا کر دینے میں کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر غریب آکر نہ لے تو پھر پولیس کو، وکیلوں کو، ڈاکٹروں کو جا کر دینا پڑتا ہے تو پھر کیوں نہ انسان پہلے ہی زندگی متوازن رکھے۔ اپنا حق لے اور دوسرے کا حق دے۔

ہماری اکثریت ملازمت پیشہ افراد کی ہے اور ہمیں اوقاتِ کار کے بارے میں خصوصاً محتاط رہنا چاہیے لیکن عموماً ہم ملازمت میں وقت پورا کرتے ہیں۔ اگر نو بجے حاضری ہے تو ہم ساڑھے نو دفتر جائیں گے، تین بجے چھٹی ہے تو ڈھائی بجے اُٹھ جائیں گے۔ اس طرح ایک گھنٹہ مار لیا۔ پھر دفتر میں بیٹھے گپیں لگاتے رہیں گے، سگریٹ پیتے رہیں

یا چائے منگوالی اور لوگوں کا کام رُکا رہا۔ کلرک، منشی، ہیڈ کلرک وغیرہ گپیں لگا کر چلے گئے، لوگوں سے کہہ دیا جاتا ہے ''بابا جی کل آنا''۔ اگر اُن ملازموں سے یہ کہا جائے کہ آپ کی تنخواہ بھی کل ملے گی، کل آنا تو کہتے ہیں تنخواہ آج ہی دو، آج یکم ہے یعنی میرا جو دینا ہے آج دو۔ ان سے پوچھا جائے کہ جو آپ نے دوسروں کا دینا ہے وہ کیوں رُکا ہوا ہے؟ اسی طرح عدلیہ کا حال دیکھ لیں۔ ایک بندہ دعویٰ دائر کرتا ہے، مرجاتا ہے۔ اس کا بیٹا بھی مرجاتا ہے، تیسری نسل آجاتی ہے لیکن فیصلہ آنا باقی ہوتا ہے۔ بعض دفعہ انیس انیس سال بعد عدالت قتل کے ملزم کو بے گناہ قرار دے کر بری کرنے کا حکم دیتی ہے۔ ایک بندہ جو بے گناہ تھا وہ انیس سال کس بناء پر جیل رہا؟ یہ کون سا انصاف ہے؟ وطنِ عزیز میں تو اب عجیب حال ہے۔ بہاولپور جیل میں دو سگے بھائیوں کو پھانسی دے دی گئی۔ پھانسی لگنے کے دو سال بعد سپریم کورٹ نے کہا کہ یہ بے گناہ ہیں ان کی سزائے موت پر عمل روک دو۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جب اپیل سپریم کورٹ میں چل رہی تھی تو ہائی کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کیسے ہوگیا؟ ملک میں رائج قانون کے مطابق اس کے بعد صدر کے پاس رحم کی اپیل بھی کی جاسکتی تھی تو پھر ان بھائیوں کا بلیک وارنٹ کس نے نکالا؟ یہ تو اندھیر ہے اور دو سال بعد فیصلہ آیا کہ یہ بے گناہ ہیں۔ کیا یہ انصاف ہو رہا ہے؟ کیا اس عدلیہ نے اللہ کے حضور پیش نہیں ہونا؟ چوکیدار سے لے کر صدر اور وزیرِ اعظم تک ہر ایک کو اپنا حصّہ، اپنی اپنی جگہ ڈالنا چاہیے۔ میرے ذمّے الحمدللہ! دین بتانا ہے تو یہ اللہ کا احسان ہے۔ اب اگر کوئی میرے پاس دین سیکھنے آئے اور میں اُسے کہوں کہ کل آنا یا پرسوں آنا تو یہ مناسب نہیں۔ فرمایا، وہ لوگ مارے گئے جو لینے کو پورا لیتے ہیں اور دینے میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ کیا انہیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ایک بڑے دن انہیں ایک عظیم پروردگار کے روبرو کھڑا ہونا ہے جو ذرّے ذرّے کو دے رہا ہے۔ یہ اس نظام میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے اور اس کا جواب کیا دیں گے!

بددیانتی، دراصل قیامت کا انکار ہے:

فرمایا: كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ یاد رکھو! یقیناً بدکاروں کا اعمال نامہ سجین میں ہے۔ اور تجھے کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔

فرمایا، یاد رکھو! بدکاروں کا دفترِ اعمال ہی الگ ہے۔ یہ 'سجین' ہے جو تحت الثریٰ سے بھی نیچے ہے۔ اے مخاطب، جانتے ہو سجین کیا ہے؟ وہ ایک دفتر ہے جس میں کفار، ظالموں اور بدکاروں کے اعمال ہیں۔ ان کا ہر عمل، چھوٹے سے چھوٹا بڑے سے بڑا، ہر گناہ لکھا جا رہا ہے۔ ان کا ہر جرم اس دفتر میں لکھا جاتا ہے۔ جتنے لوگ غیر نجات یافتہ ہوتے ہیں مرنے کے بعد اُن کی ارواح سجین سے متعلق ہوجاتی ہیں۔ کفار کے اعمالنامے اور ارواح قیامت تک

سجین میں رکھے جاتے ہیں جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

فرمایا: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١١﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ وہ لوگ جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔'' فرمایا، اُن لوگوں کی بہت تباہی اور بربادی ہوگی جو تکذیب کرنے والے ہیں۔ انکار کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ کسی نے عملاً بھی انکار کیا اور زبانی بھی اعلان کر دیا کہ میں نہیں مانتا۔ یہ کافر کہلاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اللہ کو نہیں مانتا، رسولؐ کو نہیں مانتا، اللہ کی کتاب کو نہیں مانتا، آخرت کو نہیں مانتا۔ دوسرا کہتا ہے کہ وہ اِن سب چیزوں کو مانتا ہے لیکن اطاعت نہیں کرتا۔ وہ زبانی کہتا ہے کہ جیسا حکم ہوگا ویسا کروں گا لیکن کرتا نہیں ہے یعنی عملاً اطاعت نہیں کرتا۔ یہ منافق ہے۔ دونوں اقسام کفر کی ہیں جبکہ منافق زیادہ بڑا کافر ہے۔ دنیا میں اُسے مسلمان کے حقوق حاصل ہوں گے، اس سے مسلمان جیسا سلوک کیا جائے گا لیکن اللہ کے نزدیک وہ مسلمان نہیں ہے، منافق ہے۔ فرمایا، یہ جو بددیانتی کرتے ہیں، یہ دراصل قیامت کا انکار ہے۔ اگر یہ مان رہے ہوتے تو یہ کردار اپناتے؟ ان کی زبان کہتی ہے مانتے ہیں جبکہ کردار بتاتا ہے کہ یہ نہیں مانتے۔ اگر مانتے تو دوسرے کا حق لوٹتے؟ اگر مانتے تو دوسرے کا مال اور آبرو لوٹتے؟ دہشت گردی کرتے، دوسرے کی جان لیتے؟ بازاروں میں لوگوں کو قتل کرتے مساجد میں بم پھینکتے؟ اگر قیامت کا یقین رکھتے تو یہ حشر کرتے؟ اِن کا کردار بتا رہا ہے کہ یہ زبانی اقرار کرتے ہیں لیکن عملاً نہیں مانتے، قیامت کا انکار کر رہے ہیں۔ یہ بڑی قابلِ غور بات ہے کہ قرآنِ کریم پر کسی ادنیٰ سے شک وشبہ کے بغیر ایمان لانا ضروری ہے۔ ارشادِ باری ہے، فرمایا: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ (البقرہ:2) یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

'ریب' شک کے ریت برابر ذرّے کو کہتے ہیں۔ فرمایا، قرآن میں کوئی ادنیٰ سا، ہلکا سا بھی شک کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اسی طرح قیامت کے بارے ارشاد ہوا ہے، فرمایا: اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (المومن:59) بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔

فرمایا، یقیناً قیامت کے قائم ہونے میں رائی برابر شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر قیامِ قیامت میں بھی ذرّہ برابر شک ہو جائے تو یہ کفر ہے۔ جس کسی کا عمل، اسلام کے صریحاً خلاف ہوگا، وہ زبانی مانتا ہو تو مانے لیکن درحقیقت وہ قیامت کا قائل نہیں ہے۔ غلطی ہو جانا ایک اور بات ہے لیکن غلطی کو غلطی تو سمجھے۔ اس سے توبہ کرے، رجوع کرے اور آئندہ کے لیے چھوڑ دے۔ جو دلیری سے کرتا ہی چلا جاتا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ قیامت پر یقین نہیں رکھتا اور کن اوصاف کے لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہیں؟ فرمایا: وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ اور اس کو صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے نکل جانے والا گناہگار ہے۔

فرمایا، قیامت کا انکار اُن لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں آجاتا ہے جو لوگ زیادتی کرتے ہیں، اپنے حق سے تجاوز کرتے ہیں، دوسرے کا حق چھینتے ہیں اور بدکار، گناہگار ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی سرشت میں گناہ داخل ہو جاتا ہے اور گناہ میں انہیں لذّت ملتی ہے۔ انہیں برائی میں لذّت ملتی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ لوگ شراب پیتے ہیں تو پینے والا ہر گھونٹ کے ساتھ منہ بھی بسور رہا ہوتا ہے کہ اتنی تلخ ہوتی ہے اور اس کی بدبو اتنی ہوتی ہے کہ ساتھ بیٹھنے والوں کو بھی آتی ہے۔ اگر یہ اتنی کڑوی اور بدبودار ہے تو یہ کیوں پیتے ہیں؟ اس لیے پیتے ہیں کہ انہیں اس میں لذت آتی ہے۔ افسوس کہ آج وطنِ عزیز میں شراب نوشی عام ہے۔ اسلامی ریاست ہے کلمہ گو مسلمان ہیں لیکن امرا کے طبقے میں پانی سے زیادہ شراب پی جاتی ہے۔ اسی طرح گناہ کڑوا بھی ہوتا ہے، بدبودار بھی ہوتا ہے لیکن گناہگار کی فطرت اس قدر مسخ ہوچکی ہوتی ہے کہ اس کو اس میں ہی لذّت ملتی ہے اور وہ گناہ کیے چلا جاتا ہے۔ فرمایا، جسے گناہ میں لذت ملنے لگ جائے اور جو زیادتی کرے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق چھیننے لگ جائے پھر وہ قیامت کا انکار بھی کرنے لگتا ہے اور وہ اس حال کو پہنچتا ہے، فرمایا: اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳﴾ جب اس کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

جب ان لوگوں پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ قرآن میں پرانے قصّے کہانیاں ہیں اگلی قوموں کے قصّے کہانیاں ہیں۔ قرآن میں کیا ہے؟ اس میں 'اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ' ہیں یعنی گزشتہ قوموں کے واقعات اور کہانیاں ہیں۔ 'اساطیر' اُن کہانیوں کو کہا جاتا ہے جو زبانِ زدِ عام تو ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ سچ بھی ہوں۔ وہ جھوٹ بھی ہوسکتی ہیں۔ ایسی کہانیاں جو نسلاً بعد نسلٍ لوگوں کی زبانوں پر چلی آرہی ہیں، جن میں سچ اور جھوٹ ملا جلا ہو، وہ اساطیر کہلاتی ہیں۔

آج کے عہد میں بھی دین کے بارے یہی بات دہرائی جاتی ہے کہ یہ تو ساڑھے چودہ سو سال پرانی بات ہے۔ اسے کیوں لیے پھرتے ہو؟ فرمایا، جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو بس اگلے وقتوں کے قصّے ہیں۔

قلبِ انسانی پر کردار کا اثر:

فرمایا: کَلَّا ۔۔۔ دیکھو! بات ہرگز ایسی نہیں ہے! قرآن تو اللہ کا نور ہے، اللہ کا ذاتی کلام ہے، قرآن تو حق ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے بیان ہوا ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اصل بات، اصل سبب یہ ہے، فرمایا: کَلَّا بَلۡ ٜ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ بلکہ ان کے

کردار کا زنگ اُن کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے۔

فرمایا، ان کے کرتوتوں کی وجہ سے، ان کے کردار اور بدعملی کی وجہ سے ان کے دلوں کو زنگ لگ گیا ہے!

دل کو زنگ کیسے لگتا ہے؟ دل کوئی لوہے کا بنا ہوا ہے؟ لوہا ایک ایسی دھات ہے جس کو زنگ لگتے دیکھا ہے۔ سونا یا چاندی کو زنگ نہیں لگتا۔ لوہا میلا ہوتا ہے تو اُسے زنگ لگتا ہے۔ یہ کون سا دل ہے جسے زنگ لگ جاتا ہے؟ انسانی وجود میں جو گوشت پوست کا دل ہے یہ ایک پمپنگ مشین ہے (PUMPING MACHINE) اسے زنگ نہیں لگتا۔ یہ تو ایک چھوٹا سا پمپ لگا ہوا جس طرح ہر گاڑی کے انجن میں دو پمپ ہوتے ہیں۔ ایک پٹرول سپلائی کرتا ہے اور ایک انجن میں پانی گھماتا رہتا ہے۔ جب انجن چلتا ہے تو پٹرول والا پمپ پٹرول دیتا رہتا ہے اور پانی والا پمپ ساتھ ساتھ انجن میں پانی گھماتا رہتا ہے۔ جب تک دونوں پمپ چلتے رہتے ہیں۔ انجن چلتا رہتا ہے۔ کوئی پمپ بھی کام چھوڑ دے تو انجن بند ہو جاتا ہے۔ وجودِ انسانی میں جو دل پمپنگ مشین ہے جب تک یہ چلتی رہتی ہے بندہ زندہ رہتا ہے، جب کام چھوڑ دیتی ہے مر جاتا ہے تو زنگ کسے لگتا ہے؟ دراصل اس دل کے اندر ایک لطیفہ ربانی ہے جسے قلب کہتے ہیں۔ جسے انگریزی میں SUBTLE HEART کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةٌ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (البخاری) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسمِ انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو سارا جسم درست ہو گیا اور اگر وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑا، سو وہ قلب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کی روشنی میں پتا چلا کہ اگر قلب ٹھیک ہو گیا تو سارا جسم ٹھیک ہو گیا لہٰذا ہاتھ بھی صحیح کام کرتے ہیں، آنکھیں حق دیکھتی ہیں، زبان سچ بولتی ہے، کان حق سنتے ہیں، دماغ صحیح سوچتا ہے اور اعضا و جوارح صحیح رہتے ہیں۔ اگر اُس لوتھڑے میں خرابی آجائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے چنانچہ ہاتھ غلط کام کرتے ہیں، زبان جھوٹ بولنے لگتی ہے، گالیاں دیتی ہے، الغرض سارے کام الٹے ہو جاتے ہیں۔ فرمایا، خوب کان کھول کر سن لو کہ یہ قلب ہے، یہ دل ہے۔

انسانی دلوں میں قلب ایک لطیفۂ ربانی ہے جس نے انسان کو شرفِ انسانیت بخشا۔ انسان اور حیوانوں میں یہی فرق ہے کہ باقی ذی الارواح میں یہ لطیفۂ ربانی نہیں ہے۔ ہر گناہ اس لطیفۂ ربانی کو میلا کر دیتا ہے، اس پر غبار آجاتا ہے کہ وہ عالمِ امر کی چیز ہے اور زیادہ نازک ہے۔ یہ ذاتی تجربہ روز ہوتا ہے کہ سارا دن دفتر میں بیٹھتا ہوں، کمرے میں ہوتا ہوں باہر نہیں جاتا۔ گاڑی میں دفتر آتا ہوں اور اندر بیٹھ جاتا ہوں تو منہ میلا نہیں ہوتا، ہاتھ میلے نہیں ہوتے لیکن عینک کو روز دھونا پڑتا ہے۔ اس کی مخصوص دوائی سے اسے صاف کرنا پڑتا ہے ورنہ کچھ نظر نہیں آتا۔ حالانکہ

میں کمرے سے نہیں نکلتا لیکن غیر محسوس انداز میں فضا میں جو دھول ہے وہ عینک کو میلا کر دیتی ہے۔ کپڑوں پر، ہاتھ پر، چہرے پر میل نظر نہیں آتا لیکن شیشے چونکہ زیادہ حساس ہیں لہٰذا ذرا سی میل پڑتی ہے تو نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لطیفہ قلب چونکہ عالمِ امر سے ہے یہ زیادہ نازک ہے۔ اگر ہم ذرا سا، جھوٹ بولنا تو دور کی بات ہنسی مذاق میں بھی ایسی بات کریں تو اس پر غبار سا آ جاتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مزاح بھی فرمایا تو اس میں جھوٹ نہیں بولا بلکہ سچ فرمایا۔ ایک عمر رسیدہ خاتون خدمتِ عالی میں حاضر ہوئی اور گزارش کی کہ مجھے بیت المال سے ایک اونٹ عطا کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا، میں تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ وہ کہنے لگی یا رسول اللہ! میں بوڑھی عورت ہوں بچے کو کیا کروں گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے ناں''!

ایک خاتون نے خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرما دیں کہ میں بھی جنت میں جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ یہ سن کر وہ بے چاری رونے لگی کہ بوڑھا ہونا تو میرے بس میں نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رو نہیں جنت میں بھیجنے سے پہلے اللہ کریم سب بوڑھوں کو بھی جوان کر دیں گے۔ کوئی بوڑھا بڑھاپے کی حالت میں جنت نہیں جائے گا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مذاق میں بھی خلافِ واقعہ بات نہیں ارشاد فرمائی۔ اگر مذاق میں بھی جھوٹ آ جائے تو اس لطیفہء ربانی پر غبار آ جاتا ہے۔ جھوٹ بولنے اور پھر جھوٹ سننے سے بھی اس پر غبار آتا ہے۔ اگر کوئی گرد نہ بھی اڑائے لیکن اُڑتی گرد میں کھڑا رہے تو اس کے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں تو اگر بندہ حرام کھائے، جھوٹ بولے، برا سوچے تو اس کا کیا حال ہوتا ہوگا؟ یہ لطیفہء ربانی جو دل کے اندر ہے ہر انسان کو عطا ہوا ہے اور ہر پیدا ہونے والے میں فطری صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ اس کے والدین اس کا پہلا مدرسہ ہوتے ہیں۔ معاشرہ اور کردار، مجلس اور تربیت حصولِ رزق، غذا سب باتوں کا اثر اس لطیفہء ربانی پر جاتا ہے۔ اگر کردار اطاعتِ الٰہی کے خلاف ہو تو وہ میلا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشادِ عالی ہے اِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ فَاِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ فَاِنْ زَادَ زَادَتْ فَذَلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللهُ فِي كِتَابِهِ: (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ) (سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الذنوب) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ مومن گناہ کرے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے تو وہ صاف ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ نہ کرے اور پھر گناہ کرے تو ایک نقطہ اور بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ مسلسل گناہ سے سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ جب سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے تو پھر اُن دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس کا علاج بھی ارشاداتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے، فرمایا: لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ (رواہ البیہقی)

ہر چیز کی صفائی اور جلا کے لیے تدبیر اور ذریعہ ہے اور دلوں کی صفائی اور جلا اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سونے کو صاف کرنے کے لیے کٹھالی میں ڈالا جاتا ہے تو آگ سارا میل کھا جاتی ہے اور سونا صاف ہو جاتا ہے۔ بعض چیزوں کو تیزاب میں ڈالتے ہیں جبکہ بعض کو ریگ مار سے صاف کرتے ہیں۔ اب دو طریقے ہیں دل کو صاف کرنے کے کہ رجوع الی اللہ کرے، توبہ کرے، اعمال درست کرے اور ایک ایک نقطہ مٹنا شروع ہو جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی کو ذکرِ قلبی اور انوارات وتجلیاتِ نصیب ہوں دل روشن ہو جائے اور اس کے نتیجے میں کردار درست ہو جائے۔ یہ زیادہ موثر زیادہ آسان اور مبارک ہے اگر نصیب ہو جائے۔

دل پر زنگ لگنے کا نتیجہ کیا ہوگا؟

دل پر جو زنگ لگ جاتا ہے اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ فرمایا: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾

بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے اوٹ میں ہوں گے۔

جن کے دلوں پر زنگ لگ جائے گا وہ روزِ حشر جمالِ باری نہیں دیکھ سکیں گے، اس سے اوٹ میں کر دیے جائیں گے یعنی محروم کر دیے جائیں گے، حجاب میں ہوں گے۔ جنت، اللہ کریم کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں ہم وہاں کی نعمتوں کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کتنی ہیں، کیسی ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت طلب کرنے کا، اس کے لیے کوشش کرنے کا حکم دیا ہے لیکن جنت فی نفسہٖ مطلوب نہیں ہے۔ جنت اس لیے مطلوب ہے کہ رضائے الٰہی کی سند ہے۔ جنت میں سب سے اعلیٰ نعمت 'دیدارِ باری' ہوگی۔ جسے جمالِ باری دیکھنا نصیب ہوگا اس کے وجود کے ہر ذرّے کو لذّت نصیب ہوگی۔ دنیا میں جو لذیذ کھانے ہم کھاتے ہیں اُن کی لذّت صرف زبان کی حد تک محسوس ہو سکتی ہے۔ جب حلق سے اترتا ہے تو کڑوا، میٹھا سب ایک سا ہوتا ہے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ذائقہ چکھنا زبان کا کام ہے۔ زبان سے آگے چلا جائے تو نمک کم ہے یا زیادہ کوئی پتا نہیں چلتا۔ بعض لوگوں کی زبان میں بیماری آ جاتی ہے جس سے اس میں چکھنے کی قوت متاثر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انہیں کسی چیز کے ذائقے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ ان کے لیے کسی چیز میں کوئی ذائقہ ہی نہیں رہتا۔

جنت کی نعمتوں کا مزہ بدن کے ہر ذرّے تک جائے گا اور وہاں کائنات کی سب نعمتوں سے عظیم نعمت، سب سے بڑی لذت اور لطف جمالِ باری کا دیدار ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنہیں جمالِ باری نظر آئے گا وہ اُن کے قرب کی، مغفرت اور بخشش کی دلیل ہوگا۔ فرمایا، دنیا میں تو لوگ گناہ پر بڑا فخر کر رہے ہیں لیکن یہ نہیں سوچ رہے کہ یہ گناہ دیواریں بن جائیں گے حجاب بن جائیں گے اور انہیں جمالِ باری کے دیدار سے محروم کر دیا جائے گا۔ فرمایا: ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ پھر وہ یقیناً دوزخ میں جا داخل ہوں گے۔

جو جمالِ باری کے دیدار سے محروم ہوگا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ محرومی کے بعد چھٹی ہو جائے گی کہ چلو دیدارِ باری نہ ہو سکا خیر ہے۔ پھر خیر نہیں ہوگی بلکہ جو محروم رہیں گے وہ جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے۔ انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا اور فرمایا: ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ "پھر اُن سے کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے"۔ فرمایا، انہیں کہا جائے گا کہ اب بھگتو، دنیا میں تم کہتے تھے کہ کوئی جہنم نہیں ہے، عذاب کہاں ہوگا؟ ایسا کب ممکن ہے کہ مر کر مٹی ہو گئے، پھر زندہ ہوں گے اور پھر آگ ہوگی جہنم ہوگی؟ ایسا کچھ نہیں ہوگا! فرمایا، آج دیکھ لو، تجربہ کر لو، آزما لو، بھگت لو!

عِلِّيِّيْن :

فرمایا: كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ یہ بھی سن رکھو! یقیناً نیکوں کے اعمال علیین میں ہیں۔

فرمایا، یہ بات بھی سن لو کہ نیک لوگوں کی نیکیوں کا دفتر ہی الگ ہے اور وہ دفتر علّیّین میں ہے۔ علیین، آسمانوں سے بالا، عرشِ عظیم کے سائے میں ہے۔ نیکوں کا ریکارڈ (RECORD) ہی الگ ہے، دفتر ہی عالمِ بالا میں ہے، عرشِ عظیم کے سائے میں علّیّین میں ہے۔ فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ اور تم کو کیا خبر کہ علّیّین کیا ہے؟ ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔

فرمایا، اے مخاطب! تجھے کیا خبر علّیّین کتنی عظیم جگہ ہے! وہ کیا ہے! فرمایا، وہ ایک دفتر ہے لکھا ہوا اور اس میں مسلسل اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ جو اعمال ہو چکے وہ اس میں محفوظ ہیں۔ جو ہو رہے ہیں وہ لکھے جا رہے اور جو آئندہ ہوں گے وہ لکھے جائیں گے۔ یہ ایک دفتر ہے جو مسلسل چل رہا ہے۔

فرمایا: يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں۔

وہ دفتر ایسا ہے کہ وہاں جو فرشتے کام کرتے ہیں جو ذمہ دار ہیں اور وہ مقربانِ بارگاہ بھی ہیں۔ اللہ کی بارگاہ کے معزز و محترم اور بہت قریبی فرشتے علیین میں کام کرتے ہیں۔ کن لوگوں کے اعمال علیین میں پہنچتے ہیں؟ وہ جو اللہ

کے بندے ہیں، اللہ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں، فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۲۲﴾ بے شک نیک لوگ چین میں ہوں گے۔

فرمایا، ایسے لوگ یقیناً بہت بڑی نعمتوں میں داخل ہوں گے۔ ہم دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ ایک ہی چھت کے نیچے دو بندوں میں سے ایک پریشان حال جبکہ دوسرا مطمئن ہوتا ہے۔ ایک ہی ملک کے آدھے باسی پریشان حال اور آدھے خوش باش ہوتے ہیں۔ یہ کردار کا اثر ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی یہ معاملہ ہے لیکن ہم محسوس نہیں کرتے یا اس طرف توجہ نہیں کرتے لیکن روزِ حشر تو ہر چیز کھل کر سامنے آجائے گی۔ عین اسی وقت جب لوگ جہنم میں پھینکے جارہے ہوں گے، اللہ کے نیک بندے اللہ کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہوں گے۔

لالچ ہی کرنا ہے تو اِن نعمتوں کا کرو:

اُس روز اللہ کے نیک بندے بہت بڑی نعمتوں میں ہوں گے، فرمایا: عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تختوں پر بیٹھے نظارہ کریں گے۔

اس روز بڑے بڑے تخت پوش لگے ہوں گے جن پر گاؤ تکیے لگا کر اللہ کے نیک بندے تشریف فرما ہوں گے اور نظارہ دیکھ رہے ہوں گے۔ جمالِ باری کا، اللہ کے مقرب بندوں کا، انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا، صلحا کا، اچھی محفل کا ایسے خوبصورت مناظر کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔ فرمایا: تم ان کے چہروں سے ہی راحت کی تازگی معلوم کرلو گے۔ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ فرمایا، اُن کے چہروں سے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی خوشی جھلک رہی ہوگی۔ جب کفار کے، اہلِ دوزخ کے چہرے سیاہ ہو کر مسخ ہو رہے ہوں گے اللہ کے نیک بندوں کے چہرے تجلیاتِ باری سے انعامات الٰہی سے روشن اور چمک رہے ہوں گے۔ اُن کو خالص سربمہر مشروب پلایا جائے گا۔ جس کی مہر مشک کی ہوگی۔

فرمایا، ان روشن چہروں کو جنت کے مشروب پیش کیے جائیں گے جن پر مہر لگی ہوگی یعنی اُن سے پہلے کسی نے اُسے چکھا نہیں ہوگا۔ جس کو جو عطا ہوگا وہ اُسی کے لیے اللہ کریم نے تخلیق کیا ہوگا اور وہ سربمہر ہوگا۔ اس کے اندر کیا لذت ہوگی جبکہ اس کی بوتل پر جو مہر ہوگی وہ بھی جنت کی کستوری ہوگی! اس پر مشک کی، کستوری کی مہر لگی ہوگی۔ جیسے دنیا میں بھی کسی چیز کو بند کر کے اوپر مہر لگا دیتے ہیں تو اُن بوتلوں پر جو مہر ہوگی وہ کستوری کی ہوگی اور کستوری بھی جنت کی ہوگی۔ دنیا میں کستوری بہت نایاب اور قیمتی ہے اور رتیوں اور چاولوں کے دانوں کے وزن کے حساب سے بکتی ہے۔ اس کے باوجود اصلی نہیں ملتی یعنی وہ جو رتی اور چاول کے دانے کے وزن کے حساب سے ہزاروں روپوں میں بکتی

ہے وہ بھی نقلی نکلتی ہے۔ وہاں جنت کی کستوری کی مہر ہوگی جو اصلی ہوگی۔ ایک بات ضمناً آ گئی کہ ہمارے ہاں رواج ہو گیا ہے کہ قرآن کے الفاظ لے کر لوگ بچے بچیوں کے نام رکھ دیتے ہیں۔ آج کل بچیوں کے لیے نام 'لاریب' بھی سننے میں آ رہا ہے۔ لاریب تو قرآن کی صفت ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اب بچی کے لیے 'لاریب' کون سا نام ہے! اسی طرح 'ایمان' نام بھی رکھا جاتا ہے۔ ایمان تو ایک کیفیت ہے، کسی شے یا وجود کا نام نہیں ہے۔ یہ کون سا نام ہے! اسی طرح ایک صاحب کا نام سنا 'رحیق'، اب رحیق تو شراب کو کہتے ہیں۔ لوگ قرآن سے الفاظ نکال لیتے ہیں اور نام رکھ لیتے ہیں۔ اب قرآن میں تو فرعون اور شداد بھی ہے، خنزیر بھی ہے۔ کیا یہ سارے الفاظ قرآن میں نہیں ہیں؟ قرآن میں کافرون، مشرکون متعدد بار آیا ہے تو پھر 'کافر' نام رکھو 'مشرک' رکھو۔ لوگ خدا کا خوف نہیں کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ نام مبارک، با معنی اور خوبصورت رکھا جائے۔

فرمایا، ان کو جو مشروب پیش کیے جائیں گے اُن پر جنت کی کستوری کی مہر لگی ہوگی۔ فرمایا: وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ اور نعمتوں کے شائقین کو چاہیے کہ اس میں رغبت کریں۔

فرمایا، اے لوگو! اگر تم لالچ میں ہی پڑ گئے ہو کہ یہ بھی لے لوں، وہ بھی لے لوں تو سب کچھ تو دنیا میں ہی رہ جائے گا۔ اگر تمہیں لالچ ہی کرنا ہے تو ایسی نعمت کا لالچ کرو جو ہمیشہ پاس رہے گی، جنت کا لالچ کرو۔ اگر تمہیں نعمتوں کی ہی طلب ہے تو کم از کم جنت کا لالچ کر لو جو ہمیشہ رہے گی۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک قول منسوب کیا جاتا ہے۔ اب یہ نسبت کس حد تک درست ہے یہ اللہ کریم بہتر جانتے ہیں بہرحال یہ قول اُن سے منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ فرماتی ہیں طَالِبُ الدُّنِیَا کَلْبٌ دنیا کا طلبگار کتا ہے۔ دنیا ایک مردار چیز ہے، ختم ہو جانے والی ہے غلیظ ہے لہٰذا جو لوگ صرف حصولِ دنیا کے لیے ساری کوشش کرتے رہتے ہیں وہ کتے ہیں۔ وَطَالِبُ الْاُخْرٰی مُؤَنَّثٌ اور جو جنت کے طالب ہیں وہ مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں۔ 'وَطَالِبُ الْمَوْلٰی مُذَکَّرٌ' جو اللہ کے طالب ہیں وہ مرد ہیں۔

فرمایا، اگر کسی کو نعمتوں کا لالچ ہی کرنا ہے، طلبِ الٰہی نہیں ہے صرف نعمتوں کی طلب ہے، دولت کی طلب ہے، اچھے لباس، اچھے لذیذ کھانوں اور مشروبات کی طلب ہے تو پھر جنت کا لالچ کرے جہاں کی نعمتیں ہمیشہ رہیں گی۔ دامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھام لے، اتباعِ رسالت کرے۔ دامانِ رسالت پناہی تھامنے کا اصل مقصد بھی طلبِ جمالِ الٰہی ہو۔ مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے فرمایا تھا

محمد از تو می خواہم خدا را
خدایا از تو عشق مصطفٰے را

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا ہے تو اللہ کو مانگو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کی چیزیں طلب کرنا یا کہنا میری جھولی بھر دو، مجھے دولت دے دو وغیرہ کہنا، فضول چیزیں مانگنا درست نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا ہے تو اللہ کو مانگو۔ فرمایا اگر اللہ سے مانگنا ہے تو ''خدایا از تو عشقِ مصطفےٰ را'' اللہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق مانگو۔ سب سے قیمتی دولت جو بارگاہِ الٰہی سے ملے گی وہ عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

فرمایا، اگر لالچ ہی کرنا ہے، اگر اتنی جرأت نہیں ہے کہ طلبِ الٰہی ہو اور محض لالچ ہے کہ حسین مکان ہوں، بہترین سواریاں ہوں، دولت ہو، اچھا لباس اور عمدہ کھانے ہوں تو جو نعمتوں کے شوقین ہیں وہ پھر جنت کی نعمتوں پر ہاتھ ڈالیں۔ فرمایا: وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔

اللہ کے نیک بندے جو مشروب پئیں گے اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ یہ تسنیم کیا ہے؟ فرمایا: عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وہ ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب پئیں گے۔

تسنیم جنت کا ایک چشمہ ہے انبیاؑ و رسلؑ اور اللہ کے مقرب بندوں کے پینے کا چشمہ ہوگا جس کی آمیزش اہلِ جنت کے مشروب میں بھی کی جائے گی۔

اہل اللہ کا مذاق اڑانا، ایک سنگین جرم ہے:

کلام کا رخ پھر سے اُن کی طرف پھیر دیا جو جہنم میں جا رہے ہیں، فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ بے شک وہ لوگ جو گناہگار (کافر) ہیں وہ (دنیا میں) مومنوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

قرآن نے جرم کی بھی تعیین کر دی کہ جرم کسے کہتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ ماننا جرم ہے خواہ وہ کسی کام میں ہو۔ چھوٹے کام میں نافرمانی چھوٹا جرم ہے بڑے کام میں کی جائے تو بڑا جرم ہے۔ اسی طرح نیکی کا تعیین بھی کر دیا کہ نیکی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنا نیکی ہے۔ انہیں ماننا نیکی ہے اور انکار جرم ہے۔ فرمایا، جن لوگوں نے جرم کیا، اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی اور اللہ کے ایماندار بندوں کا مذاق اڑاتے تھے۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اہل اللہ سے، بزرگوں سے، علمائے دین سے اتفاق نہیں کرتا تو کوئی بات نہیں لیکن اُنہیں برا بھلا نہ کہے، اپنا کام کرے۔ اگر انکار کر کے برا بھلا کہتا ہے تو اُن کی برکات سے محروم ہو جائے گا۔ اگر برا بھلا کہنے کے بعد پھر ان کا مذاق بھی اڑائے گا تو یہ انتہائی حالت ہے کسی کی توہین کرنے کی کہ اس کا مذاق بھی

اڑایا جائے۔ فرمایا، اہل اللہ کا مذاق اڑانے والوں کو اس جرم کی پاداش میں قیامت کو الگ سزا دی جائے گی۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبیؐ کا انکار کفر ہے، ولی کا انکار کفر نہیں ہے۔ ولی کی ولایت کا انکار کرنے والے کفر نہیں کرتے لیکن منکرینِ ولایت عموماً مرتے کفر پر ہی ہیں۔ یہ انکار انہیں کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ فرمایا، یہ جو بدکار تھے، جرم کرتے تھے، کفر کیا، اس پر بس نہیں کرتے تھے کہ اللہ سے کفر کیا، اسی پر رک جائیں۔ اللہ سے شرک کیا اسی پر بس کر دیں بلکہ یہ پھر اللہ کے بندوں کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾ اور جب اُن کے پاس سے گزرتے تو طنزیہ اشارے کرتے۔ اور جب وہ اپنے گھروں کو لوٹتے تو باتیں بناتے ہوئے لوٹتے۔ اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے بے شک یہ تو گمراہ ہیں۔

فرمایا، جب یہ لوگ دنیا میں مسلمانوں کے پاس سے گزرتے اُن کو دیکھتے تو ایک دوسرے کو اشارے کرتے کہ انہیں دیکھو یہ کیا کر رہے ہیں، یہ کتنے بیوقوف ہیں، کیا باتیں مان رہے ہیں۔ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے تو مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے، ٹھٹے کرتے، باتیں بناتے ہوئے گزرتے۔ انہیں دیکھ کر کہتے کہ یہ تو بہک گئے ہیں، یہ بے چارے تو گمراہ ہو گئے ہیں، بھٹک گئے ہیں۔ دیکھو کیا جھک مار رہے ہیں!

ہمارے دور کی ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ ہم جب نجاتِ آخرت اور برکات سے متعلق کوئی آیت پڑھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں یہ صحابہؓ کے بارے میں ہے۔ اسی طرح جب کوئی آیت منافقین، کفار یا جہنم کے بارے پڑھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ اُس دور کے منافقین اور کفار کے بارے میں ہے۔ یاد رہے قرآن قیامت تک کے لیے ہے اور ہر عہد کے لوگوں کو مخاطب کرتا ہے۔ اس کا نزول خاص مگر حکم عام ہے۔ ہر عہد میں اچھے لوگ بھی ہیں، برے بھی ہیں، مومن بھی ہیں، کافر بھی ہیں، مشرک اور منافق بھی ہیں۔ کیا آج وطنِ عزیز میں ایسے لوگ نہیں ہیں جو کہتے ہیں بڑے دیکھے ہیں نمازی، داڑھی تو بڑھائی ہوئی ہے، کرتوت ذرا دیکھو! بھئی اگر کسی سے گناہ ہو گیا تو اس گناہ کو تو غلط کہو اُس میں داڑھی کو کیوں گھسیٹتے ہو؟ داڑھی تو سنت ہے، اچھائی ہے۔ برائی کو تو ضرور برا کہو لیکن اچھائی کو کیوں گھسیٹتے ہو؟ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ وطن میں سارا فساد مولویوں کا پھیلایا ہوا ہے۔ کمال ہے! مولوی کیا فساد کرتا ہے؟ قرآن پڑھاتا ہے، کیا یہ فساد ہے؟ دین سکھاتا ہے، کیا یہ فساد ہے؟ ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ تم جو یونیورسٹیوں میں غیر ملکی زبانوں میں غیر ملکی تعلیم دے رہے ہوں، غیر مذاہب کی تعلیم دے رہے ہو اس سے کون سے ولی پیدا ہو رہے ہیں؟ ملک میں ماضی قریب میں جتنے بڑے حادثے ہوئے، اُس میں کتنے مولوی ملوث تھے؟ مدرسوں سے فارغ التحصیل کتنے تھے؟ کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ کہاں سے

پڑھ کر آئے ہیں؟ یہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے آئے ہیں لیکن اُن کا کوئی نام نہیں لیتا۔ مدارس میں بھی اور علما میں بھی اچھے بہترین لوگ ہیں اگر اُن میں سے کوئی خطا کر بیٹھے تو یہ قرآن اور سنت کی تعلیم کا مذاق اڑانے کا جواز نہیں ہے۔ اگر مجھ سے کل کوئی خطا ہو جائے تو میرا قصور ہے میرا گناہ ہے اس میں قرآن وسنت کا قصور نہیں ہے تو ان کا مذاق تو نہ اڑایا جائے۔

فرمایا، یہ مومنوں کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے چارے بے وقوف ہیں، یہ بھٹک گئے ہیں یہ بے چارے گمراہ ہو گئے ہیں۔ جیسے آج بھی مذاق اڑایا جاتا ہے کہ ان کے حلیے دیکھو داڑھیاں بڑھی ہوئی ہیں اور شلوار ٹخنوں تک ہے۔

فرمایا: وَمَآ أُرۡسِلُوا۟ عَلَيۡهِمۡ حَٰفِظِينَ ۝۳۳ اور حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ تم اُن ایمان والوں پر کوئی داروغہ بنا کر بھیجے گئے ہو؟ تم اُن کے ٹھیکیدار ہو کہ اُن کا لباس کیسا ہے یا داڑھی کیسی ہے، حلیہ کیا ہے! تم ان غریبوں کو کیا کہتے ہو تم اپنی فکر کرو۔ یہ لوگ تمہاری ذمہ داری تو نہیں ہیں۔ تم ان پر داروغہ نہیں لگے ہوئے۔ روزِ قیامت لیکن بات الٹ جائے گی۔ فرمایا: فَٱلۡيَوۡمَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنَ ٱلۡكُفَّارِ يَضۡحَكُونَ ۝۳۴ عَلَى ٱلۡأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ۝۳۵ سو آج مومن کافروں سے مذاق کریں گے۔ تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔

فرمایا، آج میرے ایماندار بندے کفار کو دیکھ کر ہنسیں گے۔ کفار کو دوزخ کی زنجیریں پہنائی جا رہی ہوں گی۔ اُن کے چہرے مسخ ہو رہے ہوں گے اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جا رہے ہوں گے تو اللہ کے بندے تختوں پر گاؤ تکیے لگا کر بیٹھے جنت کے مشروب پی رہے ہوں گے اور کفار کو دیکھ بھی رہے ہوں گے۔ اُن کے چہرے خوشی سے دمک رہے ہوں گے اور کفار کو دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر بھی ہنسی آ جائے گی کہ دیکھو کون گمراہ تھا؟ کون بے وقوف تھا، کون بھٹکا ہوا تھا!

فرمایا، اُس دن مومنین کی یہ شان ہوگی کہ سنہری، ہیرے جواہرات سے مرصع تختوں پر ریشمی گاؤ تکیے لگا کر جلوہ افروز ہوں گے۔ خدام حاضرِ خدمت ہوں گے۔ یہ لوگ جنت کے چشموں کے پانی اور جنت کے مشروب نوش فرما رہے ہوں گے اور نظارے کر رہے ہوں گے۔ کفار کو دیکھ کر ہنسیں گے اور کہیں گے کہ تم ہمیں بے وقوف کہتے تھے۔ آج بتاؤ بے وقوف کون ہے!

ثواب کا معنیٰ ہے بدلہ:

فرمایا: هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ تو کافروں کو ان کے کردار کا (پورا پورا) بدلہ مل گیا۔ فرمایا، کافروں کو اور کیا بدلہ ملے گا؟ جو وہ کرتے تھے اُس کا بدلہ مل گیا۔ گویا یہ بھی پتا چل گیا کہ ثواب کیا ہوتا ہے۔ ہم ساری زندگی یہی سنتے رہتے ہیں کہ یہ ثواب ہے، ثواب ہے لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ ثواب ہے کیا۔ کیا ثواب کوئی پہننے کی چیز ہے، کھانے کی چیز ہے، کوئی انعام ہے؟ کیا ہے ثواب؟

ثواب اعمال کے بدلے کو کہتے ہیں۔ جو کافر کو عمل پر سزا ملے گی اسے بھی قرآن ثواب، فرما رہا ہے۔ ثواب کا معنیٰ ہے بدلہ اور ثواب صرف نیکی کا ہی نہیں ہے بلکہ گناہ کا بھی ثواب ہے۔ فرمایا، کافروں کو کیا ثواب ہوگا؟ جو وہ کرتے تھے اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا۔

افسوس آج لوگوں کو ثواب کے پیچھے ہی لگا دیا گیا ہے، ثواب ہی ان کا مطمعِ نظر بنا دیا گیا ہے کہ یہ کرو ثواب ہے، یہ کرو ثواب ہے۔ بھئی کرنا تو اپنی نجات کے لیے ہے لیکن بنیاد اللہ کی رضا ہے کہ یہ کرو اس سے اللہ کریم راضی ہوں گے۔ یہ کرو اس سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں گے تو مقصد رضائے باری ہے ورنہ ثواب تو ہر ایک کو ملتا ہے۔ یہاں تک کہ گناہ پر بھی ثواب ملتا ہے اور وہ ثواب ہے گناہ کا بدلہ۔ اس جرم کی سزا بھی جرم کا ثواب ہے جبکہ نیکی کا ثواب، نیکی کی جزا اور انعام ہے۔

سورۃ الانشقاق رکوع 1 آیات 1 تا 25

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾
وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ
إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴿٦﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿٧﴾
فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا
مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ
سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ إِنَّ
رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾
وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾
وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۩ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا
يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا ﴿۱﴾ اور اپنے پروردگار کا حکم بجالائے گا اور اسے واجب
بھی یہی ہے ﴿۲﴾ اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی ﴿۳﴾ اور جو کچھ اس میں
ہے اسے نکال باہر کرے گی اور خالی ہو جائے گی ﴿۴﴾ اور اپنے پروردگار کے حکم کی
تعمیل کرے گی ﴿۵﴾ اور یہی اس کو سزاوار ہے۔ اے انسان! تو نے اپنے رب
تک پہنچنے میں بہت دکھ اٹھانے ہیں سہہ سہہ کر ﴿۶﴾ سو اس سے جا ملے گا۔ تو جس کا

اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا ﴿۷﴾ تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا ﴿۸﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش باش پلٹے گا ﴿۹﴾ اور جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ﴿۱۰﴾ سو وہ ہلاکت کی آرزو کرے گا ﴿۱۱﴾ (ہلاکت کو پکارے گا) اور دوزخ میں داخل ہوگا ﴿۱۲﴾ بے شک یہ اپنے گھر والوں میں مست رہتا تھا ﴿۱۳﴾ بے شک یہ سوچتا تھا کہ (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائے گا ﴿۱۴﴾ ہاں یقیناً اس کا پروردگار اُس کو دیکھ رہا تھا ﴿۱۵﴾ سو ہمیں شام کی سرخی کی قسم ﴿۱۶﴾ اور رات کی اور جو چیزیں اس میں سمٹ آتی ہیں ﴿۱۷﴾ اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے ﴿۱۸﴾ کہ تمہیں زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے ﴿۱۹﴾ تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے ﴿۲۰﴾ اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ﴿۲۱﴾ بلکہ کافر جھٹلاتے ہیں ﴿۲۲﴾ اور اللہ اُن باتوں سے خوب واقف ہیں جو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں ﴿۲۳﴾ پس ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو ﴿۲۴﴾ ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے ﴿۲۵﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الانشقاق کا شمار بھی مکی سورتوں میں ہوتا ہے۔ آخری پارے میں یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں جمع کردی گئی ہیں جن میں اکثریت اُن سورتوں کی ہے جو مکی حیاتِ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ مکی سورتیں عقائد پر بحث کرتی ہیں اور حیاتِ انسانی کو زیرِ بحث لا کر اُسے عقائد کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

تکوینی اور تشریعی احکام:

احکامِ الٰہی دو طرح سے ہیں ایک تکوینی احکام اور دوسرے تشریعی احکام۔ تکوینی احکام وہ ہیں کہ جو اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے اور حکماً نافذ کیا جاتا ہے۔ وہ حکم ہر چیز کو ماننا پڑتا ہے کہ ماننے کے سوا کسی کے پاس کوئی چارہ ہی نہیں۔ کائنات کی ہر چیز، آسمان، زمین، سورج چاند ستارے، مخلوق، انسان، حیوان، جن، فرشتہ ہر ایک کو ماننا پڑتا

ہے۔ ہر ذرّہ ماننے کا پابند ہے۔

انسان اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے، جب اللہ پیدا کرنا چاہتا ہے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کوئی انسان اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی شکل، قد کاٹھ کیا ہوگا، عقل و خرد کا معیار کیا ہوگا، رزق کتنا ہوگا، عمر کتنی ہوگی، صحت کیسی ہوگی، موت کب آئے گا وغیرہ، یہ سب تکوینی احکام ہیں کائنات کا ہر ذرّہ ان احکامات کو بے چون و چراں مانتا ہے۔ ان سے انکار کی جرأت نہیں رکھتا۔

دوسرے احکام وہ ہیں جو تشریعی کہلاتے ہیں یعنی شریعت کے احکام۔ تشریعی احکام وہ ہیں جن میں مکلّف مخلوق کے لیے قانون بنا کر عمل کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے اور اس کی جزا و سزا کا بتا دیا جاتا ہے۔ اسے شریعت کہتے ہیں۔ مکلّف مخلوق چار قسم کی ہے۔ انسان، جن، فرشتے اور شیطان، یہ مکلّف مخلوق ہیں جن میں سے شیطان مردود سے اطاعت کی توفیق سلب کر لی گئی ہے۔ وہ شریعت پر عمل کر ہی نہیں سکتا کہ اس سے عمل کی توفیق ہی سلب ہوگئی۔ فرشتہ سراپا اطاعت ہے، اُسے نافرمانی کا کوئی خطرہ نہیں۔ انسان اور جن کو اختیار ہے۔ یہ کبھی اطاعت کرتے ہیں، کبھی نافرمانی کرتے ہیں۔ دنیوی زندگی میں تعمیر آخرت کے لیے تشریعی احکام ہیں یعنی انسان کو راستہ بتا دیا گیا ہے۔ اب وہ اطاعت اور شکر کا راستہ منتخب کرتا ہے یا ناشکری کا، اُسے اس کا اختیار ہے۔ جب دنیوی زندگی ختم ہوگی تو تشریعی احکام بھی ختم ہو جائیں گے۔ آخرت میں کوئی شریعت لاگو نہیں ہوگی۔

فرمایا: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝١ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝٢ ''جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے پروردگار کا حکم بجالائے گا اور اُسے واجب بھی یہی ہے۔'' قیامت ایک ایسا حادثہ ہوگا کہ آسمان پھٹ جائے گا یعنی صرف زمین ہی نہیں لرزے گی، پہاڑ ہی ریزہ ریزہ نہیں ہوں گے بلکہ ستارے، سیارے حتیٰ کہ آسمان تک پھٹ جائے گا۔ وہ اپنے پروردگار کی اطاعت میں پھٹے گا۔ یہ احکام چونکہ تکوینی ہوں گے تو ہر ایک کو ماننے پڑیں گے لہٰذا آسمان اللہ کے حکم کو بجالائے گا اور یہی اس پر واجب ہے۔ اللہ کریم نے کب سے آسمان بنایا اور کب تک رکھے گا یہ اللہ کریم خود ہی جانتے ہیں اور اللہ کے حکم کے بغیر اسے کوئی چیز توڑ نہیں سکتی۔ آسمان کو مرورِ زمانہ متاثر نہیں کرتا، کبھی کہیں مرمت کی ضرورت نہیں پڑتی، کہیں ٹوٹ پھوٹ، دراڑ نہیں ہوتی اور نہ ہی کہیں سے پرانا ہوتا ہے۔ جب اللہ کریم جو بنانے والے ہیں، مالک اور قائم رکھنے والے ہیں اُسے حکم دیں گے تو آسمان پھٹ جائے گا۔ بے شک اللہ کا حکم بجالانا ہی اُسے زیب دیتا ہے۔ فرمایا: وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝٣ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝٤ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝٥ اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی۔ اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال باہر کرے گی اور خالی ہو جائے

گی۔ اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گی اور یہی اس کو سزاوار ہے۔

فرمایا، جب زمین کو کھینچ تان کر، برابر کر کے ایک چٹیل میدان بنا دیا جائے گا اور جتنی مخلوق کو اس نے اپنے اندر سمو رکھا ہے، اس ساری کو نکال باہر پھینکے گی۔ انسان، حیوان، چرند پرند، جتنے ذی الارواح اس نے اپنے اندر سمو رکھے ہیں اُن سب کو باہر نکال دے گی۔ زمین بھی اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گی کہ یہی اس پر واجب ہے۔ تعمیلِ ارشاد کے بغیر اس کے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہی اُسے کرنا ہے۔

نفخہ اُولیٰ پر جب صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز تباہ ہو جائے گی۔ قرنا کی آواز آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہوئی اتنی بلند ہو جائے گی کہ زمین پھٹنے لگے گی پہاڑ اڑنے لگیں گے، سمندر بھاپ بن جائیں گے، سیارے جھڑ جائیں گے حتیٰ کہ آسمان پھٹ جائے گا۔ پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو میدانِ حشر بپا ہوگا، زمین برابر کر دی جائے گی اور اپنا پیٹ خالی کر دے گی۔ انسان حیوان تمام ذی الارواح سامنے آجائیں گے۔

انسان ہر لمحہ بارگاہِ الٰہی کی طرف رواں ہے:

فرمایا: يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴿٦﴾ اے انسان! تو نے اپنے رب تک پہنچنے میں بہت دکھ اٹھانے ہیں سہہ سہہ کر۔ سو اس سے جا ملے گا۔

اے انسان! تُو اپنی پوری محنت اور کوشش سے بارگاہِ الٰہی کی طرف رواں ہے۔ تُو رک نہیں سکتا کہ تیری ہر سانس ایک قدم ہے، تیری زندگی کا ہر دن ایک قدم ہے اور تُو لحظہ بہ لحظہ موت کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ہر لحظہ آخرت کی جانب بڑھ رہا ہے میدانِ حشر کی جانب رواں دواں ہے۔ فَمُلَاقِيهِ o سو اس سے جا ملے گا۔ بالآخر تجھے وہیں پہنچنا ہے، تُو اللہ کے حضور پہنچ جائے گا یعنی اس سے بھاگ نہیں سکتا۔ ہم بچوں کا، بڑوں کا یومِ پیدائش مناتے ہیں اور بڑے خوش ہوتے ہیں کہ اتنے سال عمر ہوگئی حالانکہ یہ دن یاد دلاتا ہے کہ اتنا وقت گزر چکا ہے اور موت کی منزل کے اتنے قریب ہو گئے ہو۔ انسان پیدائش کی خوشی منا رہا ہے حالانکہ یہ موت کے قریب ہو رہا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے! یہ سوچنے کا انداز ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ اتنی عمر ہوگئی اور خوشی مناتے ہیں اور یہ نہیں سمجھ پاتے کہ موت کے اتنے قریب ہو گئے۔

فرمایا، اے انسان! تُو پوری کوشش سے اپنے رب کی بارگاہ کی طرف بھاگ رہا ہے، پوری شدت سے دوڑ رہا ہے۔ اگر تُو اپنی ہر سانس کو، اپنے دل کی ہر دھڑکن کو ایک ایک قدم سمجھے تو تُو بھاگ رہا ہے۔ کہاں پہنچے گا تُو بھاگ بھاگ کر؟ تجھے اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے، اُس سے تیری ملاقات ہو جائے گی۔

دائیں ہاتھ میں نامہِ اعمال پانے والوں کا حال:

انسان بارگاہِ الٰہی میں جب پہنچیں گے تو دو دھڑوں میں بٹ جائیں گے۔ فرمایا: فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾ تو جس کا اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش باش پلٹے گا۔

اس دن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو اُن کے زندگی بھر کے کاموں کا لکھا ہوا دفتر اُن کے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ جنہیں دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، اللہ کریم اُن کا حساب آسان کر دیں گے یعنی اُن سے آسان حساب لیں گے۔ آسان حساب کیا ہوگا؟ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اللہ کریم اُسے بتائیں گے کہ تُو نے یہ بھی کیا، یہ بھی کیا لیکن پوچھیں گے نہیں کہ تُو نے کیوں کیا اور اُسے کہیں گے کہ جا تجھے معاف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ملتا ہے کہ جس پر یہ سوال ہو گیا کہ تُو نے یہ کیوں کیا، وہ جہنم جانے سے نہیں بچ سکتا کہ اُس کے پاس اللہ کی نافرمانی کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ سو جن کو اعمالنامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اُن کا حساب آسان ہوگا۔ اُنہیں کہا جائے گا کہ تم نے جو بھی کیا، جاؤ ہم نے تمہیں معاف کیا۔ وہ اپنے گھر والوں میں خوشی خوشی لوٹ جائے گا۔ خاندان بھی نجات میں ہوگا تو ہی خاندان کے پاس خوشی خوشی آئے گا۔ گویا نیکی میں صرف اپنی ذات کا خیال ہی نہیں رکھنا بلکہ اپنے ماحول اور اپنے خاندان کا خیال رکھنا بھی ذمہ داری ہے۔

انسان تخلیقی طور پر مل جل کر رہنے پر مجبور ہے، مدنی الطبع ہے اور اکیلا نہیں رہ سکتا۔ اس کے ماحول میں والدین ہیں، بیوی بچے ہیں، بہن بھائی ہیں اگر وہ نیک نہ ہوں تو یہ بھی نیک نہیں رہ سکتا، اس پر بھی اثر ہوتا ہے۔ اگر یہ نیک ہو تو اس کا اثر اُن پر بھی ہوتا ہے، وہ بھی نیک ہو جاتے ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ یہ سارے نیک ہوتے ہیں یا سارے بد ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ نیکوں کی اولاد میں سے کوئی ایک نیک نہیں بھی ہوتا لیکن اکثریت نیک ہوتی ہے۔ نوح علیہ السلام، اللہ کے نبیؑ تھے، اُن کا بیٹا کافروں کے ساتھ غرق ہو گیا لیکن ایک بیٹا ہی غرق ہوا باقی اولاد بچ گئی۔ اُن کی ایک اہلیہ اور ایک بیٹا غرق ہوا جبکہ باقی خاندان محفوظ رہا۔ لوط علیہ السلام کی صرف اہلیہ کافروں کے ساتھ گئیں جبکہ باقی خاندان نے اُنؑ کا ساتھ دیا لہٰذا بچ گیا۔ سو خاندان میں سے اِلَّا ماشاء اللہ کوئی ایک فرد چلا بھی جائے مگر عموماً سب افراد نیکی پر ہوتے ہیں۔ فرمایا، جس کا حساب آسان ہوگا وہ خوشی خوشی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جائے گا۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے خاندان کے افراد کو نیکی کی تعلیم و تلقین کرے اور اُن کی تربیت بھی کرے۔

اولاد کو نیکی صرف سکھائے نہیں بلکہ ماحول بھی مہیا کرے۔ انہیں رزقِ حلال میسر کرے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہماری تو خیر ہے لیکن بچوں کو نیک ہونا چاہیے۔ ہم تو جو جی چاہے کریں، ساری عمر عیاشی کریں، بدکاری کریں لیکن بچے نیک ہو جائیں۔ بھئی بچے تو آپ جیسے ہی بنیں گے۔ اگر آپ کی خیر ہے تو پھر بچوں کی بھی خیر ہے۔ اگر آپ حرام کماتے ہیں، اُنہیں حرام کھلاتے ہیں تو اُن کے سامنے رول ماڈل (ROLE MODEL) تو آپ ہیں۔ وہ حرام کھا کر آپ کا کردار دیکھ کر ویسے ہی بنیں گے۔ وہ نیک کیسے ہو جائیں گے؟

کردار کی بنیاد رزقِ حلال ہے اور محققین کی رائے میں مزاج کا اسی یا پچاسی فیصد حصہ رزق پر تعمیر ہوتا ہے جبکہ دس یا پانچ فیصد والدین کو دیکھ کر اور دس فیصد ماحول سے متاثر ہو کر بنتا ہے۔ اگر بندہ اسی پچاسی فیصد حصہ خراب منتخب کرتا ہے تو پانچ یا دس فیصد اُسے کیا سدھارے گا؟ بنیادی بات ہے کہ اولاد کو رزقِ حلال کھلاؤ۔ دوسروں کا حق مار کر رشوتیں لے کر، چوری، ڈاکے سے، غبن کر کے دھوکا دے کر پیسے کما کر کہتے ہو کہ یہ سب اولاد کی خاطر کر رہے ہو۔ اولاد کو تو تباہ کر رہے ہو اُن کے لیے جہنم کا ایندھن بنا رہے ہو۔ یہ اولاد کی کون سی خدمت کر رہے ہو؟ اگر اولاد کو حرام کھلاؤ گے تو اُن کی سوچ تک خراب ہو جائے گی اور وہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے جس کے نتیجے میں آخرت کا عذاب جھیلیں گے۔ یہ اولاد کی خدمت نہیں بلکہ یہ تو اُن سے دشمنی ہے اور خاندان سے بھی دشمنی ہے اگر کوئی سمجھے! فرمایا، وہ خوشی خوشی اپنے خاندان کے پاس لوٹے گا کہ میرا تو حساب ہو گیا۔ ہم بچ گئے اللہ کا شکر ہے کہ نجات ہو گئی۔

بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ پانے والوں کا حال:

فرمایا: وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ اور جس کا اعمالنامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

فرمایا، کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں اعمالنامہ ایسے انداز میں تھمایا جائے گا کہ بایاں ہاتھ پیچھے مروڑ کر پیٹھ میں سے گھسیڑ کر آگے سینے سے نکال کر پکڑایا جائے گا۔ ایسا کیوں ہوگا؟ اس لیے کہ یہ دنیا میں الٹے کام کرتا تھا۔ اللہ کا حکم کچھ اور ہوتا تھا، یہ کام اور کرتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور ہوتا تھا، یہ کام دوسری طرح سے کرتا تھا۔ اگر اسے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہی دینا ہے تو سیدھا بھی دے سکتے ہیں۔ یہ اس لیے ہو رہا ہے کہ یہ سیدھے کام ہی نہیں کرتا تھا۔ ہر کام احکامِ الٰہی کے الٹ کرتا تھا لہٰذا اس کا بایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر پیٹھ سے گھسیڑ کر آگے نکال دیا جائے گا اور اسے نامۂ اعمال پکڑا دیا جائے گا۔ فرمایا: فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ سو وہ ہلاکت کی آرزو کرے گا (ہلاکت کو پکارے گا) اور دوزخ میں داخل ہوگا۔

فرمایا، وہ تمنا کرے گا کہ کاش وہ نابود ہو جائے، اُسے موت آ جائے، فنا کر دیا جائے، مٹی میں مل جائے یا

مٹ جائے۔ فرمایا، وہاں موت نہیں ہے۔ اب یہ مرے گا نہیں بلکہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔ دوزخ میں داخل ہو جائے گا۔ اس کا حال یہ تھا کہ فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ بے شک یہ اپنے گھر والوں میں مست رہتا تھا۔

دنیا میں یہ اپنے عیال میں بہت خوش رہتا تھا، بہت عیش کرتا تھا۔ بڑا محل بنالیا، بڑی گاڑیاں لے لیں، نوکر چاکر تھے، بڑی عیش میں رہتا تھا۔ اسے خدا یاد نہیں تھا، دین و ایمان نہیں تھا۔ نماز، روزہ نہیں تھا۔ زندگی میں حلال حرام، پاک پلید، جائز ناجائز کا تصور نہیں تھا۔ یہ اپنی مرضی کرتا تھا اور اس پر خوش رہتا تھا کہ جو جی چاہا کریں گے۔

یاد رہے اللہ حلال رزق دے تو ضرور بڑا گھر بناؤ، بڑی گاڑی لو جتنی نعمتیں دے اس کا شکر کرو لیکن اگر وسائل نہ ہوں تو پرایا مال چھین کر مت بناؤ۔ غریبوں کے خون پر اپنے محل نہ بناؤ۔ فرمایا، یہ دنیا میں بڑا مسرور رہتا تھا، اپنے بچوں میں بڑا خوش رہتا تھا۔ فرمایا: اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بے شک یہ سوچتا تھا کہ (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائے گا۔

فرمایا، اس کا خیال تھا کہ اِسے میدانِ حشر میں لوٹ کر نہیں جانا بلکہ دنیا میں ہی موج میلہ کرنا ہے۔ زندگی میں عیش کرنی ہے، مر گئے تو قصہ ختم ہو گیا۔ یہ کہتا تھا کہ کس نے کہاں لوٹ کر جانا ہے، یہ چارون کی زندگی ہے عیش کرلو، مر گئے تو قصّہ تمام ہو جائے گا۔ یہ تو اسے خیال ہی نہیں گزرتا تھا کہ اللہ کے حضور بھی پیش ہونا ہے۔ یہ کہتا تھا بھلا مجھے پلٹ کر کہاں جانا ہے لیکن ایسا نہیں ہے، فرمایا: بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ ہاں یقیناً اس کا پروردگار اس کو دیکھ رہا تھا۔

فرمایا، بے شک تیرا پالنے والا تجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ ذاتِ کریم جس نے تجھے پیدا کیا، ایک ایک ذرّے کو کتنے مراحل سے گزار کر تیرا وجود بنایا۔ تجھے عالمِ امر کی روح عطا کی، تجھے انسانی خرد عطا کی، تیری طرف انبیاؑ مبعوث فرمائے، اپنے ذاتی کلام سے نوازا، تجھ سے باتیں کیں۔ راہنمائی کی، تیرے لیے دنیا سجا دی۔ ہر چیز کو استعمال کرنے کا طریقہ بتا دیا اور اجازت دی کہ ہر چیز استعمال کر لیکن اُس طریقے سے کر جیسے میں کہتا ہوں۔ تُو نے بغاوت کر دی اور تُو بھول گیا کہ تیرا خالق تیرے ہر حال سے آگاہ ہے، ہر عمل کو بھی دیکھ رہا ہے تیرے ہر خیال کو بھی جانتا ہے اور تیری سوچوں کو بھی پڑھ لیتا ہے۔

کیا یہ موت کا پیغام نہیں؟

فرمایا: فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ سو ہمیں شام کی سرخی کی قسم۔

شفق اُس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کی جگہ پر چھا جاتی ہے۔ کیا یہ شفق کی سرخی اس بات کی گواہ نہیں ہے کہ جو سورج بوقتِ دوپہر آسمان پر تھا اس کا خون ہو گیا ہے؟ جس کی چمک میں آدمی سائے سے باہر نہیں آ

سکتا تھا ایسا لگتا ہے کسی نے اس کی گردن کاٹ دی ہے کہ جہاں غروب ہوا ہے ساری جگہ سرخ ہوگئی ہے۔ کیا یہ ڈوبتا ہوا سورج تجھے موت کا پیغام نہیں دیتا؟ کیا وہ اس بات پر گواہ نہیں ہے کہ ابھرنے والے کو ڈوبنا بھی ہے؟ چڑھنے والے کو اترنا بھی ہے؟ پنجابی کے شاعر میاں محمد صاحب کہتے ہیں:

مگر شکاری کرے تیاری باہر چرینداں ہرناں

جو چڑھیا اس ڈھینا اوڑک جو جمیا اس مرناں

وہ لکھتے ہیں کہ ہرن جنگل کے سبزہ زاروں میں جو کڑیاں بھر رہا ہوتا ہے اور اُسے پتا نہیں ہوتا کہ اس کے پیچھے شکاری نشانہ بھی لے رہا ہے۔ کوئی کتنی بلندی پر چلا جائے اُسے بالآخر گرنا بھی ہے اور جو پیدا ہوتا ہے، اُسے مرنا بھی ہے۔ یہ شفق کی سرخی گواہ ہے کہ جنہیں سورج کی طرح چمکنا ہے انہیں غروب بھی ہونا ہے۔ فرمایا: وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ اور رات کی اور جو چیزیں اس میں سمٹ آتی ہیں۔

فرمایا، یہ رات بھی اس بات پر گواہ ہے کہ جس طرح اس کی تاریکی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اسی طرح ساری دنیا فنا کی لپیٹ میں چلی جائے گی۔ رات کی تاریکی جب چھا جاتی ہے تو اس میں ہر چیز چھپ جاتی ہے، کچھ سمجھ نہیں آتی کہ کیا تھا، کیا نہیں۔ فرمایا: وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے۔

فرمایا، چودھویں کا چاند گواہ ہے کہ چاند جب پورا ہو جاتا ہے تو وہ بتاتا ہے کہ نزع کا وقت آ گیا ہے۔ اب مجھے گھٹنا ہے، موت کی طرف بڑھنا ہے۔ چودھویں کے چاند کو دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں لیکن پندرھویں کو وہ جوبن نہیں رہتا اور ہر رات پھر کمی کی طرف چلی جاتی ہے۔ اسی طرح جوانی آتی ہے اور بڑھاپے کی طرف دھکیل جاتی ہے یوں قدم بقدم انسان موت کی طرف چلتا رہتا ہے۔

فرمایا: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾ کہ تمہیں زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے۔

تم درجہ بدرجہ اپنے انجام کی طرف رواں دواں ہو۔ اس بات پر تمہاری زندگی خود گواہ ہے۔ تم اجزائے خاکی تھے جنہیں اللہ نے دوا بنایا، پھل بنایا، غلہ بنایا۔ پھر ان میں سے کچھ جانوروں کی غذا بنا جس کا پھر تم نے گوشت کھا لیا یا دودھ پی لیا۔ کہاں سے گزر کر درجہ بدرجہ نطفہ بنا، پھر خون کی پھٹکی بنی، پھر لوتھڑا بنا، پھر ہڈیاں بنیں، وجود بنا اور پھر اس میں روح آئی تو پیدا ہوئے۔ بچپن سے لڑکپن میں آئے پھر جوانی آئی اور بڑھاپا آ گیا اور موت آ گئی جو برزخ میں لے گئی۔ پھر قیامت آ گئی، تب جا کر اپنے گھر پہنچے۔ تم درجہ بدرجہ بڑھتے چلے گئے۔ آخرت میں بھی اسی طرح کردار کے مطابق درجات ہوں گے۔ جنت میں بھی درجات ہوں گے اعلیٰ سے اعلیٰ، اعلیٰ سے اعلیٰ چلتے چلے جائیں گے۔ جتنا کما کر لے جاؤ گے اس کے مطابق درجات نصیب ہوں گے۔ اسی طرح جہنم میں بھی درجات

ہوں گے نیچے سے نیچے، نیچے سے نیچے چلتے جاؤ گے۔ فرمایا: فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ ''تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے۔'' بھلا لوگوں کو کیا ہو گیا یہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟

افسوس! لوگ ایمان نہیں لاتے:

اتنے عقلی اور نقلی دلائل کے باوجود، یعنی سورج کا غروب ہونا، چاند کا گھٹنا رات کا چھا جانا، یہ سارا نظام سامنے دیکھ کر بھی لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

یہ اللہ کی بات کیوں نہیں مانتے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟ آخر کیا وجہ ہے؟ ان کے پاس نہ ماننے کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا: وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

فرمایا، جب انکو قرآن جیسی عظیم نعمت، جو اللہ کا ذاتی کلام ہے، اُس کے احکام، اس کے پیار بھرے مشورے، اس کی دعوت پہنچائی گئی اور یہ کتنی کریم دعوت ہے کہ جو کچھ کر چکے ہو، آج کہہ دو کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ یا اللہ! میں نے غلط کیا آئندہ اطاعت کروں گا تو اللہ کریم سارا معاف کر دیں گے۔ پھر یہ لوگ کیوں نہیں مانتے؟ کیوں ایمان نہیں لاتے؟ جب ان پر اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے تو یہ سربسجود کیوں نہیں ہو جاتے؟

سربسجود ہونے سے مراد ہے، کلی طور پر تسلیم کر لینا۔ سجدے کی حالت ایسی ہے کہ جب بندہ سجدے میں جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اب میرے پلے کچھ نہیں ہے، جو ہے تُو ہی ہے اور جو تیرا حکم ہوگا میں بجالاؤں گا۔ احناف کے نزدیک اس آیہ مبارکہ کو پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ:

باوضو، قبلہ رو ہونا، اللہ اکبر کہہ کر، سجدے میں جانا اور تین مرتبہ سجدہ کی تسبیح پڑھ کر اللہ اکبر کہہ کر فارغ ہونا۔ یہ سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ ہے۔ اگر ایک آیت سجدہ دس بار پڑھی جائے یا پچاس بار پڑھی جائے اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا لیکن اگر کوئی دوسری آیت سجدہ بھی پڑھی گئی تو پھر دو سجدے واجب ہو جائیں گے۔ گویا ایک ہی مجلس میں اگر ایک ہی آیت بار بار دہرائی گئی تو ایک سجدہ ہی کافی ہوگا اور اگر دو آیاتِ سجدہ پڑھی جائیں گی تو دو سجدے واجب ہوں گے۔

فرمایا، یہ لوگ ہر لحہ، قدم بقدم موت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہر سانس انہیں موت کے قریب لے جا رہا ہے۔ انہیں اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہا ہے پھر یہ کیوں نہیں مانتے؟ فرمایا: بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ ''بلکہ کافر جھٹلاتے ہیں۔''

فرمایا، کافروں نے اس کا انکار ہی کر دیا۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے، اس کو جھٹلاتے ہیں اسے مانتے یا نہ مانتے تو ایک بات تھی لیکن اسے جھوٹ کہہ کر تو اُنہوں نے حد ہی کر دی! یہ بہت ہی بڑی زیادتی ہے کہ اتنے دلائل ہوتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے اور اسے جھٹلاتے ہیں۔ ان کا دماغ خراب ہے، یہ کیوں نہیں مانتے؟ فرمایا: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ اور اللہ اُن کی باتوں سے خوب واقف ہیں۔

فرمایا، اللہ جانتے ہیں کہ ان کے اندر کیا ہے۔ ان کے پاس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہ خواہشاتِ نفس کے اسیر ہیں۔ یہ اپنی مرضی سے جینا چاہتے ہیں۔ یہ دنیوی عیش وعشرت کے دلدادہ ہیں۔ اس پر انہوں نے پردہ ڈال رکھا ہے اور بظاہر کہتے ہیں کہ ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے، ہمارے باپ دادا ایسا نہیں کرتے تھے تو ہم کیوں مانیں۔ فرمایا، یہ ساری ظاہری باتیں ہیں، اللہ جانتے ہیں کہ ان کے اندر کیا ہے۔ یہ صرف خواہشِ نفس کی پیروی میں عیاشی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

فرمایا: فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ "پس ان کو دردناک عذاب کی خبر سنادو۔"

فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں اس کے نتیجے میں ہونے والے دردناک عذاب کی خوشخبری دیجیے کہ تم نے جو انتخاب کیا ہے وہ تمہیں مبارک ہو۔ اللہ تمہیں مبارک کرے لیکن یہ ہے بڑا ہی دردناک! عذاب تو ویسے ہی عذاب ہے پھر جب اس کے ساتھ اللہ نے اَلِيْمٍ ہ بھی فرما دیا کہ دردناک عذاب تو پھر وہ کتنا شدید ہوگا!

ایمان کی تشریح:

فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔ ہاں جو لوگ ایمان لائے۔

اللہ کریم نے گنجائش رکھی ہے کہ کوئی کتنا بھی دور چلا جائے پھر بھی اگر توبہ کر لے، موت سے پہلے ایمان لے آئے تو سب معاف کر دیا جائے گا۔ اللہ کریم اُسے قبول فرما لیں گے۔ فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔ جو ایمان لائے۔ آگے ایمان کی تشریح ہے۔ ایمان کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔ اور نیک عمل کرتے رہے۔

فرمایا، جنہوں نے اپنا عمل سدھار لیا، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر لیا، اللہ کی اطاعت اپنالی۔ گویا ایمان عملِ صالح کا نام ہے۔ ایمان اطاعتِ الٰہی کا نام اور اتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ فرمایا، ایمان والوں کے لیے: لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

فرمایا، مومنوں کو ہم جو اجر دیں گے، جو بدلہ دیں گے اُس کی کوئی حد نہیں ہوگی، کوئی شمار نہیں ہوگا۔ اُن کے لیے بے پناہ، بے حساب اور کبھی نہ ختم ہونے والے انعامات ہیں۔

سورۃ البروج رکوع 1 آیات 1 تا 22

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ
اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ
عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا
بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا
فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾
اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾
فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ
مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

آسمان کی قسم جس میں برج ہیں ﴿۱﴾ اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے ﴿۲﴾ اور
حاضر ہونے والے (دن) کی اور اس (دن) کی ﴿۳﴾ جس کے پاس حاضر کیا
جائے کہ خندقوں والے ہلاک کر دیے گئے ﴿۴﴾ آگ (کی خندقیں) جس میں
ایندھن جھونک رکھا تھا ﴿۵﴾ جب کہ وہ ان (کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے ﴿۶﴾
اور وہ جو (سختیاں) اہلِ ایمان کے ساتھ کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے
تھے ﴿۷﴾ اور ان کو ان (مومنوں) کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان

لائے ہوئے تھے جو غالب، قابلِ ستائش ہے ﴿۸﴾ وہی ہے جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ﴿۹﴾ یقیناً جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں پھر توبہ نہ کی تو اُن کو دوزخ کا عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا بھی ﴿۱۰﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے تابع نہریں بہتی ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے ﴿۱۱﴾ بے شک تمہارے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے ﴿۱۲﴾ بے شک وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (زندہ) کرے گا ﴿۱۳﴾ اور وہ بخشنے والا محبت کرنے والا ہے ﴿۱۴﴾ عرش کا مالک، بڑی شان والا ﴿۱۵﴾ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے ﴿۱۶﴾ بھلا تم کو لشکروں کا حال معلوم ہے ﴿۱۷﴾ (یعنی) فرعون اور ثمود کے ﴿۱۸﴾ لیکن کافر تکذیب میں گرفتار ہیں ﴿۱۹﴾ اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے ﴿۲۰﴾ بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے ﴿۲۱﴾ لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے ﴿۲۲﴾

تفسیر و معارف

سورۂ بروج مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔

برج:

فرمایا: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ آسمان کی قسم جس میں برج ہیں۔

فرمایا، قسم ہے اُس آسمان کی جس میں بہت سے برج ہیں۔ جب قلعے بنائے جاتے ہیں تو پہرے داروں کے لیے مختلف مواقع پر اونچی جگہیں بنا کر ان پر چھت ڈال کر جگہ بنائی جاتی ہے۔ عربی میں پہریداروں کے لیے بنائی گئی ان جگہوں کو برج کہتے ہیں۔ آسمان کی حفاظت پر مامور ملائکہ کے لیے جو جگہیں بنی ہوئی ہیں اُنہیں بھی بروج کہا گیا ہے۔

علومِ نجوم سے وابستہ لوگوں نے افلاک کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے اُن کے مختلف نام رکھ دیے ہیں، جوزا، حمل وغیرہ اور ان کا کہنا ہے کہ ستارے تو ان میں رہتے ہی ہیں، سیارے بھی آمد و رفت رکھتے ہیں۔ جیسے کہہ دیا جاتا ہے کہ زحل، مشتری فلاں برج میں ہے یا اب فلاں سیارہ فلاں برج میں ہے۔ اس سے قسمتوں کا حال بتاتے ہیں لیکن

یہ ساری خرافات ہیں جن کی دین میں، شریعت میں کوئی حیثیت یا اصل نہیں ہے۔ یہ انسانی اندازے ہوتے ہیں، یہ محض اٹکل پچو ہوتا ہے۔ ایسے علوم جو غیر تشریعی ہیں، جن کا قرآن و حدیث میں کوئی ذکر نہیں، اُن کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی بچے کے سامنے کمپیوٹر رکھ دیا جائے اور وہ اس پر انگلیاں مارتا رہے۔ چونکہ کمپیوٹر میں تو پہلے سے DATA موجود ہوتا ہے، معلومات FEED ہوئی ہوتیں ہیں تو بچہ کسی Key پر ہاتھ مارتا ہے اور اس سے کمپیوٹر پر کوئی پروگرام کھل جاتا ہے۔ اب وہ بچہ اگر یہ سمجھے کہ یہ میرا کمال ہے تو اس میں بچے کا تو کوئی کمال نہیں۔ وہ تو جانتا ہی نہیں تھا کہ کس Key سے کون سا پروگرام کھلے گا۔ وہ انگلیاں مارتا رہا تو اتفاق سے ایک انگلی صحیح Key پر لگ گئی۔ اسی طرح نجومی بھی گپیں ہانکتے رہتے ہیں جن میں سے اکثر فضول ہوتی ہیں اور کوئی ایک آدھی درست ثابت ہوجائے تو اُسے بڑا کمال سمجھتے ہیں۔

فرمایا، آسمان بھی گواہ ہے اور فرمایا: وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝٢ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝٣ اور اُس دن کی جس کا وعدہ ہے۔ اور حاضر ہونے والے (دن) کی اور اس (دن) کی جس کے پاس حاضر کیا جائے۔

فرمایا، قسم ہے روزِ قیامت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی روزِ حشر بھی ان حقائق پر گواہ ہے کہ حق و باطل دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں کا الگ الگ انجام ہوگا۔ فرمایا، قسم ہے سارے پیش ہونے والوں کی، سارے گواہوں کی اور وہ جس کی بارگاہ میں پیش ہوں گے یعنی یہ سارا نظام گواہ ہے کہ ہر کام کا ایک انجام ہے۔ آسمان بھی، روزِ حشر بھی ہر سچا گواہ بھی اور ہر حقیقت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نیکی کا انجام نیک ہے اور برائی کا نتیجہ برا ہوگا تو انسان کیوں نہیں سمجھتا حالانکہ یہ سارے امور اس بات پر دلیل ہیں کہ ہر عمل کا نتیجہ ہے۔ زندگی میں ہم جو حرکت کرتے ہیں اس کا نتیجہ ہے۔ سفر کرتے ہیں تو تھکاوٹ ہوتی ہے، آرام کرتے ہیں تو راحت ملتی ہے۔ کاروبار کرتے ہیں تو نفع یا نقصان ہوتا ہے، ہر حال میں ایک نتیجہ تو ہوتا ہے۔ ایمان اور کردار کے نتیجے سے پھر ہم کیوں غافل ہیں؟ ان دلائل کو دیکھیں آسمانوں اور زمین کے نظام کو دیکھیں، قیامت کا خیال کریں تو ہر چیز اسی بات پر گواہ نظر آتی ہے کہ ہر کام کا ایک نتیجہ ہے لیکن انسان غفلت میں کہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ جس بارگاہ میں اسے پیش ہونا ہے اسی کا گستاخ ہو جاتا ہے!

خندق والوں کا قصّہ:

فرمایا: قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝٤ کہ خندقوں والے ہلاک کردیے گئے۔

فرمایا، آسمان، روزِ حشر بھی، ہر گواہ اور سارے حقائق اس بات پر گواہ ہیں کہ خندق والے برباد ہوگئے، انہوں نے اپنی تباہی مول لے لی۔ یہ خندق والوں کا کیا قصہ ہے؟

تفاسیر میں اس کے بارے تفصیل ملتی ہے کہ یمن کا حکمران ذونواس بن شرجیل تھا۔ اس کا ایک سرکاری کاہن تھا جو بہت ماہر اور کاریگر تھا۔ اسی کاہن کے کہنے پر سارا نظامِ حکومت چلتا تھا۔ جو علمِ نجوم اور جادو کے جملہ علوم پر دسترس رکھتے ہوں وہ کاہن کہلاتے ہیں اور جو صرف علمِ نجوم جانتے ہوں وہ نجومی کہلاتے ہیں۔ یہ کاہن نہایت معروف تھا اور اس کے پائے کا کوئی دوسرا کاہن ملک میں نہیں تھا لیکن وہ چونکہ ضعیف ہو گیا تو ایک بہت قابل اور ذہین لڑکا تلاش کر کے جس کا نام عبداللہ بن تامر بتایا گیا ہے، اُسے اس کاہن کا شاگرد بنایا گیا تا کہ کہانت سیکھ لے۔ قدرت کا اپنا نظام ہے کہ ہر دور میں کوئی نہ کوئی بندہ دین پر رہا ہے اور جب کوئی نہ رہا تو نیا نبیؐ مبعوث ہو گیا۔ چنانچہ اُس سلطنت میں بھی ایک کامل ولی اللہ تھا۔ اتفاق سے اُس لڑکے کی اس ولی اللہ سے ملاقات ہو گئی۔ قدرت کے اتفاقات ہیں لیکن یہ سب قدرت کا نظام ہے۔ ہمیں ان کا سبب نظر نہیں آتا تو ہم اتفاق کہہ دیتے ہیں ورنہ اللہ کریم کی قدرت ہے، وہ کرتے ہیں تو ہوتا ہے۔ وہ کاہن کے پاس جادو سیکھنے جاتا لیکن راستے میں اس درویش کے گھر بھی رک جاتا اور اللہ اللہ سیکھتا۔ چنانچہ اسے مراقبات و مقامات نصیب ہو گئے اور اللہ نے اُسے صاحبِ کرامت کر دیا کہ اللہ کو دین کا ظہور منظور تھا۔ وہ کسی بیمار کو دم کرتا تو وہ صحتمند ہو جاتا۔ کسی کے لیے دعا میں ہاتھ اٹھاتا تو اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔ لوگوں میں اس کی شہرت ہونے لگی تو بات بادشاہ تک جا پہنچی تو وہ بہت خفا ہوا۔ اس نے کہا کہ یہ کیا نیا تماشا ہے کہ اس کی دعا سے جو بھی ٹھیک ہوتا ہے اُسے یہ اللہ اللہ سکھاتا ہے۔ یہ اللہ کیا ہے؟ یہ کیا بات ہوئی؟ بادشاہ نے درویش کو گرفتار کروا کر شہید کر دیا اور اُس لڑکے کو گرفتار کر لیا۔ پھر عجیب اتفاق اللہ کی قدرت کا تماشا یہ ہوا کہ بادشاہ کی تمام تدابیر کے باوجود وہ اُسے قتل کرنے پر قادر نہ ہوتا۔ اُسے پہاڑوں سے گرایا گیا، آگ میں پھینکا گیا، قتل کرنے کے لیے تلواریں چلائی گئیں تیر چلائے گئے لیکن کچھ کارگر نہ ہوا اور وہ ہر بار بچ جاتا۔ وہ لوگ بہت حیران ہوئے کہ اب کیا کیا جائے تو اس لڑکے نے بادشاہ سے خود کہا کہ اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو ایک طریقہ ہے۔ تم عوام کا اجتماع کر لو سارے شہر کے لوگوں کو اکٹھا کر لو اور سب کے سامنے مجھے سولی پر لٹکا دو۔ میرے ترکش سے تیر لے کر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر مجھ پر چلاؤ اور شرط یہ ہے کہ تیر میری کنپٹی پر لگے۔ اس سے میری موت واقع ہو جائے گی اور تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ دونوں کا اپنا اپنا مقصد تھا، بادشاہ اُسے قتل کرنا چاہتا تھا اور وہ لڑکا اللہ کا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ چنانچہ مخلوق جمع ہو گئی۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ مخلوق دیکھ رہی تھی کہ بادشاہ بے بس ہے کہ ایک بندے کو تمام حربے آزمانے کے باوجود آج تک قتل نہیں کر سکا۔ یہ معمولی بات نہیں تھی۔ اس پر تلواروں نے اثر نہیں کیا پہاڑ سے پھینکا گیا تو بھی اثر نہیں ہوا حتیٰ کہ پھانسی دی گئی لیکن جب اتارا تو ٹھیک ٹھاک صحتمند تھا۔ اب سارے لوگ جمع ہوئے اور اُسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ ایک ماہر نشانہ باز نے اس کے ترکش کا تیر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر چلایا جو اُس کی کنپٹی پر لگا۔ وہ شہید ہو گیا لیکن تمام حاضرینِ مجمع

نے کلمہ پڑھ لیا۔ اُن کا نعرہِ مستانہ تھا، ''اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ ''یعنی ہم اس لڑکے کے پروردگار پر ایمان لائے۔ ہمارا رب وہی ہے جو اِس کا ربّ ہے۔ بادشاہ تو خود کو ربّ کہلواتا تھا اُس نے کہا کہ یہ تو جان دے کر بھی تبلیغ کر گیا۔ اُسے بہت غصہ آیا کہ لوگوں نے میرے روبرو میری عظمت کا انکار کر دیا اور اس لڑکے کے دین پر چلے گئے تو اس نے حکم دیا کہ بڑی بڑی خندقیں کھود کر اُن میں لکڑیاں بھر کر انہیں جلا دیا جائے۔ جب آگ دہک جائے تو ان مسلمانوں کو اس میں پھینک دیا جائے البتہ اگر کوئی اسلام سے پھر جائے تو اُسے چھوڑ دیا جائے۔ فرمایا، انہیں نظر نہیں آ رہا کہ یہ بروجِ آسمانی، نظامِ آسمانی، یہ نظامِ کائنات اس بات پر گواہ ہے کہ ہر کام کا نتیجہ ہوگا؟ میدانِ حشر کی حاضری ہوگی اور یہ میرے بندوں کو آگ کا عذاب دے رہے ہیں! انہیں پتا نہیں ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ فرمایا: قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ کہ خندقوں والے ہلاک کر دیے گئے۔ آگ (کی خندقیں) جس میں ایندھن جھونک رکھا تھا۔ جب کہ وہ ان (کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ جو (سختیاں) اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے اُن کو سامنے دیکھ رہے تھے۔

بادشاہ نے ہر گلی کے سامنے خندق کھدوا کر اُس میں آگ دہکا کر سب مسلمانوں کو اس میں ڈالنے کا حکم جاری کر دیا البتہ اگر کوئی اسلام سے پھر جائے تو اُس کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ نیا امتحان شروع ہو گیا لیکن دین ایک عجیب کیفیت کا نام ہے۔ اس میں ایک عجیب مٹھاس، ایک عجیب لذت، ایک عجیب لطف ہے، ایک عجیب کیف ہے۔ جس پر جان تو جا سکتی ہے لیکن دین نہیں جا سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ حصولِ زر کے لیے مرتے ہیں۔ پیسوں کی خاطر چوری ڈاکا کرتے ہیں، مارے جاتے ہیں پکڑے جائیں تو سزائیں پاتے ہیں جیل میں قید کاٹتے ہیں لیکن جب چھوٹ کر آتے ہیں تو پھر چوری کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں پیسے سے محبت ہوتی ہے۔ جرائم کرتے ہیں سزائیں پاتے ہیں لیکن پھر جرائم پر لگ جاتے ہیں اس لیے کہ انہیں جرائم سے محبت ہے، اس سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ہر چیز میں لذت ہے تو پھر اسلام میں کیوں نہیں؟ ہمیں کیوں اس میں مزا نہیں آتا؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن کام کافروں جیسے کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں لیکن ہم لباس کافروں جیسا پہنتے ہیں، اُن جیسا حلیہ بناتے ہیں یعنی ساری ساری ادائیں کافرانہ ہیں اور ہم مسلمان بھی ہیں۔ ہمیں خود یہ سوچنا ہوگا کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟ کیا اسلام ہمارے دل میں اترا؟ کیا ہمیں اُس کی لذت آئی؟ کسی شاعر نے کہا تھا:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اسلام اللہ سے آشنائی اور معرفتِ باری کا نام ہے۔ بادشاہ کے حکم پر مسلمانوں کو خندقوں میں ایندھن بھر کر

آگ بھڑکا کر پھینکا جانے لگا اور لوگ بیٹھے تماشا دیکھنے لگے لیکن کسی مسلمان نے اسلام سے پھرنا قبول نہ کیا۔ مرد، عورتیں بچے سب نے آگ میں جلنا قبول کیا کہ ہمیں آگ میں پھینک دو ہم جل جائیں گے لیکن جو لذّت اسلام میں ہے وہ لذّت جل کر بھی آئے گی۔ اسلام ایک لذّتِ آشنائی ہے۔ ایک بڑا پرلطف انداز ہے۔ ذرا سوچیں کہ اللہ سے آشنائی کی کیفیت کیا ہوگی! اللہ کریم نے اُن پر یہ آسانی کی کہ جیسے ہی انہیں آگ میں گرایا جاتا، اُن کی ارواح قبض فرما لیتے، اُن کے بدن کو درد سے محفوظ کر دیتے اور وہ جنت میں پہنچ جاتے۔ اللہ قادر ہے کہ یہ پھینکے آگ میں گئے لیکن پہنچ جنت میں گئے! ہر ایک کا اپنا اپنا انجام ہے! جس طرح فرعونی سمندر میں غرق ہوئے لیکن اللہ کے عذاب میں پہنچ گئے۔ مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کریم اُن کی ارواح قبض فرما کر اُن اہلِ ایمان کو دنیا کی تکلیف سے محفوظ کر لیتے۔ برزخ میں آخرت میں جنت عطا کر دیتے اور وہ شہید کا رتبہ پاتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ لڑکا جو شہید ہوا جس کا نام عبداللہ بن تامر بتایا گیا ہے اُس کا وجود عہدِ فاروقی میں یمن میں کسی کھدائی سے برآمد ہوا۔ محمد بن عبداللہ بن ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں اس کا وجود برآمد ہوا۔ قبر میں بیٹھا ہوا تھا جیسے کسی نے بیٹھا ہوا ہی دفن کر دیا ہو اور ہاتھ کنپٹی پر رکھا ہوا تھا۔ اس کا وجود سلامت تھا۔ جب اس کا ہاتھ کنپٹی سے ہٹایا گیا تو وہاں سے خون جاری ہو گیا اور جب ہاتھ چھوڑا گیا تو اس نے پھر کنپٹی پر رکھ لیا۔ اس کی انگلی میں ایک انگشتری تھی جس پر ''رَبِّیَ اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ گورنر یمن نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری رپورٹ لکھی اور راہنمائی کی درخواست کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اُسے اُسی حالت میں دفن کر دیا جائے۔ صدیوں پہلے سے دفن تھا لیکن شہید زندہ ہوتے ہیں اور اُن کے وجود سالم ہوتے ہیں کہ روح کا اتنا مضبوط تعلق بدن سے رہتا ہے۔

اُن اہلِ ایمان کا آخر قصور کیا تھا؟ انہوں نے ایسا کیا کیا تھا جس سے کافر اتنا چڑ گئے، اتنے خفا ہو گئے؟ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اور ان کو ان (مومنوں) کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب قابلِ ستائش ہے۔ وہی ہے جس کی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

مسلمانوں کا یہی قصور تھا کہ وہ اپنے پروردگارِ حقیقی پر ایمان لے آئے وہ جو ہر حال میں غالب اور سب تعریفوں کا مالک ہے۔ وہ اللہ جس کی ارض وسما پر حکومت ہے، کائنات کی حکومت واقتدار اسی کا ہے اور صرف اسی کا ہے۔ وہ ہر چیز دیکھ رہا ہے۔ جو فیصلے یہ کر رہے ہیں، اُس کے سامنے کر رہے ہیں اور وہ انہی کے گلے پڑیں گے کہ وہ سب دیکھ رہا ہے۔ ہر عہد کے ذونواس ہر عہد کے مومنین کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیا جرم تھا طالبان کی قائم کردہ

چھوٹی سی اسلامی ریاست کا کہ امریکہ اور چالیس ممالک اُسے تباہ کرنے پر متفق ہو گئے؟ کبھی غور کریں ایسا کیوں ہوا۔

امریکہ کے صدر نے اپنی تقریر میں کہا "THEY WERE GOING TO DESTROY OUR CULTURE AROUND THE GLOBE" یہ ہماری تہذیب ہماری معاشرت کو روئے زمین سے مٹا دیتے۔ اس کا یہ جملہ اس حقیقت کی بنیاد پر تھا کہ جو نظامِ زندگی نظامِ معیشت، نظامِ عدل اُن پانچ سالوں میں طالبان نے قائم کیا تھا اُسے دیکھ کر تو سارے کافر بھی کلمہ پڑھ لیتے۔ اُن کے سارے لوگ مسلمان ہو جاتے تو دنیا سے کفر ہی مٹ جاتا۔ امریکہ نے اُسامہ کا بہانہ بنا کر ساری دنیا میں تباہی مچادی لیکن امریکہ کے بینکوں میں اسامہ کے جو اکاؤنٹ تھے وہ کسی نے بند نہیں کیے۔ وہ اپنی طبعی موت مر گیا، کسی نے پکڑا بھی نہیں اور پھر مرنے کے کئی سال بعد نمائشی طور پر ڈرامہ رچایا کہ ہم نے پکڑ لیا، مار دیا۔ اللہ جانے کسی کو مارا بھی یا نہیں۔ پھر کہا کہ مار کر سمندر میں پھینک دیا۔ کمال ہے! اسامہ جیسا بندہ مارا جاتا تو کیا یہ سب دکھایا نہ جاتا؟ بات صرف اتنی ہی تھی کہ کفر کو خطرہ ہو گیا تھا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ انہیں مسلمانوں کے نمازی ہونے سے خطرہ نہیں ہے بلکہ ہر کافر ریاست میں بھی مسلمانوں کو نمازیں پڑھنے سے نہیں روکتے۔ وہاں مسجدیں بھی ہیں اور اذان دینے کی بھی اجازت ہے لیکن کیا مسلمان وہاں پر اسلام کا معاشی نظام لا سکتے ہیں؟ کیا مسلمان وہاں اسلامی عدالتی نظام یا اسلامی سیاسی نظام یا اسلام کا تعلیمی نظام لا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! وہاں کیا لانا ہے، یہ نظامِ حیات تو ہم وطنِ عزیز میں بھی نہیں لا سکتے۔ یہاں بھی نمازوں سے نہیں روکتے، مسجدیں بنانے سے نہیں روکتے۔ وہ پیسے دیتے ہیں کہ نئے نئے فرقے بناؤ، نئے نئے مذہب ایجاد کرو، بڑے بڑے جلسے کرو لیکن کہتے ہیں کہ نظامِ زندگی ہمارا اپناؤ۔ سود کھاؤ، عدالت میں سارا نظام ہمارا ہو کہ اسلام کا نظام عادلانہ نہیں ہے۔ (معاذ اللہ) ملک کے ایک وزیرِ اعظم کا جملہ تھا کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں اور وہ بعد میں شہید بھی ہو گئے۔ یہ بہت عجیب سی بات ہے کہ لوگ زندگی میں اسلام پر طنز کے تیر چلاتے ہیں اور جب مر جاتے ہیں تو شہید ہو جاتے ہیں۔ اس کا فیصلہ تو قیامت کو ہو گا کہ کون شہید ہے۔ اسلامی ملکوں میں بھی مسلمانوں کو اسلام کے مطابق جینے نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کہیں اسلام نافذ ہو گا تو روئے زمین پر اسلام ہی چھا جائے گا کہ یہ انسانی مزاج کے مطابق ہے جبکہ دنیائے کفر تو خود زندگی سے تنگ ہے، پریشان ہے اس لیے ہمارے لوگ بھی کلمہ پڑھ لیں گے۔

یہی قصور اُن لوگوں کا تھا جنہیں چالیس ممالک نے مل کر تباہ کیا کہ اُن کی زندگی کا طرز اسلامی کیوں ہے!

حال ہی میں ایک خبر نظر سے گزری کہ امریکہ میں ایک مصری شخص جہاز میں سوار ہوا۔ اُس نے سفر سے پہلے اپنی والدہ کو فون کیا اور والدہ سے عربی میں بات کی کہ والدہ کو عربی ہی آتی ہو گی تو اُسے جہاز سے اتار دیا گیا۔ اس کی باقاعدہ تفتیش کی گئی کہ وہ عربی میں بات کیوں کر رہا تھا۔ پھر کسی دوسری فلائٹ سے بھیجا گیا یعنی عربی میں بات کرنا جرم ہو گیا۔ ہم

انگریزی بولنا کتنا قابلِ فخر سمجھتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ عربی بولنے پر مسافر کو جہاز سے اتار دیا کہ یہ ضرور کوئی بدمعاش ہے، عربی میں بات کر رہا ہے۔

فرمایا وہ جو خندقوں میں جلائے گئے اُن کا قصور یہی تھا کہ وہ اس اللہ پر ایمان لے آئے جو ارض وسما کا اکیلا بادشاہ ہے۔ جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا اور جس کے دستِ قدرت میں تمام اختیارات ہیں۔ اس پر ایمان لانے کے جرم میں ان پر اتنا ظلم کیا گیا!

اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں:

فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا۔۔۔ یقیناً جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں پھر توبہ نہ کی۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو میرے بندوں کو میرے سامنے زندہ آگ میں پھینک رہے ہیں، اس جرم میں کہ وہ مجھ پر ایمان لائے، یہ کتنا ظلم کر رہے ہیں۔ مردوں، خواتین اور بچوں کو زندہ آگ میں پھینک رہے ہیں، بہت بڑا ظلم کر رہے ہیں حالانکہ اقتدار اور قوت سب میرے پاس ہے لیکن ان کی جرأت دیکھو۔ انہیں میرے سامنے پیش ہونا ہے، حساب دینا ہے، انہیں جہنم کا خوف نہیں؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ ایک طرف اُن کے ظلم کو رکھ کر پھر دعوت دے رہا ہے کہ اگر یہ بھی توبہ کر لیں تو بخش دوں گا۔ یہ بھی میری مخلوق ہے، گنہگار ہے میرے بندوں پر ظلم کرتے ہیں اگر یہ توبہ کر لیتے تو انہیں بھی معاف کر دیتا۔ فرمایا: ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ پھر توبہ نہ کی تو اُن کو دوزخ کا عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا بھی۔

اللہ کریم کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ لوگ اُس کے اولیا کے قاتل اور ظالم ہوں تو بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں فرماتے بلکہ انہیں توبہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ فرمایا اگر وہ توبہ نہیں کرتے تو پھر انجام دوزخ ہے جہاں سوائے جلنے کے اور کچھ نہیں ہے۔ دوزخ کی آگ بدن کو چھوتی ہے تو ایک ایک CELL کو جلاتی ہے۔ دوزخ کا پانی پیو تو وہ جلاتا ہے، کھانا کھاؤ تو وہ جلاتا ہے، لباس پہنو تو وہ جلاتا ہے یعنی ہر چیز جلا ہی رہی ہوگی۔

فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن کے لیے باغات ہیں جن کے تابع نہریں بہتی ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

فرمایا، یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور ایمان پر قائم رہے وہ جہنم سے بچ کر جنت کے باغوں میں پہنچ گئے اپنے گھر پہنچ گئے کامیاب ہو گئے۔ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔ ایمان سے مراد نیک کردار ہے، اچھے کام ہیں تو جنہوں نے اچھے کام کر لیے اُن کے لیے باغات ہیں، جن کے تابع نہریں جاری ہیں اور بہت نعمتیں ہیں۔ یہ بہت بڑی جیت ہے، اسے پالینا بہت بڑی کامیابی ہے۔ گویا مومن فاتح ہو کر بھی کامیاب اور شہید ہو کر بھی کامیاب کہ اپنی منزل سے ہمکنار ہوا۔

پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے:

فرمایا: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ بے شک تمہارے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے۔

خندق والوں کے ظلم کا نتیجہ کیا نکلا؟ فرمایا یقیناً تیرے پروردگار کی گرفت بہت سخت ہے۔ یہاں اسمِ صفت ربّ استعمال ہوا ہے۔ ربّ وہ ہے جو ہر چیز ہمہ وقت مہیا فرماتا ہے۔ ہر چیز کے نتائج پیدا فرماتا ہے کہ وہ رب العالمین ہے۔ ہر چیز کے نتائج پیدا کرنا اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے چنانچہ گناہ کے بھی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ جب انسان برائی کرتا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق کرتا ہے لیکن جب اس کی گرفت آتی ہے تو اُس کی شان کے مطابق ہوتی ہے۔

خندق والوں نے مسلمانوں پر ظلم کیا، اللہ نے مسلمانوں کو تو دنیوی عذاب سے بھی بچایا اور آخرت میں جنت بھی دے دی لیکن اُن پر ظلم کرنے والوں پر اللہ کی شدید گرفت آئی۔ وہ آگ جو خندقوں میں دہکائی گئی تھی ایسی بھڑکی کہ اس نے پورے شہر کو لپیٹ میں لے لیا اور تمام کفار کو، اُن کے گھروں کو جلا کر بھسم کر دیا۔ بادشاہ بھاگا اور دریا میں گھسا لیکن غرقِ دریا ہو کر مر گیا۔ اُن سب کا انجام دنیا میں بھی عبرتناک ہوا اور اخروی مصیبت اور دائمی عذاب بھی گلے پڑ گیا۔ کفار کا دنیوی انجام بھی دردناک ہوا کیونکہ دنیا آخرت کا سایہ ہے، ظل ہے، پَرتو ہے۔ آخرت میں جب عذاب بھڑکتے ہیں تو دنیا میں بے چینی، بے قراری اور پریشانیاں آتی ہیں۔ ہر بندہ پریشان ہے۔ اگر وجہ پوچھیں تو کہیں گے کہ فلاں نے جادو کر دیا ہے، فلاں نے میرے خلاف سازش کی ہے، فلاں نے میرے خلاف شکایت کر دی، فلاں نے میرا کام روک دیا۔

یاد رکھیں کوئی ہم پر جادو نہیں کرتا، ہمارے خلاف سازشیں نہیں کرتا بلکہ ہم خود کرتے ہیں۔ یہ سب ہمارے کردار اور اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب ہم خود اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں اور زندگی خلافِ شریعت و سنت گزارتے ہیں تو اُن کا جو اُخروی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اس کا عکس ہماری دنیا کی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ یوں بے شمار چیزیں ہمارے خلاف کام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ صرف لوگ ہی نہیں موسم تک خلاف ہو جاتے ہیں۔ کسی سے پوچھو

کہ تمہیں کیا ہوا؟ کہتا ہے موسم بدلا ہے تو بخار ہو گیا۔ کمال ہے! موسم تو بدلتے رہتے ہیں۔ کہتا ہے، کسی نے جادو کر دیا! دراصل ہر کوئی نافرمانی کر کے خود مصیبتیں خریدتا ہے۔ اگر ہم اپنی اصلاح کر لیں، اللہ کو یاد رکھیں اپنے کردار کو سنت کے سانچے میں ڈھال لیں تو حفاظتِ الٰہیہ نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ جو بھی تکلیف آتی ہے وہ مِن جانبِ اللہ ہوتی ہے، اس میں پریشانی نہیں ہوتی بلکہ دل پر سکون اور مطمئن رہتا ہے۔ اس میں ترقیِ درجات اور تلافیِ مافات ہوتی ہے، وہ پریشان نہیں کرتی۔ بندہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی مرضی ایسا ہونا تھا اور وہ یہ نہیں سوچتا کہ کسی نے جادو کر دیا ہے یا کوئی اس کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ بندے کو اپنے آپ پر رحم کرنا چاہیے اور اللہ کی گرفت سے بچنا چاہیے، جو بہت سخت ہے۔

صفاتِ الٰہی کا احاطہ عقلِ انسانی نہیں کر سکتی:

فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ بے شک وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (زندہ) کرے گا۔

فرمایا، وہ تو ایسا قادر ہے کہ تیری بنیاد ہی اُس نے رکھی۔ تجھے خاک سے نامیاتی مادّہ پھر نطفہ، نطفے سے خون کی پھٹکی، گوشت کا لوتھڑا، ہڈیاں، گوشت پوست سے بچہ پھر بچے سے نوجوان، جوان، کڑیل انسان وہی بناتا ہے۔ جو پہلی بار بناتا ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ انسان اس پر نہ رہے کہ مر گئے، خاک ہو گئے کہ پیدا ہونے سے پہلے بھی خاک ہی تھے۔ انسان تُو پیدا ہونے سے پہلے کیا تھا؟ اگر مر کر خاک ہو گیا تو پیدا ہونے سے پہلے بھی تو تُو خاک ہی تھا۔ اللہ نے تجھے عدم سے وجود عطا کیا، پہلی بار بنایا، کچھ بھی نہیں تھا، خاک بھی نہیں تھی۔ خاک بھی تو اُس نے بنائی، اُس میں سیل (Cell) بھی اس نے ہی بنائے اور ہر فرد کا حصہ الگ الگ رکھا۔ جب سے مخلوق بن رہی ہے اور جب تک بنے گی کسی وجود کا ایک سیل (Cell) کسی دوسرے وجود نے استعمال نہیں کیا۔ جس نے اتنے کامل انتظام سے تجھے بنایا وہ دوبارہ بھی بنا لے گا۔ فرمایا: وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ اور وہ بخشنے والا محبت کرنے والا ہے۔

فرمایا، وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے۔ اُس کی مغفرت، اس کی معافی اتنی وسیع ہے کہ وہ اس کی صفت ہے۔ وہ 'الغفور' ہے ایسا بخشنے والا کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ اس کی مغفرت کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اس کی بخشش بے حد وسیع ہے۔ اور وہ: الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ محبت کرنے والا ہے فرمایا، وہ اتنی محبت کرنے والا ہے کہ کوئی اس کا ثانی نہیں۔ اُسے اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ وہ تو ایک ایک چیونٹی کی بھی حفاظت کرتا ہے، اُسے رزق پہنچاتا ہے۔ جس مخلوق کو ہم حقیر سمجھ کر پاؤں کے نیچے کچل دیتے ہیں وہ اسے کچلنے پر خوش نہیں ہے۔ وہ اسے بھی پالتا ہے، اُسے بھی گھر دیتا ہے، اولاد دیتا ہے۔ اُسے بھی اُس نے شعور دے رکھا ہے وہ تو اتنی محبت کرتا ہے۔ اس کی صفت ہے اور صفاتِ الٰہی کا احاطہ کرنا عقلِ انسانی کے بس میں نہیں ہے۔ اس کی رحمت، اس کی معافی اور اس کی محبت کی وسعتوں کو انسان جان ہی نہیں سکتا۔

فرمایا، ذُو الۡعَرۡشِ الۡمَجِيۡدُ ۝١٥ عرش کا مالک، بڑی شان والا۔

عرشِ عظیم اس کائنات کا مرکز یا سیکریٹیریٹ ہے جہاں سے ساری کائنات کا نظام چلایا جاتا ہے۔ جہاں سے کائنات کے ذرّے ذرّے پر فیصلے صادر ہوتے ہیں۔ ان فیصلوں سے ہوائیں چلتی ہیں، بارشیں برستی ہیں، کھیتیاں اُگتی ہیں، انسان پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ اس عرشِ عظیم کا بادشاہ اللہ ہے۔ اُس کا خالق اور مالک بھی وہی ہے۔ فرمایا: فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيۡدُ ۝١٦ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

فرمایا، وہ واحد ولاشریک ہے جو چاہے کرے۔ وہ کسی کے مشورے کا محتاج نہیں ہے اور کوئی اُسے حکم دے سکتا ہے نہ روک سکتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے قبضۂ قدرت سے کوئی باہر نہیں۔ فرمایا: هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ الۡجُـنُوۡدِ ۝١٧ فِرۡعَوۡنَ وَثَمُوۡدَ ۝١٨ بھلا تم کو لشکروں کا حال معلوم ہے۔ (یعنی) فرعون اور ثمود کا۔

اے مخاطب! کیا تُو نے فرعون اور ثمود کے طاقتور لشکروں کے بارے میں سُنا ہے؟ کیا تُو فرعونی طاقت کے بارے نہیں جانتا؟ اس کے پاس کتنے لاؤ لشکر، کتنی فوجی قوت تھی اور کتنی دولت، کتنی عظیم سلطنت تھی۔ عاد وثمود کو نہیں جانتا؟ کیسے قدآور اور تن آور تھے، لشکروں کے لشکر تھے کہ کوئی اُن کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ فرمایا: بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ تَكۡذِيۡبٍ ۝١٩ وَّاللّٰهُ مِنۡ وَّرَآٮِٕهِمۡ مُّحِيۡطٌ ۝٢٠ لیکن کافر تکذیب میں گرفتار ہیں۔ اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔

فرمایا، کوئی طاقتور تھا یا کمزور تھا جس نے بھی احکامِ الٰہی کی تکذیب کی انکار کیا اللہ کا حکم نہ مانا اس کا انجام یہ بتا رہا ہے کہ بالآخر اللہ کی قدرت ہر ایک کو محیط ہے۔ اس کی قدرتِ کاملہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ کیا انجام ہوا فرعون کا؟ وہ آنِ واحد میں اپنے لاؤ لشکر سمیت تباہ ہو گیا۔ کیا حشر ہوا ثمود کا؟ اُنہیں آندھیوں، طوفانوں نے آنِ واحد میں تباہ کر کے رکھ دیا۔ کتنی بڑی بڑی طاقتیں تھیں لیکن کفر کے نتیجے میں کیسے اللہ کی گرفت میں آئے۔ انہیں تباہ ہونے میں کوئی دیر لگی؟ کمال ہے! ایک کمزور انسان ہے جو ایک پڑوسی کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتا، گاؤں کے نمبردار کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک چھوٹے سے سرکاری عہدیدار سے ڈرتا ہے اس کی حکم عدولی نہیں کرتا تو پھر اللہ کی حکم عدولی کیسے کرتا ہے! جس نے اسے پیدا کیا، جس کا دیا کھاتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے، اس کی بات ماننے سے انکار کرتا ہے۔ جنہوں نے انکار کیا اُن کا انجام دیکھ لے حالانکہ وہ تو بہت طاقتور تھے، بڑے بڑے لاؤ لشکر کے مالک بادشاہ تھے۔ ان کا کیا حشر ہوا؟ وہ اللہ کے دائرہ قدرت کے اندر تھے اللہ نے جیسا چاہا ویسا سلوک کیا اور کوئی دم نہیں مار سکا۔

قرآن کی شان:

کافر جس کلام کا انکار کر رہے ہیں فرمایا: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے۔
یہ عظیم کتاب تو بار بار پڑھنے کی کتاب ہے۔ قرآن کا مطلب ہی ایسی کتاب ہے جو بار بار پڑھی جائے۔ یہ بات یاد رہے کہ بغیر دلچسپی کے کتاب نہیں پڑھی جا سکتی۔ یہ انسانی مزاج ہے کہ جب تک کسی کتاب میں کوئی نئی بات نہ ہو، نئی چیزیں سامنے نہ آئیں تو کوئی نہیں پڑھتا۔ ہم کوئی کتاب اُٹھاتے ہیں وہ خواہ کسی شعبے سے متعلق ہو، شعر و ادب کی ہو، افسانہ ہو یا سائنس کی ہو اگر اُس میں وہ سب ہو جو ہم پہلے سے ہی جانتے ہیں تو ہم اُس سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ ہمیں اُسے پڑھ کر مزا نہیں آتا کیونکہ ہمیں پہلے سے پتا ہوتا ہے۔ جب نئی نئی باتیں سامنے آتی ہیں تو پھر کتاب میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ اچھی سے اچھی نظم یا اچھے سے اچھا افسانہ یا کتاب انسان ایک بار دو بار پڑھ کر آخر چھوڑ دیتا ہے بلکہ نام دیکھ کر ہی رکھ دیتا ہے کہ یہ کتاب میں نے پڑھی ہوئی ہے۔ اُسے کھول کر اگر دیکھیں بھی تو ایک پیرا بھی نہیں پڑھتے کہ اس میں جو ہے وہ سب مجھے پتا ہے۔

فرمایا، قرآنِ کریم ایسی کتاب ہے کہ کسی کی عمر صدیوں پر بھی محیط ہو اور وہ رات دن تلاوت کرتا رہے تو ہر بار نئے لطائف نئی حقیقتیں، نئی باتیں، نئے راز کھل کر سامنے آتے ہیں اور نئی کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہر بار نئی کیفیات وارد ہوتی ہیں، نئی لذّتیں محسوس ہوتی ہیں۔ اسی لیے اسے قرآن کہتے ہیں کہ جتنی بار پڑھتے جاؤ، پڑھتے ہی چلے جاؤ اتنی بار نئی لذّت، نئی دلچسپی، نئے راز نئی حکمتیں ملتی ہیں جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ فرمایا، یہ عظیم الشان کتاب ہے جو پڑھی جائے اور بار بار پڑھی جائے۔ اسے چھوڑنے کو دل ہی نہیں کرتا، کبھی دل ہی نہیں بھرتا۔ اس میں اتنے اسرار ہیں، ایسا سمندر ہے کہ جب غوطہ لگاؤ نئے موتی، نئے جواہرات نئی دولت ہاتھ آتی ہے نئی لذّتیں، نئی کیفیات نصیب ہوتی ہیں، نئے راز کھلتے ہیں۔ اتنی قیمتی کتاب کو چھوڑ کر تم زندگی گزار دیتے ہو! اس کو پڑھتے ہو نہ سمجھتے ہو اور نہ عمل کرتے ہو۔ جو پڑھتا اور سمجھتا ہی نہیں وہ عمل کیا خاک کرے گا! عمل کی باری تب آئے گی جب پڑھو گے، سنو گے اور سمجھو گے۔ عمل کے لیے جاننا شرط ہے، جانو گے تو عمل کرو گے اور تم ہو کہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ساری زندگی کتنی چیزیں سیکھتے ہو، دنیا کمانے کے کتنے ڈھنگ سیکھتے ہو، کس کس کے در پہ جاتے ہو، کس کس کی محتاجی کرتے ہو لیکن اپنی آخرت کے لیے، اللہ کے لیے، اپنا ابدی گھر بنانے کے لیے قرآن نہیں سیکھتے! قرآن پڑھتے نہیں، سمجھتے نہیں حالانکہ یہ بڑی شان والا کلام ہے۔ فرمایا: فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا۔
یہ عظیم الشان کلام علمِ الٰہی سے لوحِ محفوظ میں نازل ہوا اور لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی نہ ہی کبھی ہوگی۔ ایسا نہیں ہے کہ دوسری بار پڑھنے سے اس میں کوئی جملے تبدیل ہوتے ہیں یا کوئی بات بدل جاتی

ہے اس لیے دلچسپی رہتی ہے۔ ہرگز نہیں! وہی حروف والفاظ ہیں، وہی آیات ہیں، وہی قرآن ہے لیکن ہر بار اس میں نئی شیرینی ہوتی ہے۔ جنت کی نعمتوں کے بارے ارشاد ہے کہ جنت کے پھلوں اور غذاؤں میں ہر بار نئی لذت ہوگی بلکہ ایک گچھے سے ایک دانہ انگور کا یا دو دانے توڑیں گے منہ میں ڈالیں گے تو جیسے ہی توڑیں گے نئے لگ جائیں گے۔ دوبارہ توڑ کر کھائیں گے تو ان کی لذت پہلے سے زیادہ ہوگی۔ ایک لقمہ روٹی کا کسی دسترخوان سے لیں گے، اس کا دوسرا لقمہ لذت میں بڑھ جائے گا یعنی ہر لحہ اس کا ذائقہ، اس کا لطف، اس کی لذت اور خوشبو بڑھتے رہیں گے۔

فرمایا، یہ بھی لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ یہ لوحِ محفوظ کا پھل ہے، میوہ ہے جتنی بار پڑھو گے لذتیں بڑھتی رہیں گی، کیفیات بڑھتی رہیں گی، علم بڑھتا رہے گا، معلومات بڑھتی رہیں گی۔ گویا کسی نے یہ بات جاننی ہو کہ جنت میں یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ ایک پھل کاٹا، اس کی ایک پھانک کھائی بڑی لذیذ تھی پھر دوسری کھائی وہ اس سے لذیذ تر نکلی۔ یہ کیسے ہوگا؟ فرمایا، یہ جاننا ہے تو قرآن پڑھ کر دیکھو۔ وہی حروف وہی آیات ہیں، وہی رکوع، وہی پارے ہیں جو ایک بار پڑھو لذت آئے گی، دوبارہ پھر پڑھنا شروع کر دو تو لذت مزید بڑھ جائے گی۔ تیسری بار پڑھو وہی جملے وہی آیات ہیں لیکن لذت مزید بڑھ جائے گی۔ جتنی بار پڑھتے جاؤ گے لذت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ تمہارے پاس یہ قرآن تو جنت کے پھلوں کا بیج ہے۔ جنت کی لذتوں کی بنیاد ہے۔ اسی پر سارے پھل لگیں گے۔ اسے پڑھو، اسے سمجھو، اسے اپناؤ تو سمجھ لو کہ تم جنت میں بس رہے ہو۔ یہ زندگی سے دکھوں کو خارج کر دیتا ہے۔

لمحہ فکریہ:

ہم بڑا دعویٰ کرتے ہیں، دن مناتے ہیں، شور کرتے ہیں محبت الٰہی کا اور محبت وعقیدتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ فارسی شاعر نے محبت کی ایک مثال دی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود

گفت ایں سگ گاہے گاہے کوئے لیلیٰ رفتہ بود

شاعر کہتا ہے کہ مجنوں نے کتے کے پاؤں چوم لیے تو لوگوں نے کہا کہ یہ پاگل ہے اور یہ کیا پاگل پن ہے کہ کتے کے پاؤں چوم رہا ہے! تو مجنوں نے کہا کہ یہ کتا کبھی کبھی لیلیٰ کی گلی سے گزرتا ہے۔ اب یہ افسانہ سہی شاعرانہ تعلی سہی لیکن محبت کی ایک مثال ضرور ہے۔ ہم کیا محبت کرتے ہیں؟ شکلیں اور حلیے ہمارے نصرانیوں جیسے ہیں، رسمیں ہماری ہندوؤں جیسی، رواجات کافروں جیسے، معیشت غیر اسلامی، نظامِ سلطنت کافرانہ عدالت، سیاست غیر اسلامی اور دعویٰ مسلمانی کا ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ہے! ہم اپنے آپ سے جھوٹ بول رہے ہیں، خود فریبی

میں مبتلا ہیں۔ ہم اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ جو کام بڑے بڑے کفار نے کیے اور جو عہدِ حاضر کے کفار کرتے ہیں شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمان سے وہ کام کرائے جائیں۔ ذونواس کی طرح ہمارے اربابِ اختیار بھی نجومیوں اور کاہنوں سے روزانہ مشورے لے کر حکومت چلاتے ہیں۔ سب نے اپنے اپنے نجومی رکھے ہوئے ہیں۔ ہم تاریک راہوں میں مارے جا رہے ہیں، بازاروں میں قتل ہو رہے ہیں۔ مساجد میں بم پھٹ رہے ہیں۔ دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے اعلان کیے جاتے ہیں لیکن یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کی جڑ تو ہمارا کردار ہے، ہمارا آئین و دستور ہے، ہمارا طرزِ حکمرانی ہے۔ ہر جگہ ظلم ہے تو ظلم کے نتیجے میں دہشت گردی نہیں ہوگی تو کیا امن ہوگا؟ جب تک ہم اپنے سارے نظام کو اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں نہیں ڈھالتے کسی امن، کسی سکون کی تمنا کرنا جہالت ہے۔ وہ نہ اس دنیا میں ملے گا نہ اُس دنیا میں ملے گا۔ دنیا میں تو اُخروی عذاب کی ہلکی سی جھلک آتی ہے۔ جیسے یہاں اُن لوگوں کو خندقوں کی آگ نے جلایا، وہاں دوزخ میں جائیں گے تو پتا چلے گا آگ کسے کہتے ہیں! یہاں ذونواس غرقِ دریا ہوا لیکن نکلے گا جہنم میں جا کر، اس لیے کہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ بے شک تمہارے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے۔

گزارش یہ ہے کہ حکومت تو ہمارے بس میں نہیں ہے، ہماری بات نہیں مانتی۔ یہ بھی عذرِ شرعی ہو گیا کہ ہمارا اس پر بس نہیں لیکن ہمارا اپنا آپ تو ہمارے بس میں ہے۔ کیا ہمارا کردار اسلامی ہے؟ کیا ہمارا حلیہ، ہمارے معاملات، لین دین، ہمارے تعلقات شریعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہیں؟ ہمیں چاہیے کہ کم از کم جہاں تک ہمارا بس چلتا ہے ہم اپنے معاملات تو اسلام کے سانچے میں ڈھال لیں پھر دیکھیں اللہ ہم سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ سارے گناہ معاف کر کے ہم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔

سورۃ الطارق رکوع 1 آیات 1 تا 17

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝٢ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝٣
اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ ۝٤ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥
خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝٦ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآىِٕبِ ۝٧ اِنَّهٗ عَلٰى
رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝٨ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ ۝٩ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝١٠
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝١١ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝١٢ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ
فَصْلٌ ۝١٣ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝١٤ اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا ۝١٥ وَّاَكِیْدُ كَیْدًا ۝١٦
فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا ۝١٧

آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی ﴿١﴾ اور تم کو کیا خبر کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ﴿٢﴾ وہ تارا ہے چمکنے والا ﴿٣﴾ کہ ہر متنفس پر نگہبان مقرر ہے ﴿٤﴾ تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ﴿٥﴾ وہ اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ﴿٦﴾ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے ﴿٧﴾ بے شک وہ (اللہ) اُسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے ﴿٨﴾ جس دن پوشیدہ باتیں جانی جائیں گی ﴿٩﴾ تو اس کا کوئی بس نہ چل سکے گا اور نہ (اس کا) کوئی مددگار ہوگا ﴿١٠﴾ قسم ہے آسمان کی جو مینہ برساتا ہے ﴿١١﴾ اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے ﴿١٢﴾ یقیناً یہ بات (قرآن) فیصل کرنے والی ہے ﴿١٣﴾ اور یہ فضول بات نہیں ہے ﴿١٤﴾ بے شک یہ لوگ اپنی تدبیروں میں لگ رہے ہیں ﴿١٥﴾ اور میں اپنی تدبیر کر رہا ہوں ﴿١٦﴾ پس کافروں کو مہلت دو بس چند روز مہلت دو ﴿١٧﴾

تفسیر و معارف

سورۂ طارق شروع ہوتی ہے۔ یہ سورت بھی مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔

نظامِ کائنات کی بے ثباتی پر گواہ:

فرمایا: وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی۔

فرمایا، آسمان کی قسم ہے یعنی مرورِ زمانہ پر یہ بوڑھا آسمان بھی گواہ ہے۔ انقلاباتِ زمانہ کا چشم دید گواہ ہے۔ اس کائناتِ بسیط میں، فضائے آسمانی میں کتنی چیزیں آتی ہیں اپنی بہار دکھاتی ہیں، چلی جاتی ہیں۔ یہ آسماں، زندگی کے آنے اور جانے کے کتنے تماشے دیکھتا ہے! وَالطَّارِقِ ① اور رات کو آنے والے کی قسم یعنی اُن ستاروں کی قسم جو رات کو چمکتے ہیں۔ جو تاریکی میں ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا میں آنے اور جانے کے گواہ ہیں کہ کس طرح شبِ تار ہوتی ہے تو ستارے روشن ہو جاتے ہیں۔ جب فجر طلوع ہونے لگتی ہے تو ماند پڑنے لگتے ہیں پھر سورج طلوع ہوتا ہے تو کوئی ستارا نظر نہیں آتا۔ فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ اور تم کو کیا خبر رات کو آنے والا کیا ہے؟ وہ تارا ہے چمکنے والا۔

اے مخاطب! کیا تو جانتا ہے یہ ستارا کیا ہے؟ یہ چمکنے والا تارا ہے کہ جب رات ہوتی ہے تو چاند ہو نہ ہو ایک حد تک ستارے بھی رات کو روشن کر دیتے ہیں۔ یہ راتوں میں سمت متعین کرتے ہیں اور مسافروں کو راہ دکھاتے ہیں۔ ستارے رات کی تاریکی میں پوری آب و تاب سے چمک رہے ہوتے ہیں لیکن طلوعِ فجر کے ساتھ مدھم پڑنا شروع ہو جاتے ہیں اور طلوعِ آفتاب کے ساتھ غائب ہو جاتے ہیں۔ گویا اس نظامِ کائنات کی بے ثباتی پر یہ روزانہ گواہی دیتے ہیں کہ یہاں جو آتا ہے، جانا اُس کا مقدر ہے۔

ہر متنفس پر محافظ فرشتے مقرر ہیں:

آسمان کا وجود اس بات کا گواہ ہے کہ اسے حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہے کہ یہ جب سے بنا ہے اس میں کوئی کمی، خامی نہیں آئی۔ اس میں شگاف پڑا ہے نہ کوئی دراڑ آئی ہے اور نہ ہی مرمت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ اسے اللہ کی حفاظت حاصل ہے۔ یہ ستارے بھی گواہ ہیں کہ وہ ربِ کریم جب چاہتا ہے انہیں روشن کر دیتا ہے، جب چاہتا ہے یہ غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح فرمایا: اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ④ کہ ہر متنفس پر نگہبان مقرر ہیں۔

فرمایا، ہر وجود پر، ہر جان پر اللہ کے محافظ مقرر ہیں۔ مفسرینِ کرام نے اس آیہء مبارکہ پر بہت تفاسیر لکھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک تو وہ محافظ ہیں جنہیں کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔ جو ہر وقت ساتھ رہتے ہیں اور بندے کے اعمال لکھتے ہیں۔ ہر حرکت وسکون، ہر بات، ہر عمل، ہمہ وقت تحریر کرتے جا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اس کے ساتھ وہ محافظ فرشتے ہیں جو اس کے وجود کے ایک ایک جزو کو اور اُس کی حرکت کو قائم رکھتے ہیں۔ ہر وجود کے ساتھ متعدد ملائکہ ہیں جو اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور اس کی مشینری کو چلاتے ہیں۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ کارخانے میں مشینیں (MACHINES) لگی ہوتی ہیں لیکن انہیں چلانے کے لیے آپریٹر (OPERATOR) ہوتے ہیں جو انہیں چلاتے ہیں۔ کہیں خرابی آتی ہے تو ٹھیک کرتے ہیں تو انسانی وجود تو اتنی گنجلک مشین ہے، اتنی (COMPLICTED) ہے کہ اس کے ایک ایک جزو کو چلانا پڑتا ہے اور اس پر اللہ کے فرشتے مقرر ہیں۔ اگر کسی کو کوئی بیماری آتی ہے یا کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو وہاں مامور محافظین کو منِ جانب اللہ ارشاد ہوتا ہے کہ کام آہستہ کر دو یا روک دو یا یہاں سے حادثہ آنے دو، یہاں سے اس کی حفاظت کرو۔ گویا ہمارا تو لمحہ لمحہ ذاتِ باری کی نگرانی میں بسر ہو رہا ہے۔ ہم اس کا ادراک کریں یا نہ کریں! وہ ذاتِ کریم ایسی ہے کہ اُن وجودوں کے ذرّے ذرّے کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو اس کو مانتے ہی نہیں، جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں، اُن کی بھی حفاظت فرماتا ہے جب تک ان کی زندگی ہے۔ وہ ربّ ہے، پروردگار ہے، پالنہار ہے۔ وہ خالق ہے اور اپنی مخلوق کی حفاظت فرماتا ہے۔ جس طرح ہر انسان کو اللہ کریم اپنی مرضی سے پیدا فرماتا ہے۔ اُسے شکل، قد کاٹھ، عقل، شعور، استعداد، لیاقت، قابلیت، دل ودماغ ساری قوتیں اپنی مرضی سے عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ چاہتے تو یہ سب قوتیں اللہ کریم کی مرضی کے مطابق کام بھی کرتیں لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ اتنی نعمتیں عطا کر کے انسان کو ایک خاص شعور بخشا کہ وہ ذاتِ باری کو، اُس کی عظمت کو اپنی استعداد کے مطابق پہچان سکے۔ یہ انعام عطا کر کے اب انسان پر چھوڑ دیا کہ وہ اس استعداد کو کام میں لاتا ہے یا نہیں! اس استعداد کو بروئے کار لانے کے لیے، روشن کرنے کے لیے صاف رکھنے کے لیے غبار سے بچانے کے لیے، اُس نے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قلوب انوارات وتجلیات سے روشن کر دیے اور انسان کو دعوت دی کہ آؤ اپنے دلوں کو اِنؑ کے قدموں میں نچھاور کرو۔ تمہارے سینے بھی منور ہو جائیں، تمہارے دل بھی روشن ہو جائیں اور تمہاری یہ استعداد اپنے کمال کو پہنچے اور تم عظمتِ الٰہی سے آشنا ہو جاؤ۔ معرفتِ الٰہی کی استعداد کا جب اتنا بڑا انعام دیا تو ساتھ اتنا بڑا ہی امتحان بھی رکھ دیا۔ چونکہ یہ اضطراری نہیں، اس کے لیے انسان کو مجبور نہیں کیا۔ اگر مجبور کر دیا جاتا تو پھر اس میں کیا کمال ہوتا؟ مجبوراً تو انسان پیدا ہوتا ہے، مجبوراً مر جاتا ہے، مجبوراً بیمار ہوتا ہے، مجبوراً

صحت پالیتا ہے۔ قد کاٹھ، شکل حلیہ ان سب میں مجبور ہے گویا ساری زندگی تو مجبوری سے ہے لیکن معرفتِ الٰہی کی استعداد دے کر انسان کو مجبور نہیں کیا گیا۔ جو اس حقیقت کو نہیں سمجھے تو اس شعر میں غالب نے کہا تھا:

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی

چاہے جو سو آپ کریں ہے ہم کو عبث بدنام کیا

شاعر کہتا ہے کہ ہماری کیا خود مختاری ہے کہ پیدا اپنے اختیار سے ہوئے نہ مرنے پر اختیار ہے۔ شکل بنانے پر اختیار ہے نہ قد کاٹھ، عقل و شعور بنانے پر اور رزق پر اختیار ہے نہ صحت بیماری پر تو پھر کیا اختیار ہے؟

جن لوگوں نے لیکن حقیقت کو سمجھا انہوں نے جانا کہ اللہ نے ان معمولی چیزوں پر اختیار نہیں دیا کہ یہ ساری چیزیں مخلوق ہیں اور خالق کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن اس نے معرفتِ حق کا اختیار دے دیا۔ انسان کی حیثیت ہی کیا ہے کہ ایک ذرّۂ بے مقدار ہے، ذرّاتِ خاکی ہے لیکن اُسے عالمِ امر کی روح عطا کر دی اور اُسے معرفتِ الٰہی کی استعداد بخشی۔ ساری مخلوق میں صرف انسان کو یہ استعداد بخشی گئی ہے۔ جنات کو آگ سے پیدا کیا لیکن انہیں بھی معرفتِ حق کی استعداد نہیں دی۔ جنات میں نبوت نہیں ہے اور چونکہ نبوت نہیں ہے تو ولایت بھی نہیں ہے۔ جن نیک ہو سکتے ہیں اور اتباعِ شریعت کے مکلف ہیں۔ انسانوں کی شریعت کا اتباع کرنے کے مکلّف ہیں کیونکہ اُن کی اپنی کوئی شریعت نہیں ہے۔ شیطان نے آگ سے پیدا کیے جانے پر ہی تو فخر کیا تھا کہ اس کے مقابلے میں مٹی کی کیا حیثیت ہے۔ مٹی پر تو لوگ غلاظتیں پھینکتے ہیں، پاؤں کے نیچے روندتے ہیں۔ اس مٹی سے آپ نے پتلا بنایا اور مجھے آگ سے بنایا ہے۔ آگ کا شعلہ تو بلندی کی طرف جاتا ہے، اور اگر آگ کے کوئی قریب آئے تو جلا کے بھسم کر دیتی ہے۔ کہنے لگا: قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ (ص:76) کہنے لگا، میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور اسے مٹی سے پیدا فرمایا۔

شیطان نے انسان کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ مٹی کا پتلا ہے۔ پھر فرشتے ہیں جو نوری مخلوق ہیں، حکم کے تابعدار ہیں لیکن حاکم کی طرف نگاہ نہیں اٹھا سکتے۔ فرشتے ذاتِ باری سے براہ راست حکم لیتے ہیں۔ احکامِ الٰہی آتے ہیں تو لرز جاتے ہیں۔

پوچھتے ہیں کہ کیا ارشاد ہوا؟ مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ (سبا:23) ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ حق فرمایا۔

فرشتے کہتے ہیں کہ جو ارشاد ہوا وہ حق ہے لیکن جس نے حکم دیا وہ کیسا ہے، یہ اُن کی جرأت نہیں ہے۔ وطنِ عزیز میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں ہیں، نور ہیں تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ

گھٹاتے ہیں۔ نوری مخلوق کو جرأت نہیں کہ جمالِ باری کا تذکرہ کرے، معرفتِ باری کی بات کرے۔ یہ استعداد صرف انسان جسے بشر کہتے ہیں اُسے عطا کی گئی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ امانت انسان کو ایسے ہی نہیں دے دی کہ صرف اسی کو دے دی بلکہ اس بارِ امانت کو زمین و آسمان کی ساری مخلوق پر پیش کیا اور کہا کہ کسی میں جرأت ہے تو یہ بوجھ اُٹھا لو۔ سب نے معافی مانگ لی، معذرت کر لی کہ یا اللہ ہم سے یہ بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ فرمایا: وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب:72) اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا بے شک وہ غلط کار (اور) بے علم تھا۔ انسان نے یہ بارِ امانت اُٹھالیا کیونکہ وہ جلد باز بھی ہے اور سوچتا بھی کم ہے۔ یہ ذمہ داری اٹھا تو لی اب اسے یہ شعور نہیں کہ وہ ذمہ داری پوری کیسے کرے، وہ بھول گیا۔ اللہ کریم نے جتنی بڑی یہ نعمت دی اتنا ہی بڑا مقابلہ بھی رکھ دیا اور دنیا بنادی۔ انسانی وجود کو مٹی، آگ، پانی اور ہوا سے بنایا اور مادّی ضرورتیں اور خواہشات رکھ دیں۔ اس میں مادّی لذات کی شناسائی رکھی اور بہت خوبصورت دنیا بنادی۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا بری ہے، وہ غلط کہتے ہیں۔ دنیا بنانے والے نے اسے اتنا خوبصورت بنایا ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ سائنسدان تحقیقات کرتے کرتے تھک گئے ہیں لیکن اس زمین کے راز ہی پورے نہیں ہوتے، نت نئے بھید کھلتے رہتے ہیں۔

انسانی دماغ میں تحقیقات کی کتنی مزید طاقت ہے، یہ مزید کتنی تحقیق کرے گا؟ یہ کوئی نہیں جانتا کہ کائنات کے کتنے بھید باقی ہیں جو مزید دماغی استعداد استعمال ہونے پر کھلیں گے۔

اللہ نے اس دنیا میں اتنا حسن سمو دیا، اسے اتنا خوبصورت اور لذیذ بنایا کہ اب یہ دنیا جمالِ باری سے مقابلہ کر رہی ہے۔ انسان جلد باز ہے، بھاگ پڑتا ہے اور جمالِ باری کو چھوڑ کر دنیا سے لپٹ جاتا ہے۔ یہی بات یہاں بتائی جارہی ہے کہ ہم تو تمہارے ایک ایک سیل (CELL) کی حفاظت کر رہے ہیں۔ تمہارے وجود پر کتنے محافظ مقرر کر رکھے ہیں۔ ایک ایک انسان کے لیے ہم نے کتنے فرشتے مقرر کر دیے ہیں اور انسان ہے کہ ان احسانات کو یاد نہیں کرتا۔

آج سائنس کہتی ہے کہ ایک انسانی وجود میں 10 کھرب سیل (CELL) ہیں۔ ربّ کریم ذرّاتِ خاکی کو کہیں پھلوں کی شکل دیتا ہے، کہیں اناج کی، کہیں دواؤں کی، کہیں غذاؤں کی شکل دیتا ہے۔ کہیں گھاس بنتی ہے، کوئی جانور چرتا ہے اُس کا گوشت بنتا ہے، دودھ بنتا ہے۔ کہیں جنگل میں کہیں ہرن چرتا ہے پھر اُسے کوئی شکار کر لیتا ہے۔ ہر کوئی صرف اپنے وجود کے حصّے کے سیل (CELL) حاصل کرتا ہے کسی دوسرے کا حصّہ نہیں کھاتا۔ کہاں کہاں سے ایک وجودِ انسانی کے سیل جمع فرماتا ہے۔ سائنس کہتی ہے کہ ہر چھ مہینے میں سارے سیل مرجاتے ہیں اور نئے آجاتے ہیں۔ جو سیل پیدا ہوتا ہے وہ اپنے جیسا ایک اور سیل بنانا شروع کر دیتا ہے۔ جب دوسرا مکمل ہو جاتا ہے تو پہلا گر جاتا

ہے، مرجاتا ہے۔ جہاں سے بندہ گزرتا ہے، جہاں جہاں بیٹھتا ہے، چلتا ہے وہ سیل جھڑتے رہتے ہیں اور اُن میں اُس کے وجود کی بُو ہوتی ہے۔ سراغ رساں کتے اُن سیلوں سے بندے کو تلاش کر لیتے ہیں۔ لاکھوں سیل (CELL) ہر لمحے مر رہے ہیں، لاکھوں نئے پیدا ہو رہے ہیں اور روئے زمین پر انسانی آبادی سات ارب کے لگ بھگ ہے۔ گویا کھربوں سیل ہر لحہ بن رہے اور جھڑ رہے ہیں۔ اس پر کتنے فرشتے لگائے گئے ہوں گے! کتنے فرشتے سیل بنا بنا کر لگا رہے ہیں اور کتنے فرشتے پرانے اٹھا اٹھا کر پھینک رہے ہیں۔ کتنا کام ہو رہا ہے! مسلسل تعمیر ہو رہی ہے۔ ذرا اندازہ کریں کہ ایک عمارت ایسی ہو جس میں دس کھرب اینٹیں لگی ہوں اور حکم یہ ہو کہ چھ مہینے میں تمام اینٹیں بدل کر نئی لگا دی جائیں لیکن اس کی شکل سلامت رہے، چمک دمک قائم رہے، حسن بھی نہ بگڑے رنگ خراب نہ ہو۔ اس کام کے لیے کتنے مزدور، کتنے کاریگر اور کتنی ٹیکنالوجی درکار ہو گی؟ انسان یہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ کام اللہ کریم ہی کو سزاوار ہے کہ چھ ماہ میں دس کھرب سیل بدل جائیں اور بندہ ویسے کا ویسا رہے۔ سائنس یہ بھی بتاتی ہے جس کا قد بڑا ہو اس کے سیلوں کا SIZE بڑا ہوتا ہے جبکہ چھوٹے قد والے کے سیلوں کا SIZE چھوٹا ہوتا ہے لیکن تعداد دس کھرب ہی ہوتی ہے۔ ہر سیل میں انسان کی پوری زندگی کی داستان درج ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ بھی پتا چلایا جا سکتا ہے کہ کس عمر میں کس لمحے اس کا کون سا بال سفید ہو گا، یہ کب بیمار ہو گا، وغیرہ۔ یہ سب ہر سیل میں درج ہے۔ فرشتے جو لکھنے پر مامور ہیں، وہ تو لکھ ہی رہے ہیں اور جو ہونا ہے اُس کی دس کھرب کتابیں خود اس کے اندر موجود ہیں۔ جو سب کچھ طے شدہ ہے اس کی فکر میں تو ہم گھلے جاتے ہیں اور جو ابھی طے کرنا باقی ہے اس سے ہم بے فکر ہیں۔ وہ جو طے کرنا ابھی باقی ہے وہ اللہ کریم نے ہمارے کردار پر رکھا ہے کہ ہم کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ فرمایا: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الانسان:3) بے شک ہم نے اسے راہ بھی دکھا دی۔ چاہے تو شکر ادا کرے چاہے تو ناشکرا ہو۔

انسان کو بتا دیا کہ یہ شکر کی راہ ہے اور یہ ناشکری کی ہے، یہ دو ہی راستے ہیں اور انتخاب تیرا ہے۔ جو جس راہ پر چلے گا جب وہاں منزل پر پہنچے گا تو پتا چلے گا کہ گلشن میں پہنچا یا صحرا میں جا پہنچا۔ سو انسان پر اللہ کے کتنے احسانات ہیں ایک ایک جان پر کتنے فرشتے مقرر ہیں کتنے محافظ ہیں لیکن انسان اللہ کے احسانات بھول جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میری زندگی ہے۔ میں جیسے چاہوں بسر کروں۔ میرا مال ہے جیسے چاہوں کماؤں جہاں چاہوں خرچ کروں۔ میں کسی کو مانوں نہ مانوں میری مرضی، میری بھی ایک حیثیت ہے۔

انسان! تیری حیثیت کیا ہے!

فرمایا: فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

فرمایا، اے انسان! تُو اپنی پیدائش کو ہی دیکھ لے۔ ہم نے تجھے کس چیز سے پیدا کیا۔ تیری حیثیت کیا ہے، تو ہے کیا؟ ذراتِ خاکی کو کہاں کہاں سے لے کر کیسے تجھے پیدا کیا۔ کبھی انسان بیٹھ کر سوچے کہ اُسے کس طرح پیدا کیا گیا، اس کی اصلیت کیا ہے؟ فرمایا: خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

فرمایا، تیری اصلیت یہ ہے کہ تجھے اچھلتے ہوئے پانی یعنی مَنی کے ایک قطرے سے پیدا کیا ہے۔ وہ پانی ایسا ہے کہ خارج ہوتا ہے تو غسل واجب ہو جاتا ہے کپڑے سے لگتا ہے تو کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے، ہاتھ سے لگ جائے تو ہاتھ ناپاک ہو جاتا ہے۔ تیری حیثیت کیا ہے؟ تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ کس برتے پر اکڑتا ہے؟ تیری زندگی، تیری مرضی؟ اُس کی کوئی مرضی نہیں جس نے تجھے اس قطرے سے انسان بنا دیا؟ جس کی بارگاہ میں تجھے واپس جا کر حاضر ہونا ہے، حساب دینا ہے۔ اُس کو بُھولا ہوا ہے؟ انسان کو غور کرنا چاہیے کہ اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا۔ اُسے اچھلتے ہوئے پانی کے ایک قطرے سے بنایا۔ اللہ نے انسان کو علم دیا، عقل و شعور دیا اور اسے یہ راز سمجھنے کی توفیق دی۔ قرآن نے صدیوں پہلے یہ بتا دیا کہ نطفہ صرف اس مَنی سے قرار پاتا ہے جو قدرتی طور پر اچھل کر نکلے۔ اگر بندے کو ایسی بیماری ہو جائے مثلاً جریان جس میں پیشاب میں مَنی آنے لگ جائے تو اس مَنی سے نطفہ قرار نہیں پاتا۔ یہ کتنے بھید رکھے ہیں اللہ کریم نے اور قرآن نے کتنی باریکیاں بتائی ہیں۔ پندرہ سو سال بعد سائنس کی سمجھ میں کوئی بات آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ تحقیق کی۔ یہ تو پندرہ سو سال پہلے پتا تھا، انہوں نے آج پتا لگا لیا۔ فرمایا، انسان کو اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا جو: یَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ وَ التَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ جو پیٹھ اور سینے میں سے نکلتا ہے۔

فرمایا، اُس قطرے کو ذراتِ خاکی سے مختلف غذاؤں اور دواؤں کا روپ دے کر تیرے والدین تک پہنچایا لیکن اُن کے وجود کا حصہ نہیں بننے دیا۔ وہی سیل اُن کے پشت اور سینے سے کشید کر کے نطفہ بنایا۔ یہ کتنا طویل مرحلہ ہے جس سے گزار کر انسان کو پیدا کیا۔ مٹی سے سیل بنے سیلوں سے غذا بنی، دوا بنی، کیا کیا روپ بنے، کہیں مٹھائی بنی، کہیں سالن بنا، کہیں جانور کا گوشت بنا، کہیں دودھ بنا۔ ایک گھاس ہے اس میں کس کس بندے کے سیل ہیں! کون کون سا جانور اُسے کھائے گا اور پھر اس کا دودھ یا گوشت کس کس تک جائے گا۔ پھر وہ باپ کے صلب میں جائیں گے اور وہاں محفوظ ہوں جائیں گے، باپ کے وجود کا حصہ نہیں بنیں گے یا ماں کے سینے سے نکلیں گے۔ ماں غذا کھاتی ہے تو اس کے سینے میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ ماں، باپ کے وجودوں سے کشید کر کے ایک نطفہ بنا، پھر پیٹ میں بچہ بنے گا، پھر پیدا ہوگا۔ پھر جوان ہوگا طاقت، قوت، جوانی آئے گی۔ پھر انسان ہے کہ انانیت میں مبتلا ہو کر مَیں، مَیں کرتا

ہے لیکن پھر جب بوڑھا ہوگا تو دیواروں کا سہارا لے کر چلتا ہوگا، دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلے گا پھر مر جائے گا۔ یہ اتنا مضبوط نظام ہے کہ ہر بندہ اپنے حصّے کا رزق کھا کر مرتا ہے کسی دوسرے کے حصّے کا ایک ذرہ بھی نہیں کھا سکتا۔ آج تک جتنی مخلوق گزر چکی اگر ہر بندہ کسی دوسرے کے حصّے کے چند دانے بھی کھا جاتا تو زمین سے انسانی غذا ختم ہو چکی ہوتی۔ اسی طرح اگر ہر بندہ اپنے حصّے کے چند دانے چھوڑ کر مرتا تو آج زمین پر اناج کے انبار لگے ہوتے۔ کوئی لوٹ مار سے، رشوت سے کتنی بھی دولت جمع کر لے، کھائے گا وہی جو اس کا حصّہ ہے باقی چھوڑ کر مر جائے گا۔ انسان دھکے کھاتا ہوا ایک دن مر جاتا ہے اور اسے قبر میں پھینک دیا جاتا ہے تو یہ جو تھوڑا سا عرصہ ہے اس میں وہ اللہ کی اطاعت نہیں کر سکتا؟ اس کا خیال ہے کہ اسے کوئی دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ فرمایا: اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ بے شک وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

انسان مر کر اتنا منتشر نہیں ہوتا جتنا پیدائش سے پہلے تھا۔ مر کر تو اس کے وجود کے ذرّات اتنے نہیں بکھرتے تو جس نے اتنے مراحل سے گزار کر پہلے پیدا کیا، اُس کے لیے اِس ڈھیری کو دوبارہ کھڑا کرنا کیا مشکل ہے؟ مر کر اگر کسی کے خاکی ذرّات آگ میں جلیں یا ہوا میں اڑ جائیں پھر بھی اتنے نہیں بکھریں گے جتنے پیدائش سے پہلے تھے تو اُس قادر کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ انسان اپنی پہلی پیدائش کو دیکھے اس کا طریقہ سلیقہ دیکھے تو پھر اسے پتا چل جائے گا کہ بلاشبہ وہ اسے دوبارہ بنانے پر قادر ہے۔ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ فرمایا: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ ''جس دن پوشیدہ باتیں جانی جائیں گی۔ تو اس کا کوئی بس نہ چل سکے گا اور نہ (اس کا) کوئی مددگار ہوگا۔'' فرمایا، ایک دن آرہا ہے جب سارے بھید کھل جائیں گے ہر راز افشا ہو جائے گا۔ قیامت کے روز ہر بات سامنے آجائے گی۔ تمام چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ ہر کوئی کھلی کتاب کی طرح سامنے آجائے گا۔ دنیا میں انسان جو بھی کر لے، چھپ کر کر لے، رات کی تاریکی میں کر لے، سازشیں کر کے اقتدار حاصل کر لے، پردے میں بیٹھ کر رشوت لے لے، جھوٹ بول لے، سفید پوشی بنائے رکھے مولوی کا روپ دھار لے، پیر کا روپ دھار لے اور لوگوں سے پیسے بٹور کے کھاتا رہے لیکن قیامت کے دن سب چیزیں سامنے آجائیں گی۔ اُس دن کسی کا کوئی بس نہ چلے گا اور نہ ہی کوئی اس کی مدد کر سکے گا۔ انسان کو جو فرصت اور اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے تو شکر کرے، چاہے تو ناشکری کرے لیکن وہ وقت اب گزر گیا۔ اب اُس کا کوئی بس نہیں چلے گا کہ اب فیصلے اللہ کریم فرمائیں گے۔ جو کچھ اس نے دنیا سے خریدا وہ اُس کے سامنے آجائے گا۔ آخرت حقیقت ہے، ابدی اور دائمی ہے، دنیا عارضی، وقتی ہے تو دونوں اس طرح ہیں کہ آخرت اگر دیوار ہے تو دنیا اس کا سایہ ہے۔ جو سایہ یا ظِل ہوتا ہے وہ اصل کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر دیوار بلند ہے تو سایہ بھی اتنا ہی بلند ہوتا ہے۔

اگر دیوار چھوٹی ہے تو سایہ بھی چھوٹا ہوگا یعنی اصل کے اثرات سائے میں موجود ہوتے ہیں۔ اگر کسی کی عاقبت سدھر رہی ہے تو دنیا میں بھی وہ پر سکون ہوتا ہے، مزے میں رہتا ہے لیکن اگر آخرت بگڑ رہی ہے تو دنیا میں بھی دکھی ہو جاتا ہے۔ قیامت کو تو بھید کھلیں گے ہی، دنیا میں بھی اس کا احترام نہیں رہتا۔ آخرت کا عکس پڑ رہا ہوتا ہے۔ اس زندگی میں ہم جو جھوٹ بولتے ہیں، ظلم کرتے ہیں دوسروں کے حقوق ضائع کرتے ہیں تو اس پر جو آخرت میں ہمارے لیے مصیبتیں بن رہی ہیں، اُن کا سایہ یہاں پڑتا ہے۔ لوگوں نے دولت کے انبار لگا لیے کروڑوں روپے ہیں، بینک بھرے ہوئے ہیں، باہر کے ملکوں میں بھی دولت ہے لیکن حال پوچھیں تو کہتے ہیں مر گئے، بڑی مشکل میں ہیں۔ اُن کا گھر اگر چہ طرح طرح کے کھانوں سے بھرا ہوا ہو لیکن مرض ایسے لگ گئے کہ کھا نہیں سکتے۔ یہ کیا مصیبت ہے؟ ان کے کتے پراٹھے کھا رہے ہیں لیکن یہ خود سوکھی روٹی بھی نہیں کھا سکتے۔ ان کے گھوڑے مربے کھا رہے ہیں اور یہ ایک چمچ مکھن کا بھی نہیں کھا سکتے۔ یہ کیا ہے؟ یہ اعمال کی جزا ہے اور آخرت کا ہلکا سا عکس ہے۔ اکثر لوگ ملنے آتے ہیں اور حال پوچھو تو یہی کہتے ہیں کہ گھر میں سب بیمار ہیں۔ کسی نے کاروبار کی بندش کر دی، کسی نے جادو کر دیا وغیرہ۔ میں اُن سے عرض کرتا ہوں کہ کسی نے کچھ نہیں کیا، جو کچھ کیا ہے تم نے خود کیا ہے۔ کمائی کا پوچھو کہ حلال ہے تو کہتے ہیں بینک سے سود لے لیتے ہیں۔ پھر تکلیف کے لیے اور کیا چاہیے؟ جب حرام کھائیں گے تو بیمار ہیں تو ہوتے رہیں۔ مردار کھا رہے ہیں تو بیمار تو ہوں گے پھر کسی نے کیا جادو کرنا ہے، جب خود مردار کھا رہے ہیں؟ ان سے پوچھو کہ اللہ کی عبادات میں فرائض پورے ہیں؟ کہتے ہیں بس جی سستی ہو جاتی ہے۔ اُدھر جو عمل پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے اُس میں سستی نہیں ہوتی۔ اگر زہر کھا لو اور کہو کہ بھول ہو گئی لیکن اُس کا نتیجہ مرتب کرنے والے بھول نہیں کریں گے۔ تم مرو گے اور وہ یہ نہیں کہیں گے کہ اسے بچ جانے دو کہ اس نے بھول کر کھا لیا ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے، فرمایا: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (النحل: 33) ''اور اللہ نے ان پر زیادتی نہیں کی ولیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے''۔ اس کا علاج یہ ہے کہ کھانا حلال کر لو، عقیدہ درست کر لو، اللہ کو واحد و لاشریک مانو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لو، قیامت پر ایمان لے آؤ، اللہ کو یاد کرو، فرائض ادا کرو۔ پھر بیماری بھی آئی تو تمہیں اس میں راحت ملے گی، تکلیف نہیں ہو گی اور تم کسی کے سامنے شکایت نہیں کرو گے۔ تم سمجھو گے کہ یہ بھی مالک کا تحفہ ہے۔ اصل بات تو تعلق کی ہوتی ہے تو جن کا اللہ سے تعلق ہوتا ہے، ایمان قائم ہوتا ہے، اللہ کو یاد رکھتے ہیں، حلال کھاتے ہیں، وہ مصیبت میں بھی مطمئن رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں برسوں صحت کا مزہ اٹھایا اگر دو دن بخار ہو گیا تو کیا ہوا! یہ اللہ نے اس لیے بھیجا ہے کہ یہ میرے لیے ضروری ہو گا، کچھ گناہ جھڑ جائیں گے، خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ لیکن اگر اللہ

سے تعلق بگڑ جائے تو صحت صحیح بھی ہو تو پھر بھی نیند نہیں آتی، بھوک نہیں لگتی اور پریشانیاں نہیں چھوڑتیں۔ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد میں بے پروائی نہ کرے کہ یقیناً اللہ اُسے دوبارہ زندہ کریں گے اور اس دن سارے بھید کھل جائیں گے۔ اس دن کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا نہ ہی خود کسی میں کوئی طاقت ہوگی۔

آسمان اور زمین کا نظام:

کائنات کا نظام بھی اس بات پر گواہ ہے کہ انسان کو پھر زندہ ہونا ہے۔ فرمایا: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ قسم ہے آسمان کی جو مینہ برساتا ہے۔

یہ آسمان جو کھل کے برستا ہے کیا یہ زندگی کی حقیقتیں نہیں بتاتا؟ یہ پانی کہاں سے آتا ہے؟ سمندر کا پانی تو تلخ ہے، کڑوا ہے۔ پھر کہاں سے سورج کا چراغ جلتا ہے اور دھوپ پڑتی ہے؟ کہاں بادل بنتے ہیں اور آسمان کی گود میں ٹنوں پانی لے کر کیسے تیرتے ہیں؟ جب وہ پانی زمین پر برستا ہے تو زمین سے برداشت نہیں ہوتا لیکن ہوا میں کیسے تیر رہا ہے! جب بجلی کڑکتی ہے زمین پر گرتی ہے تو تباہیاں پھیل جاتی ہیں۔ پانی برستا ہے تو شہروں کے شہر غرق ہو جاتے ہیں لیکن ہوائی جہاز میں سفر کریں، بادلوں میں سے گزرتے رہیں تو یوں لگتا ہے کہ بادلوں میں کوئی بجلی ہے نہ پانی ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ کہاں چھپائی ہوئی ہیں اللہ کریم نے۔ اسی طرح بادل بھی بس تہہ در تہہ دھواں ہوتا ہے۔ یہ آسمان گواہ ہے کہ اس کے دامن میں بادل پلتے ہیں پانی بنتا ہے اور پھر یہ برساتا ہے۔ فرمایا: وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اور زمین جو پھٹ جاتی ہے۔

فرمایا، یہ زمین اس بات پر گواہ ہے کہ یہ ہر بارش میں اپنا سینہ کھول دیتی ہے، پھٹ جاتی ہے۔ صحرا و بیاباں ہر بھرے ہو جاتے ہیں۔ وادیاں آنِ واحد میں پھولوں سے بھر جاتی ہے۔ کیا یہ اللہ کی تخلیق پر گواہ نہیں ہے؟ وہی پھول سوکھ کر، جھڑ کر خاک میں مل جاتے ہیں تو وہ بارش برساتا ہے اور پھر سب کو پیدا کرتا ہے! ایک درخت پر کروڑوں پتے پیدا کرتا ہے۔ جب خزاں آتی ہے تو سب پتے جھڑ جاتے ہیں اور ٹنڈ منڈ درخت کھڑا ہوتا ہے۔ اسی زمین سے ویسے ہی پتے اسی رنگ، اُسی سائز، اسی ذائقے اسی تاثیر اور خوشبو کے پتے پھر سے درخت پر آ جاتے ہیں۔ یہ سارا نظام کیا انسان کو یہ نہیں سمجھا رہا کہ تمہیں بھی دوبارہ زندہ ہونا ہے؟ تم مر کر گم نہیں ہو جاؤ گے تمہیں بھی پھر بننا ہے۔ تمہارے سامنے کائنات میں یہ تسلسل جاری ہے۔ آسمان سے بار بار برستی بارش اور ہر بار زمین کا سینہ پھاڑ کر نکلتی روئیدگی اس بات پر گواہ ہے کہ وہ تمہیں بھی ہزاروں بار پیدا کر سکتا ہے۔ ایک ہی بار نہیں وہ جتنی بار چاہے پیدا کر سکتا ہے اور تم ہو کہ ایک بار کا انکار کر رہے ہو! اس صانعِ قدرت نے کبھی غلطی نہیں کی کہ کیکر کے پتے انگور پر لگا دیے ہوں یا آم کا پھل انار

پر آ گیا ہو۔ ایک دفعہ تو ہر چیز مٹی میں مل جاتی ہے۔ پھر صرف بارش برستی ہے تو پھر سے سب پیدا کر دیتا ہے۔ یہ تمہارے سامنے جو تسلسل سے مخلوق آ رہی ہے، جا رہی ہے، آ رہی ہے تو تمہیں یہ گھمنڈ کیوں ہے کہ تم مر جاؤ گے اور بات ختم ہو جائے گی؟ تم یہاں جو جی چاہے کرو اور تمہیں کوئی پوچھے گا نہیں؟ تم یہ کیسے سوچ لیتے ہو حالانکہ یہ ساری شہادتیں تمہارے اردگرد بکھری پڑی ہیں۔

قرآن قولِ فیصل ہے:

فرمایا: اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ یقیناً یہ بات (قرآن) فیصل کرنے والی ہے۔

فرمایا، یقیناً یہ دلائل فیصلہ کن بات ہیں۔ یہ محض دلائل نہیں ہیں بلکہ یہ فیصلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دلائل میں سے بعض ثابت ہوتے ہیں جبکہ بعض ثابت نہیں بھی ہوتے، ردّ بھی ہو جاتے ہیں۔ دلیل دلیل ہوتی ہے اور اس کا توڑ بھی ہو سکتا ہے کہ مقابلے میں دوسری دلیل دی جا سکتی ہے۔ جب فیصلہ ہوتا ہے تو فیصلے کا توڑ نہیں ہوتا، بات طے ہو جاتی ہے۔ فرمایا، جو کچھ قرآن فرماتا ہے یہ محض دلیلیں نہیں ہیں، یہ فیصلے ہیں۔ اس کے ارشادات فیصلے کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایسا ہی ہوتا ہے، ایسا ہی ہوگا۔ دلیل کا تو کوئی ردّ آ سکتا ہے لیکن فیصلے کا ردّ نہیں ہوتا۔ یہ قولِ فیصل ہے اور اس کا ردّ نہیں ہو سکتا۔ فرمایا: وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اور یہ فضول بات نہیں ہے۔

فرمایا، یہ فضول یا بے معنی باتیں نہیں ہیں کہ محض بات کرنے کے لیے بات ہو۔ 'هَزَل' اس بات کو کہتے ہیں جو محض بات کرنے کے لیے بات کی جائے۔ جس کا کوئی حاصل نہ ہو اور جو وقت گزارنے کے لیے کی جائے یا مذاق میں کی جائے۔ فرمایا، یہ فضول باتیں نہیں ہیں، یہ خانہ پُری نہیں کی گئی لیکن تمہیں کھول کر دیکھنے کی فرصت نہیں ہے۔ تمہارے پاس اسے پڑھنے کا وقت نہیں ہے، سمجھنے کی مہلت نہیں ہے تم جاننا نہیں چاہتے۔ اگر تم جانو تو یہ سمجھ جاؤ گے کہ جو دلائل قرآن نے دیے ہیں یہ دلائل نہیں بلکہ قولِ فیصل ہیں جن کا ردّ ممکن نہیں۔ ان کے خلاف کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

اللہ کی اپنی تدبیر ہے:

فرمایا: اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ بے شک یہ لوگ اپنی تدبیروں میں لگ رہے ہیں۔ اور میں اپنی تدبیر کر رہا ہوں۔

فرمایا، کفار اپنی تجویزیں لڑاتے ہیں۔ اللہ کے نافرمان اپنی تدبیریں کرتے ہیں کہ وہ یہ کر لیں گے وہ کر لیں گے، ایسا ہو جائے گا ویسا ہو جائے گا لیکن ہماری اپنی تدبیریں ہیں۔ ہمارا اپنا نظام ہے۔ اللہ کی بھی ایک تدبیر ہے، اللہ

کا ایک نظام ہے۔ فرمایا، کیا یہ لوگ سوچتے نہیں کہ اللہ کے نظام میں یہ کچھ بھی نہیں بدل سکے؟ کیا مٹی کے ذرّات سے انسان بنانے کے نظام کو انہوں نے بدل لیا ہے؟ کیا مخلوق کے موت وحیات کے فلسفے کو، اُن کے طریقِ کار کو انہوں نے بدل لیا؟ پھر یہ لوگ آخرت کا انکار کر کے باطل عقائد اور فرضی دیوی دیوتا بنا کر حیلے حوالے (بہانے) سے اس سے بچنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ کوئی عقل کی بات کریں۔

اللہ نے بھوسے کو جانوروں کی خوراک بنایا اور غلّے کو انسانوں کی تو اس میں تبدیلی کر کے دیکھیں کہ خود بھوسہ کھا کر جئیں۔ کبھی بھوسہ کھا کر جی سکیں گے؟ اس نظام میں پھر اپنی تجویزیں کیا دیتے ہیں! فرمایا، ہماری تجویز تو ان کے سامنے ہے، ہمارا نظام تو چل رہا ہے۔ اس سے نکل کر یہ جی کر تو دیکھیں پھر جب یہ اس سے باہر جا ہی نہیں سکتے تو پھر اُس بات کا کیوں انکار کرتے ہیں جو آئندہ کے بارے بتایا جا رہا ہے؟ وہی ہستی جس نے سارے پچھلے حقائق بتائے ہیں وہی آئندہ کے بھی بتا رہے ہیں۔ جو روزمرہ ہو رہا ہے، اُس کو سمجھنے کے لیے انہیں عقل دی، علم اور شعور دیا ہے اور سائنسی علوم اب ہر بات کی تصدیق بھی کر رہے ہیں۔ اگر پچھلا سارا سچ ہے تو اگلا بھی سچ ہوگا۔ جب پچھلا قولِ فیصل ہے تو اگلا بھی قولِ فیصل ہے۔ یہ لوگ تدبیریں لڑاتے ہیں لیکن اللہ کی تدبیر ہی کارگر ہے۔ اُس کا بھی فیصلہ ہے، اُس کا بھی ایک نظام چل رہا ہے اور اُس میں یہ کچھ بھی نہیں بدل سکتے۔ تو پھر کیا فائدہ؟ یہ کیا کریں گے؟ سائنس نے بے شمار ایجادات کیں لیکن کیا کبھی سائنس نے کوئی چیز تخلیق کی؟ کبھی نہیں۔ سائنس موجد ہے اور موجود چیزوں کو جوڑ کر ایک چیز بناتی ہے کوئی چیز تخلیق نہیں کرتی۔ خالق وہ ہوتا ہے جو عدم سے وجود دے کہ کچھ نہیں تھا اُس نے بنا دیا۔ انسان بے وقوف، شعر کہتا ہے تو ساتھ کہتا ہے کہ میں اس شعر کا خالق ہوں۔ لفظ تو پہلے سے موجود ہیں تو کوئی لفظ جوڑ کر شعر بنا کر خالق کیسے ہو گیا؟ ہم منتشر چیزوں میں سے کچھ چیزیں جوڑ کر ایک چیز بنا لیتے ہیں تو وہ ہماری ایجاد ہے جبکہ تخلیق صرف اللہ کرتا ہے۔ جب ہم نئی کوئی چیز بنا ہی نہیں سکتے تو پھر ہم مالک کس کے ہیں؟ اس کی بنائی ہوئی چیزیں استعمال کر رہے ہیں پھر اِتراتے کس بات پر ہیں؟ ہمارا ہے کیا؟ ہم کوئی ایک ذرّہ تخلیق نہیں کر سکتے نہ ایک ذرّہ مٹا سکتے ہیں۔ جو ذرّہ اُس نے بنایا ہے ہم اُسے مٹا نہیں سکتے اور جو اُس نے نہیں بنایا اور ہم بنا نہیں سکتے تو پھر کس بات پر ناز کرتے ہیں؟ ہم کس بات پر اکڑتے ہیں؟ اگر ہم نے کچھ ایجاد کر لیا تو اُس نے ہمیں عقل وشعور دیا، چیزوں کو جوڑنے کا طریقہ بھی اسی نے دیا۔ وہی عقل اور شعور کا خالق ہے، علم کا خالق ہے۔ اُس نے انسانوں کو استعداد دی، شعور دیا لیکن وہ اس کا شکر ادا نہیں کرتے؟ فرمایا، یہ لوگ اپنی تجویزیں لڑاتے ہیں۔ بھئی تم کہاں تک جا سکتے ہو کیا سورج کو مغرب سے نکال سکتے ہو؟ نمرود نے کہا تھا کہ میں ربّ ہوں تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا ربّ تو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے اگر ربّ تُو ہے تو

تُو سورج کو مغرب سے طلوع کر دے اس نظام کو بدل دے تا کہ پتا چلے کہ تو ربّ ہے۔ اس پر کافر کا منہ کھلے گا کھلا رہ گیا وہ مبہوت ہو گیا۔ جو نظامِ کائنات ربّ العالمین نے بنایا اگر کسی میں جرأت ہے تو اسے بدل دے۔ اگر کوئی نیا نظام تو اسے بدل دے۔ پھر یہ کس بات پر تم اکڑتے ہو! فرمایا، ہمارا بھی ایک نظام ہے، تم بھی تجویزیں لڑا لو، دیکھتے ہیں ہمارے نظام سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو! فرمایا: فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾ پس کافروں کو مہلت بس چند روز مہلت دو۔

اے مخاطب! یہ میرا نظام ہے اور میں نے ہر فرد و بشر کو ایک مہلت دی ہے۔ اس میں کوئی چاہے تو شکر کرے چاہے تو کفر کرے۔ یہ اس کا انتخاب ہے لیکن یہ مدت محدود ہے، تھوڑی سی مہلت ہے۔ اس کے بعد ہر چیز سامنے آ جائے گی۔ انسان کو اللہ نے شعور بخشا ہے، راہنمائی کے لیے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں۔ ہر عہد میں ہر دور میں اپنے بندوں کو توفیق بخشا ہے کہ انبیاؑ کی بات آگے پہنچاتے رہتے ہیں۔ دنیا کا بازار سجا ہے اور ہمارے پاس سانسوں کی نقدی ہے اور خریداری کا انتخاب ہمارا اپنا ہے۔ ہمیں نیکی کا مشورہ مل رہا ہے، برائی سامنے ہے اور ہم ایک ایک سانس خرچ کر کے جو کچھ خرید رہے ہیں وہ اپنے لیے خرید رہے ہیں۔ کسی کا خریدا ہوا کسی دوسرے کو نفع دے گا نہ نقصان دے گا۔ جو جس کا دل چاہتا ہے وہ خرید لے۔ فرمایا، ہمارا نظام بالکل ٹھوس اور FOOL PROOF ہے۔ ہر ایک کو وہیں آنا ہے سب بھید کھل کر سامنے آ جائیں گے۔ جو خریدا ہے، وہ پلے پڑے گا اور وہی بھگتنا پڑے گا۔ اگر کسی کو اس میں کوئی شبہ ہے تو نظامِ قدرت میں کوئی تبدیلی کر کے دکھائے اور نہیں کر سکتا تو عظمتِ الٰہی کا اقرار کرے۔

سورۃ الاعلیٰ رکوع 1 آیات 1 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَىۙ ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰىۙ ۝٢ وَالَّذِيْ قَدَّرَ
فَهَدٰىۙ ۝٣ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰىۙ ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَاۗءً اَحْوٰى ۝٥ۭ سَنُقْرِئُكَ
فَلَا تَنْسٰٓىۙ ۝٦ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧ۭ وَنُيَسِّرُكَ
لِلْيُسْرٰى ۝٨ښ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝٩ۭ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝١٠ۙ
وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝١١ۙ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝١٢ۚ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ
فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝١٣ۭ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥ۭ بَلْ
تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝١٦ښ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝١٧ۭ اِنَّ هٰذَا لَفِي
الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝١٨ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝١٩ۧ

اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو﴿۱﴾ جس نے پیدا کیا پھر
سنوارا﴿۲﴾ اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا پھر (اس کو) راہ دکھائی﴿۳﴾ اور
جس نے چارا اگایا﴿۴﴾ پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا﴿۵﴾ ہم آپ کو پڑھا
دیں گے پھر آپ بھولیں گے نہیں﴿۶﴾ سوائے اس کے جو اللہ چاہیں یقیناً وہ ظاہر
بات کو بھی جانتے ہیں اور پوشیدہ کو بھی﴿۷﴾ اور ہم آپ کو آسان طریقے کی توفیق
دیں گے﴿۸﴾ سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی امید) ہو نصیحت
کرتے رہیے﴿۹﴾ جو ڈرتا ہے نصیحت حاصل کرے گا﴿۱۰﴾ اور (بے خوف)
بدبخت پہلوتہی کرے گا﴿۱۱﴾ جو (قیامت کو) بڑی (تیز) آگ میں داخل
ہوگا﴿۱۲﴾ پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جی سکے گا﴿۱۳﴾ جو پاک ہوا یقیناً وہ مراد کو

پہنچ گیا﴿۱۴﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا پھر عبادت کرتا رہا﴿۱۵﴾
مگر تم لوگ دنیا کی زندگی اختیار کرتے ہو﴿۱۶﴾ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور
ہمیشہ رہنے والی ہے﴿۱۷﴾ بے شک یہی بات پہلے صحیفوں میں ہے﴿۱۸﴾
ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں﴿۱۹﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الاعلیٰ کا شمار اُن سورتوں میں ہوتا ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔

اپنے پروردگار کے عظیم نام کی تسبیح کرو:

ارشاد ہوتا ہے: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۞ ''اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو''۔
جب یہ آیہء کریمہ نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سجدے میں مقرر فرمادیا سو آج تک یہ پڑھی جاتی ہے اور قیامت تک ان شآء اللہ پڑھی جاتی رہے گی۔

بندے اور اس کے رب، اللہ جلّ شانہٗ کا تعلق اس نوعیت کا ہے کہ جتنا کسی کو قربِ الٰہی نصیب ہوگا اتنی زیادہ اس پر اللہ کی شان اور اللہ کی مختلف عنایات کی حقیقتیں کھلیں گی اور وہ اتنا ہی زیادہ اس کا شکر گزار ہوگا۔ مخلوق کا جو تعلق مخلوق سے ہوتا ہے اُس میں ایک بڑی لطیف سی بات ہے جسے سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے کہ ہر رشتے میں کچھ فائدہ ہوتا ہے اور رشتے اُن مفادات پر استوار ہوتے ہیں۔ بظاہر تو ہم انہیں رشتے، ناطے محبتیں کہتے رہتے ہیں لیکن اگر ان کی تہہ میں اترا جائے تو دراصل تعلقات کی بنیاد مفاد پر ہے۔ غیر شعوری طور پر دل میں توقعات ہوتی ہیں کچھ امیدیں ہوتی ہیں۔ اُن کے لیے کوئی لفظ نہیں ہوتا۔ کتنا عزیز رشتہ ہوتا ہے والد اور اولاد کا لیکن کتنے بیٹے ہیں جو والد سے تنگ ہوتے ہیں اور کتنے والد ہیں جو بیٹوں سے نالاں ہیں۔ کیوں؟ وہ فائدہ جو بیٹے سے متوقع تھا جب وہ نہیں ملتا تو سگا باپ بھی تنگ آجاتا ہے۔ بیٹے کی امیدیں جو باپ سے وابستہ تھیں جب وہ پوری نہ ہوں تو وہ باپ کو پاگل کہنے لگتا ہے۔ کتنی عظیم ہستی ہے ماں! جس کی عظمت پر کتابیں لکھی گئیں ہیں، نظمیں لکھی گئی ہیں لیکن اگر کسی بچے کو ماں گالیاں دیتی ہو بددعائیں دیتی ہوں، اُس کا نقصان کرتی ہو تو کوئی ایسا ہے جو پھر اُسے ماں بھی سمجھتا ہو؟ اس کا مطلب ہے کہ رشتے کی تہہ میں انسانی امیدیں اور مفادات ہیں۔ بھائی بڑے عزیز ہوتے ہیں، بہنیں بڑی پیاری ہوتی ہیں۔ کیا وہ بہنیں نہیں جو بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہوجاتی ہیں؟ کیا وہ بھائی نہیں ہیں

جن کے مرنے کی دعائیں بہنیں ہی کرتی ہیں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ وہ اُمیدیں وہ غیر شعوری توقعات اور آرزوئیں جب پوری نہیں ہوتیں تو رشتوں کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔

اللہ کریم اور بندے کا بھی ایک رشتہ ہے۔ بندہ ہمہ وقت محتاج ہے اور اللہ کریم ہمہ وقت عطا فرما رہا ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ نافرمانوں کو بھی دے رہا ہے جبکہ دنیوی رشتے نافرمانوں کو نہیں دیتے۔ جتنا قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے اتنا زیادہ ادراک واحساس ہوتا ہے کہ اُس کی عنایات کتنی بے پایاں ہیں چنانچہ انسان اس کی عطا کی مزید تعریف کرتا ہے۔ چونکہ وہی ایک بارگاہ ہے جس سے ہمیشہ ملتا رہتا ہے، جہاں سے نہ ملنے والی کوئی بات ہی نہیں۔ خود انسان کو، اُس کا وجود، اس کی روح، اس کی ساری حیات کی تمام نعمتیں مسلسل دے رہا ہے۔ انسان کی ہدایت کے لیے اپنے انبیاؑ ورسل بھیجے، کتابیں بھیجیں، معافی ودرگزر، کرم واحسان یعنی کتنی نعمتیں عطا فرمائیں کہ بندہ گن نہیں سکتا۔ جوں جوں انسان پر اللہ کی نعمتیں منکشف ہوتی ہیں وہ اس کی زیادہ تعریف کرتا ہے۔

فرمایا: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ① اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو۔ یہاں اسم کی نسبت ربّ کی طرف فرمائی ہے یعنی جو نعمتیں عطا کر رہا ہے اور تم شمار نہیں کر سکتے۔ جتنی بھی اُس کی تعریف کرو، اُس سے وہ پھر برتر ہے۔ اگر تمہیں ہزاروں برس عمر مل جائے اور تم پر سارے مکاشفات کھل جائیں تو بھی تم عطایائے ربانی کو گن نہیں سکتے کہ وہ ہر لحہ تم پر کتنی مہربانیاں فرما رہا ہے۔ سو اس کی پاکی بیان کرتا رہ، اس کی عظمت بیان کرتا رہ۔ اس کی عطا اور نعمتوں کا ذکرِ خیر کرتا رہ۔ جتنی جتنی تم پر منکشف ہوتی جائیں گی اتنا شکر کا جذبہ پیدا ہوتا جائے گا، بڑھتا جائے گا۔

ربِّ کریم کے احسانات:

فرمایا: الَّذِي خَلَقَ ۔۔۔ ''جس نے پیدا کیا''۔ فرمایا، وہ ایسی عظیم ذات ہے کہ اس نے تجھے تخلیق کیا، تُو تھا ہی نہیں اُس نے تجھے عدم سے وجود عطا کیا۔ ایک لمبا تسلسل ہے کہ مٹی سے مادّی اجزا بنائے، ان سے غذائیں بنائیں پھر اُن کو مختلف مراحل سے گزار کر صلبِ پدر اور شکمِ مادر میں پہنچایا اور پھر اس میں عالمِ امر کی روح پیدا کر کے انسان بنا کر زمین پر پیدا فرمایا۔ ایسا عظیم ربّ کہ عدم سے ہر چیز تخلیق فرمائی کہ زمین تھی نہ مادّی اجزا تھے، کچھ تھا ہی نہیں۔ اس نے سب کچھ پیدا کیا اور بے شمار مراحل سے گزار کر وجودِ انسانی پیدا فرمایا۔ صرف پیدا ہی نہیں فرمایا بلکہ: فَسَوّٰى ② پھر سنوارا۔ اُسے سنوارا، سدھارا، حسین، طاقتور، کڑیل جوان، دانشور، عالم، فاضل، حکیم، بہادر، کیا کیا بنا دیا! وہی ایک نطفہ کا جرثومہ جو روپ بدل کر بچہ بنا پھر اسی پیدا ہونے والے بچے کو اُس ربّ نے کیا کیا بنا دیا، کیسے کیسے سنوار دیا! کہاں کہاں پہنچایا! انسان کس کس بات کا شکر کرے گا!

فرمایا: وَالَّذِیْ قَدَّرَ ۔۔۔اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا۔

فرمایا، اُس نے ربّ کریم نے ہر چیز کا درست اندازہ مقرر کر دیا کہ ظاہری بدن، اعضا و جوارح حسین تناسب سے جوڑ دیے کتنی خوبصورتی سے انسانی شکل اور وجودِ انسانی بنایا۔ اگر بدن کے اجزا، چہرے کے نقوش کی تمثیل بنائی جائے مثلاً پلاسٹک (PLASTIC) وغیرہ سے اور پھر اُن نقوش اور اجزا کو کسی اور ترکیب سے جوڑ کر دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ سب سے بہترین ترکیب وہی ہے جس پر اللہ نے بنا دیا۔ اسی ربّ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا کہ اربوں، کھربوں انسان گزر چکے اور نجانے کتنے ابھی باقی ہوں گے۔ سب کو ایک ترکیب سے بنایا لیکن کوئی ایک سے دوسرا نہیں ملتا۔ سب کے دو ہاتھ، دو پاؤں، دو بازو اور دو ٹانگیں ہیں سب کا ایک سر، ایک منہ، ایک ناک، دو آنکھیں اور دو ہی کان ہیں سب ایک جیسا ہے لیکن ہر کو ایک الگ انداز دے دیا۔ دنیا میں کسی کی آواز کسی دوسرے جیسی نہیں ہے، بصارت برابر نہیں ہے، سماعت برابر نہیں، کسی کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی، کسی کی سوچ دوسرے جیسی نہیں ہے۔ کمال ہے! اُس قادرِ مطلق نے ہر ایک کا ایک اندازہ مقرر فرما دیا۔

عربی زبان کو اللہ کریم نے اپنے کلام کے لیے پسند فرمایا۔ عربی زبان، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے، اہلِ جنت کی زبان ہے تو اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ پانچ یا سات زبانیں جو مجھے آتی ہیں ان میں سے میں نے پنجابی جیسی کوئی زبان نہیں دیکھی۔ پنجابی زبان کی ایک ایک ضرب المثل معنی کا دریا لیے ہوئے ہے۔ پنجابی کا ایک شعر ہے:

ماں جمے ست بچڑے رزق نہ دیندی ونڈ
کجھ چڑھدے نیں گھوڑیاں کجھ ٹکرے کھاندے منگ

یہی بات جو قرآنِ کریم فرما رہا ہے کہ ایک صاحب سے، ایک پیٹ سے پیدا ہونے والے ہر بچے کو اللہ کریم نے ایک دوسرے سے مختلف بنایا۔ اُن کی شکلیں الگ، سوچ الگ، استعدادِ کار الگ، استعدادِ فہم و علم الگ اور قسمت الگ۔ خود ماں اور باپ کے اختیار میں نہیں ہے کہ اُن سب کا مقدر ایک جیسا کر دے۔ اللہ کریم نے ایک ہی حلب اور ایک ہی پیٹ سے پیدا ہونے والے، ایک ہی ماں کا دودھ پینے والے بچوں کا الگ الگ اندازہ مقرر فرما دیا۔ اُن کی زندگی کتنی ہوگی، شکل و صورت کیسی ہوگی، قد کاٹھ کیسا ہوگا، سوچ اور فکر کیسی ہوگی۔ رزق کتنا کھائے گا یہ سب مقرر فرما دیا! سبحان اللہ وبحمدہٖ!

فرمایا جس نے سارے اندازے مقرر کیے اسی نے: فَهَدٰى ۝۳ ''پھر (اس کو) راہ دکھائی''۔ اُس ربّ کریم نے ہر ایک میں ہدایت کی، زندگی گزارنے کی فطری استعداد رکھ دی۔ ہر مخلوق کو زندگی کا فطری طریقہ دے دیا۔

پرندے کے بچے کو کوئی اڑنا نہیں سکھاتا، مچھلی کے بچے کو کوئی تیرنا نہیں سکھاتا۔ جانور کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ تلاش کر لیتا ہے۔ اُسے کون بتاتا ہے کہ تیری غذا کیا ہے، کہاں ہے! جنگلی حیات (WILD LIFE) پر بنائی گئی فلمیں دیکھیں تو بہت عجیب راز کھلتے ہیں مثلاً ہرن کا بچہ پیدائش کے چند لمحوں بعد ہی کھڑا ہو جاتا ہے، ماں کا دودھ تلاش کر لیتا ہے اور کچھ لمحوں بعد ہی بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ اُسے پتا ہے کہ وہ ہرن کا بچہ ہے اور اس کی زندگی خطرے سے خالی نہیں ہے، مارا جائے گا۔ شیر کا بچہ پیدا ہوتا ہے وہ تین مہینے آنکھ ہی نہیں کھولتا اُسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اُسے کس نے بتایا؟ وہ بے فکر ہے، دو تین ماہ کے بعد آنکھیں کھولتا ہے۔ ایک ہی جنگل میں دونوں جانور ہیں، یہ اللہ کریم کی فطری تقسیم ہے۔ ایک چڑیا خود تو دانہ چگتی ہے جبکہ اپنے بچوں کے لیے چھوٹے چھوٹے کیڑے پکڑ کر لاتی ہے۔ اُسے کس نے بتایا ہے کہ یہ بچے دانہ ہضم نہیں کر پائیں گے۔ اُن کے لیے ایسی غذا لاتی ہے جو پہلے سے ہضم شدہ ہوتی ہے۔ چیونٹی کو دیکھیں تو وہ جو دانے چن کر لاتی ہے انہیں بل میں جمع کرتی رہتی ہے۔ اگر اس کا بل کھول کر دیکھیں تو اُس نے ہر دانے کے دو ٹکڑے کر کے رکھے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتی ہے کہ ثابت دانہ رکھا تو وہ مٹی میں اُگ سکتا ہے لیکن دو ٹکڑے ہونے سے نہیں اُگے گا۔ اگر وہ دھنیا کا دانہ لے جائے تو پھر اُسے چار ٹکڑوں میں توڑتی ہے کہ وہ آدھا ہو تو بھی اُگ جاتا ہے۔ یہ سب ایک چھوٹی سی چیونٹی کو کس نے بتایا؟ اُس ربِّ کریم نے جس نے سارے اندازے مقرر کیے اور فطری استعداد رکھ کر زندگی گزارنے کی ہدایت کر دی۔ ایک گیدڑ بھی اُسی جنگل میں بچے پال لیتا ہے، گرمی، سردی، دھوپ، بارش سے بچاؤ کے انتظام کرتا ہے، زندگی کے اسباب تلاش کر لیتا ہے۔ جانوروں کو دیکھیں تو وہ کبھی مضرِ صحت چیز نہیں کھاتے۔ کوئی دھوکے سے انہیں زہر کھلا دے تو الگ بات ہے ورنہ فطری طور پر جنگل میں عمر بسر کر جاتے ہیں۔ کبھی کسی جانور کو زہر کھا کے مرتے دیکھا ہے؟ کون بتاتا ہے انہیں؟ انسانوں سے زیادہ صحت مند رہتے ہیں، کم بیمار ہوتے ہیں۔ انہیں یہ کھانے پینے کی پرہیز کون بتاتا ہے؟ وہی جس نے خوب اندازے مقرر فرمائے اور مخلوق میں سے ہر ایک کو جو چاہیے تھی وہ فطری استعداد عطا کر دی۔ چڑیا کو اس کی ضرورت کے مطابق، باز کو اس کی ضرورت کے مطابق الغرض تمام مخلوق کو اُن کی ضرورت کے مطابق عطا فرمائی۔

انسان کی فطری استعداد:

اللہ کریم نے وجودِ انسانی میں عالمِ امر کی روح پیدا کر دی چنانچہ انسان کی مادّی ضروریات بھی ہیں اور روحانی ضروریات بھی ہیں۔ وجودِ انسانی کو فطری استعداد دی اور روح کی اپنی استعداد بھی رکھ دی کہ روح کا کمال معرفتِ باری رکھ دیا۔ انسانوں کو زندگی گزارنے کی استعداد کے ساتھ معرفتِ حق کی استعداد دی اور ہر انسانی دل میں

فطری طور پر معرفتِ باری کی جگہ رکھ دی یعنی ہر دل میں ایک خانہ رکھ دیا کہ یہاں اللہ کا نام ہونا چاہیے۔

تاریخِ انسانی پر اگر نگاہ ڈالیں تو ایسے دور بھی ملتے ہیں جہاں انسان غیر مہذب تھے اور آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ آسٹریلیا کے جنگلوں میں بھی ہیں اور افریقہ کے جنگلوں میں بھی موجود ہیں شاید اور بھی کہیں ہوں گے۔ اُنہیں لباس کی تمیز نہیں ہے لیکن مذہب کے نام پر کچھ رسومات انہوں نے بھی بنا رکھی ہیں۔ اُن کا مذہب یہ ہے کہ اجداد کی روحیں (SPIRITS) ہماری حفاظت کرتی ہیں۔ ہر دل میں چونکہ ایک اللہ کی طلب کی فطری استعداد تھی جو چاہتی ہے کہ ایک غیبی طاقت جو ہر وقت ساتھ ہو، جو ضروریات پوری کرے، غائبانہ تحفظ کرے اور مشکلات میں مدد کرے تو انسان نے اپنی سہولت کے لیے اس خانے میں مختلف نام لکھ لیے۔ کسی نے (SPIRITS) لکھ لیا، کسی نے رام، کسی نے کوئی فرضی خدا لکھ لیا لیکن ہر ایک کوئی نہ کوئی معبود بنائے پھرتا ہے حالانکہ یہ جگہ تو اللہ نے اپنے لیے رکھی تھی۔ شیطان نے انسان کو بھٹکا دیا۔ روایات میں ملتا ہے کہ جب آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں ہابیل اور قابیل میں جھگڑا ہوا تو دونوں کو حکم ہوا کہ قربانی پیش کریں۔ چنانچہ دونوں نے اپنی اپنی قربانی میدان میں رکھی۔ ہابیل کی قبول ہوئی کہ آسمان سے آگ آئی اور وہ قربانی فنا ہو گئی جبکہ قابیل کی ردّ ہوئی اور میدان میں پڑی رہ گئی۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا اور وہاں سے بھاگ گیا تو بعض روایات میں ملتا ہے کہ شیطان نے اس کو کہا کہ دیکھو ہابیل کو آگ نے جتوایا اور تم ہار گئے تو تمہیں اُسے قتل کرنا پڑا لہٰذا تم اِس آگ کی پوجا کرو، یہ بہت بڑی طاقت ہے۔ وہیں سے آتش پرستی شروع ہو گئی۔ شیطان جب انسان کو بہکاتا ہے تو وہاں کچھ نہ کچھ خانہ پُری ہوتی ہے لیکن وہ خانہ خالی نہیں رہتا اس لیے کہ ہر ایک میں وہ طلب رکھ دی گئی ہے۔ اسی لیے شرک سب سے بڑا جرم بھی ہے اور اللہ کریم فرماتے ہیں: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمٰن 13:) بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اللہ کریم نے انسان کے دل میں اپنی جگہ رکھی تھی مگر اس نے ظلم کیا کہ کسی اور کو وہاں بیٹھا لیا۔ ارے ظالم! تُو میری ناشکری کرتا، عبادت نہ کرتا لیکن میری جگہ کسی مخلوق کو تو نہ دیتا! اب اگر کوئی محرابِ مسجد میں بت رکھ کر پوجنا شروع کر دے تو اس نے کتنا بڑا ظلم کیا! لوگ بت تو پوجتے ہی تھے لیکن بیت اللہ میں رکھنا کتنا بڑا جرم بن گیا! ہر پیدا ہونے والے کے دل میں اللہ نے ایک کعبہ رکھا ہے جہاں تجلیاتِ باری کی جگہ ہے۔ وہاں اللہ کا نام ہونا چاہیے۔ دل ہمہ وقت اللہ اللہ کرے اور اس میں اتنی قوت ہو کہ وہ اعضا و جوارح سے مترشح ہو۔ ہاتھ پاؤں اللہ کی نافرمانی نہ کریں۔ زبان اللہ کی نافرمانی نہ کرے، آنکھیں اللہ کی نافرمانی نہ کریں۔ ہر عضو سے اس کے انوارات مترشح ہوں کہ سب پر اللہ کے نام کا تسلط ہو۔ زبان سے اللہ کا نام جاری ہو اور دل خود بھی ہمہ وقت ذکر اللہ میں مشغول ہو کہ دل ہی میں اللہ کا گھر

ہے۔جس نے وہاں خواہشات کا بت رکھ دیا یا کسی، دیوی دیوتا، کسی فرضی خدا کو، جن یا شیطان کو بیٹھا لیا ہے، اُس نے بہت بڑا ظلم کیا۔ اللہ کے تخت پر غیروں کو بیٹھا دیا۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے؟

ہم کہتے رہتے ہیں کہ شرک ظلم ہے، کفر ظلم ہے لیکن ہمیں اس کی شرح کا علم نہیں ہے کہ شرک کیا ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ اللہ نے اپنی عظمت کے لیے، اپنی ذاتی تجلیات کے لیے ہر پیدا ہونے والے انسان کے دل میں جو بیت اللہ رکھا ہے وہاں اس کے سوا کسی اور کو اگر کوئی بٹھائے گا تو وہ شرک کرے گا۔ قیامت کے دن فیصلے دلوں پر ہوں گے: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق:9) ''جس دن پوشیدہ باتیں جانی جائیں گی''۔ دنیا میں تو اُسے مشرک مانا جاتا ہے جو زبان سے خود کہہ دیتا ہے کہ میں فلاں کو مانتا ہوں لیکن قیامت کے دن اندر کی باتیں کھولی جائیں گی۔ دل دیکھے جائیں گے کہ وہاں کسے بٹھائے رکھا ہے! وہاں پتا چلے گا مؤحد کون ہے اور مشرک کون ہے!

دلوں میں طلبِ دنیا بیٹھالی اور ہر حال میں حصولِ دنیا ہی مقصد بن گیا کہ حلال حرام کی پروا نہ رہے۔ اگر دلوں میں حصولِ اقتدار کی طلب بیٹھالی اور اس کے لیے خواہ جھوٹ بولنا پڑے، لوگ قتل ہو جائیں ملک تباہ ہو جائے سب ہو جائے مگر حکومت مل جائے تو یہ کتنا ظلم ہے۔ یہ دل تو خانہء خدا تھا، بیت اللہ تھا تو سمجھ آتی ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

سو فرمایا: وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳ اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا۔ پھر (اس کو) راہ دکھائی۔

وہ ذاتِ پاک جس نے ہر چیز کو درست کیا، متوازن کر دیا اور جس کی جو جو ضرورت ہے۔ دنیا و آخرت میں، اُس کے لیے تخلیقی طور پر اُس میں طلب تڑپ اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کا شعور عطا کر دیا۔ حیوانات کو اُن کے مطابق اور انسانوں کو اُن کے معیار کے مطابق عطا فرما دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ (البخاری) او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر پیدا ہونے والا فطری استعداد لے کر دنیا میں آتا ہے پھر اس کے والدین، ماحول کسی کو یہودی بنا دیتا ہے، کسی کو آتش پرست بنا دیتا ہے کسی کو نصرانی بنا دیتا ہے۔

اللہ اتنا کریم ہے کہ بندے کو شرک و کفر کے بعد بھی موت تک سنبھلنے کی مہلت دیتا ہے کہ کبھی توبہ کرے! توبہ نام ہے بیت اللہ سے بتوں کو اٹھا کر باہر پھینکنے کا! وہ کعبہ جو دل کے اندر ہے، اس میں سے سارے بتوں کو باہر پھینک کر وہاں اللہ کا نام لکھ دیا جائے تو یہ توبہ ہے۔ زبانی توبہ توبہ کرنا توبہ نہیں ہے۔ کسی نے حال ہی میں یہ سوال بھیجا تھا کہ توبہ کرتے ہیں پھر ٹوٹ جاتی ہے، کیا کریں؟ میں نے جواباً عرض کیا تھا کہ پھر توبہ ہی کرو لیکن حق یہ ہے کہ آپ کرتے نہیں ہیں۔ توبہ کا مطلب یہ

ہے کہ احساسِ گناہ ہو ندامت ہو کہ میں عظمتِ الٰہی کے مقابلے میں کتنی جرأتِ رندانہ دکھا رہا ہوں، نافرمانی کر رہا ہوں! اگر یہ احساس ہو تو پھر توبہ توڑنی مشکل ہو جاتی ہے۔ البتہ رسمی توبہ جو ہم دکھاوے کی کرتے ہیں وہ ٹوٹتی رہتی ہے۔

قدرتِ باری کے مظاہر:

فرمایا: وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝۴ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝۵ اور جس نے چارا اُگایا۔ پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔

وہی ذاتِ باری ہے جو زمین سے سبزہ اُگاتی ہے۔ اس کی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ ہمیں ہر روز ہوتا ہے، ہر آن ہوتا ہے کہ کتنا سبزہ کتنی روئیدگی کتنی گھاس، جڑی بوٹیاں، کیا کچھ ہر آن زمین سے اُگ رہا ہے کہ کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ اُس کی قدرتِ کاملہ کہ ایک ہی قطعۂ زمین میں سے بے شمار قسم کا سبزہ اُگتا ہے کھربوں جڑی بوٹیاں، کھربوں گھاس کے تنکے، چھوٹے پودے اُگتے ہیں۔ اگر انسان غور کرے تو ہر جڑی بُوٹی اپنا رنگ، ذائقہ اور اپنی تاثیر اور خصوصیات لے کر پیدا ہوتی ہے۔ ہر گھاس کا تنکا اپنی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے حالانکہ گھاس کی بھی بے شمار قسمیں ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خلط ملط ہو جائے، ایک جڑی بوٹی یا گھاس کے تنکے کی تاثیر دوسرے میں چلی جائے یا کسی ایک کا پتا یا پھل دوسرے پر لگ جائے۔ ایسا نہیں ہوتا اور یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ زمین سے بے شمار چیزیں پیدا فرماتا ہے سبزہ، گھاس، چھوٹے پودے اور فصلیں اُگتی ہیں۔ وہ بڑھتی ہیں جوان ہوتی ہیں پھر اپنی عمر پوری کر کے زرد ہوتی ہیں اور سیاہ ہو کر جل کر کوڑا کرکٹ بن جاتی ہیں۔ ہوائیں انہیں اُڑا کر بکھیر دیتی ہیں اور کہیں سے کہیں لے جاتی ہیں۔ وہ قادر ہے کہ خزاں میں چٹیل میدان بن جاتے ہیں گھاس کا تنکا نظر نہیں آتا۔ بارش ہوتی ہے تو میلوں تک سبزہ پھیلا ہوتا ہے۔ جسے کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ اگر غور کریں تو ہر تنکے کا اپنی قسم کے ساتھ ہی میل ہے، اس کی خوشبو اور تاثیر تک ویسی ہی ہے۔ پھول اُگتے ہیں تو ہر تنکا گل بکف ہوتا ہے۔ ہر پھول کا اپنا رنگ، ذائقہ بُو اور تاثیر اپنی ہے۔ درخت، فصلیں، میوہ جات، جڑی بوٹیاں وغیرہ اپنی اپنی ترتیب سے پیدا ہو رہی ہیں اور کسی ایک تنکے کا رنگ بھی دوسرے پر نہیں آتا۔ کوئی ایک پتا بھول کر بھی دوسرے پر نہیں لگتا۔ کسی ایک کی تاثیر دوسرے میں پیدا نہیں ہوتی۔ ہر گھڑی قدرتِ باری کا یہ مشاہدہ جاری ہے اور ہم بارہا زندگی میں ان چیزوں کو بنتے اور بگڑتے دیکھتے ہیں۔ پیدا ہوتی ہیں، مر جاتی ہیں۔ یہ موت و حیات کا عمل تو ہمارے سامنے مسلسل جاری ہے، پھر ہمیں کیوں شبہ ہے کہ ہم پیدا ہوئے، مر جائیں گے تو وہ پھر پیدا نہیں کر سکے گا؟ وہ یقیناً دوبارہ پیدا کرے گا اور ہر بدن کے اجزا اور سیل CELL اپنے بدن کو ہی جائیں گے۔ اسی طرح ہر ایک کو زندہ ہونا ہوگا اور اُس کی بارگاہ میں جواب دینا ہوگا۔ انسانی حیات کا بھی یہی

مسلسل عمل ہے کہ بے شمار لوگ روئے زمین پر روز پیدا ہو رہے ہیں اور بے شمار لوگ روزانہ خاک میں مل جاتے ہیں، زیرِ زمین چلے جاتے ہیں۔ یہ ہماری غفلت ہے کہ ہم اس بات کو نظرانداز کر دیتے ہیں اس پر غور نہیں کرتے۔ یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ نئے سال کی آمد پر مرد عورتیں بچے بوڑھے اچھل کود کر رہے تھے۔ آتش بازیاں چلائی جارہی تھیں۔ یہ منظر ہمارے ذرائع ابلاغ دکھا رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ وہ قوم ہے جس کے ہزاروں لوگ اس سال میں بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ مختلف واقعات میں کتنے بچے، جوان، بوڑھے، امیر غریب بازاروں میں، گھروں میں تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ کتنے فوجی، پولیس کے اہلکار رینجر شہید ہوئے اور ایک بہت بڑے خون کے دریا کو پار کر کے نئے سال تک ہم پہنچے اور لوگ سب کچھ بھول کر اچھل کود رہے تھے! کسی کو احساس نہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں رجوع کریں اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور آئندہ سال کے لیے عافیت مانگیں۔ آتش بازیاں چلا رہے ہیں وہ بھی غریبوں کا خون ہے کہ ملی بھگت سے چند امرا نے غریبوں کو لوٹ کر کھربوں جمع کر لیے اب اس کا اظہار ہو رہا ہے۔ کسی کو کوئی خوفِ خدا نہیں ہے۔ آخرت کی فکر نہیں ہے تو دنیا ہی کی فکر کرلیں ذرا سوچیں تو سہی۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

قافلے تو لٹتے رہتے ہیں لیکن اگر قافلے والوں کو اپنے نقصان کا احساس ہو تو وہ تلافی کر لیتے ہیں اور پھر قافلے بن جاتے ہیں۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارا احساسِ زیاں ہی رخصت ہو گیا۔ اللہ کریم ہمیں شعور واحساس دیں۔ سو، فرمایا وہ ایسا قادر ہے کہ بے شمار سبزہ، چارا پیدا فرماتا ہے پھر وہ سبزہ اپنا وقت پورا کرتا ہے اور کوڑا کرکٹ ہو جاتا ہے اور دھول بن کر اڑ جاتا ہے یہ عمل ہر لمحہ جاری رہتا ہے لیکن کتابِ الٰہی قیامِ قیامت تک ثبت رہے گی۔

اللہ کریم نے براہ راست قلبِ اطہر میں وحی ثبت فرمائی:

فرمایا: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ ۙ﴿٦﴾ "ہم آپ کو پڑھا دیں گے پھر آپ بھولیں گے نہیں۔" یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور ربِّ کریم نے جو قانون بنائے ہیں قدرت خود اُن کی پابندی کرتی ہے۔ عالمِ اسباب میں فرشتے کا آنا سبب ہے اور قادرِ مطلق خود بھی ترکِ سبب نہیں فرماتے۔ حضرت جبرائیلِ امین جو فرشتوں کے سردار ہیں، مقربِ بارگاہ ہیں، وحی لاتے رہے۔ انہیں عالمِ اسباب میں وحی لانے کا سبب بنایا ورنہ فرمایا، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھائیں گے۔ اللہ جلّ شانہ براہ راست قلبِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا کلام ثبت فرما رہے ہیں۔ اللہ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر والد کے کنواری والدہ سے پیدا فرمایا لیکن سبب ترک نہیں فرمایا۔ حضرت جبرائیلِ امین کو حکم

دیا کہ جا کر حضرت مریم علیہ السلام کو دم کر دو۔ اب فرشتے کے دم میں کیا رکھا تھا، کیا ضرورت تھی دم کی؟ عالمِ اسباب میں اللہ کریم نے خود ترک سبب نہیں فرمایا۔ فرمایا، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھا دیں گے، یاد کروا دیں گے اور وہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بھولے گا۔ کتابِ الٰہی قیامت تک ثبت رہے گی اور کائنات میں اس کی آواز گونجتی رہے گی۔ کوئی اس آواز کو خاموش نہیں کر سکے گا، ان الفاظ کو بدل نہیں سکے گا، یہ پندرہ صدیاں اس بات پر گواہ ہیں کہ طاغوتی طاقتوں نے بڑی کوشش کی لیکن آج تک ایک زیر، زبر ایک نقطہ ایک شوشہ بھی تبدیل نہ کر سکے۔ اس کو زمانے سے گم نہیں کر سکے، اس کی آواز کو دبا نہیں سکے۔ اس لیے کہ اللہ کریم کی یہی منشا ہے، یہی فیصلہ ہے کہ یہ آواز گونجتی رہے گی، کانوں تک پہنچتی رہے گی۔ وہ خوش نصیب ہیں جو وحی الٰہی کو اس کے حقیقی مفہوم کے ساتھ آگے پہنچاتے ہیں۔ قرآن تو وحی الٰہی ہے اور وحی میں تو تبدیلی ممکن نہیں تھی کہ اسے حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہے لیکن لوگوں نے مفاہیم اور معنی بدل لیے اور یوں کتنے فرقے بن گئے۔ ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ وہ قرآن سے دلیل دے رہا ہے۔ وہ دلیل کیسے دیتا ہے؟ وہ معنی اور مفاہیم بدل دیتا ہے۔

قرآنِ کریم کو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق تک پہنچایا۔ عرب میں لوگ لکھنا پڑھنا کم جانتے تھے لیکن زبان دانی میں ماہر تھے۔ گھروں میں سوال جواب بھی شاعری میں کر لیتے تھے اور کنیزیں اور غلام شعروں میں جواب دے دیتے تھے۔ وہ اشعار آج بھی عربی ادب میں ہیروں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں بھی بڑے اعلیٰ پائے کے ادب نواز تھے اور جب کوئی آیہ کریمہ نازل ہوتی تو بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے استفسار فرماتے کہ اس کا کیا معنی سمجھا؟ وہ عرض کرتے 'اللہ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ' اللہ بہتر جانتا ہے، اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتا ہے۔ جو مفہوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے وہ ہم سمجھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا مفہوم سمجھاتے، صحابہ کرامؓ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمل کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرماتے کہ یہی مقصد تھا۔ چنانچہ قرآن کے معنی متعین ہو گئے۔ اگر وہی معنی مراد لیے جائیں سب اُن پر متحد ہو جائیں تو اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ فرقے تب بنتے ہیں جب اُن معنی کو چھوڑ کر اپنی مرضی کے معنی پہنائے جائیں۔

دنیا میں بھی اساتذہ میں یہ کمال ہوتا ہے کہ ایک اچھے استاد کا پڑھایا ہوا سبق دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ جن اساتذہ نے ہمیں بچپن میں جو پہاڑے یاد کرائے یا جو الفاظ، جو طریقے سلیقے سکھائے وہ الفاظ آج بھی یاد ہیں اور وہ طریقے بھی یاد ہیں۔ اچھا استاد ہی وہ ہوتا ہے جس کی پڑھائی دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ اچھا شاگرد بھی وہ ہوتا ہے جو استاد سے استفادہ کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔

فرمایا، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں بھولے گا۔ اب جب اللہ کریم پڑھا رہے ہوں، پڑھنے والے اللہ کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو بات کہاں پہنچتی ہے! فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں بھولے گا تو پھر یہ ایسا ثبت ہوا کہ اس کا نقش زمانے پر ثبت ہو گیا۔

نسخ کی مختلف صورتیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلامِ الٰہی یاد کرانا یہ خود اللہ کریم کا کام ہے البتہ، فرمایا: اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔۔۔ سوائے اس کے جو اللہ چاہیں۔

فرمایا، اس میں سے جو اللہ کریم چاہیں گے وہ بھول بھی جائے گا کہ ان کا بھلانا ہی اللہ کو منظور ہے۔ یاد رہے! قرآنِ کریم میں دو حقیقتیں ہیں۔ ایک خبر ہے اور ایک حکم ہے۔ اللہ واحد ہے لاشریک ہے، یہ خبر ہے۔ قیامت قائم ہوگی، یہ خبر ہے ملائکہ ہیں، یہ خبر ہے۔ یہ ساری اخبار ہیں۔ دوسری چیز احکام ہیں کہ تمہیں یہ کرنا ہے، یہ نہیں کرنا۔ روزہ یوں رکھنا ہے، نماز ایسے پڑھنی ہے۔ احکام میں تنسیخ ہوتی رہی پہلی امتوں میں کچھ اور تھے کہ ہر امت میں لوگوں کی استعداد کے مطابق تھے۔ نزولِ اسلام کے وقت بھی بتدریج احکام نازل ہوتے رہے اور نافذ ہوتے رہے۔ کچھ احکام نزول کے بعد بدل گئے۔ نسخ کی صورتیں یہ رہیں کہ کچھ آیات نازل ہوئیں تو آیات باقی رہیں لیکن حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسے سورۂ بقرہ میں مرنے والے کے لیے وصیت سے متعلق آیات ہیں لیکن بعد میں جب وراثت سے متعلق آیات نازل ہو گئیں احکام آ گئے تو پہلی آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اب وصیت کی ضرورت باقی نہ رہی لیکن وہ آیت قرآن میں موجود ہے اور اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ نسخ کی دوسری صورت یہ تھی کہ مثلاً آیت رجم نازل ہوئی کہ جس پر زنا کا جرم ثابت ہو جائے اُسے سنگسار کیا جائے۔ پھر رجم کی آیت منسوخ ہو گئی لیکن حکم باقی ہے۔ اگرچہ اس پر عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عمل ہوا پھر خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ حکم باقی ہے لہٰذا آج بھی اگر اسلامی ریاست ہو تو زانی کو سنگسار کیا جائے گا۔ نسخ کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ بعض آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر اور مسلمانوں کے حافظہ سے محو کر دی جاتیں، مٹا دی جاتیں۔ جو آیات منسوخ ہوتی تھیں پھر وہ یاد نہیں رہتی تھیں۔ فرمایا، قرآنِ کریم تو ثبت رہے گا ہاں وہ آیات جو اللہ منسوخ کر دیں، اللہ حافظے سے بھلا دیں تو الگ بات ہے کہ اُن کا بھلانا ہی اللہ کو منظور ہے۔ جب قرآن مکمل ہو گیا، وحی مکمل ہو گئی تو نسخ منسوخ بھی ختم ہو گیا۔ دین کی تکمیل کا اعلان ہو گیا اور اب قیامت تک اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

اللہ کریم ظاہر اور پوشیدہ سے یکساں باخبر ہیں :

فرمایا: اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝ یقیناً وہ ظاہر بات کو بھی جانتے ہیں اور پوشیدہ کو بھی۔

قرآنِ کریم کا اندازِ تخاطب بڑا مربیانہ، مشفقانہ اور پیار بھرا ہے۔ کس پیار سے فرماتا ہے کہ جو چاہو کرو لیکن اتنا کرو کہ یہ احساس زندہ کر لو کہ تم جو کر رہے جو کہہ رہے ہو جو سُن دیکھ رہے ہو وہ ربِّ کریم کے روبرو کر رہے ہو۔ تم اکیلے نہیں ہو۔ یہ سوچ لو کہ تم اللہ کریم کے روبرو ہو، پھر کام کرو۔ یہ کتنی لطیف اور پیاری بات ہے کہ اگر یہ احساس زندہ ہو جائے تو پھر گناہ کا تصور ہی نہیں رہتا، جرأت ہی نہیں ہوتی۔ ہم گناہ لوگوں سے چھپ چھپا کر ہی کرتے ہیں۔ اگر یہ احساس زندہ ہو جائے کہ میں انسانوں سے تو چھپ گیا لیکن ربِّ کریم سے چھپا ہوا تو نہیں ہوں اللہ کے سامنے ہوں تو پھر گناہ کیسے کر سکتے ہیں! ہم کہتے ہیں کہ جی انسانی ضرورتیں بھی ہیں پیسہ بھی چاہیے، لباس بھی چاہیے، کھانا بھی چاہیے، ہم کیا کریں؟ اللہ کریم نے کسی چیز سے روکا تو نہیں ہے بلکہ ہماری ضرورتوں کا خالق بھی وہی ہے اور اُن کو پورا کرنے کے ذرائع بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے محنت کرو تو اس پر بھی تمہیں انعام دوں گا۔

یاد رہے آخرت کا سارا اجر انعام ہے، اجرت نہیں ہے۔ اجرت تو ہم پہلے ہی لے چکے کہ جو نعمتیں ہم دنیا میں استعمال کر رہے ہیں، ہم اتنی عبادت نہیں کر سکتے کہ اُن کا ہی شکر ادا ہو سکے۔ آخرت میں جو ملے گا وہ انعام ہوگا۔

فرمایا، اگر روزی حاصل کرنے پر محنت کرتے ہو تو اس پر انعام دوں گا لیکن محنت میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو۔ اپنا حق لو، دوسروں کا نہ چھینو۔ سب کام کرو، والدین کی خدمت کرو، شادی کرو، بچے پالو اچھا گھر بناؤ، اچھی سواری رکھو، اچھا لباس پہنو، اچھا کھانا کھاؤ لیکن حلال کھاؤ۔ جائز وسائل سے مال حاصل کرو، لوٹ مار نہ کرو کہ لوٹ مار سے خریدی ہوئی سواری سے پیدل چلنا بہتر ہے۔ حلال وسائل سے ملے تو ضرور لو کہ اللہ نے کسی نعمت سے روکا نہیں ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ کائنات میری ہے، یہ میرا مہمان خانہ ہے، سرائے ہے اپنے حصے کا ضرور کھاؤ لیکن دوسرے کے ہاتھ سے نہ چھینو۔ اگر ہم کسی کے ہاں دعوت میں جائیں تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم اپنا دسترخوان چھوڑ کر دوسرے کے آگے رکھا کھانا چھیننا شروع کر دیں؟ یہی شریعت کی حدود و قیود ہیں کہ اپنا حق کھاؤ دوسرے کا نہ چھینو کہ سب نعمتیں تمہارے لیے ہیں سو حلال جائز طریقے سے کھاؤ۔ فرمایا، تم سامنے، کھلی بات کرو یا اُسے دل میں پوشیدہ رکھو، تمہاری سوچوں میں ہو، اللہ سب جانتا ہے۔ تم جو کر رہے ہو اللہ کے روبرو کر رہے ہو۔ ذرا یہ احساس زندہ کر لو پھر دیکھو زندگی کیسے سدھرتی ہے!

اسلام زندگی کی سہل ترین راہ ہے:

فرمایا: وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿٨﴾ اور ہم آپ کو آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔

اسلام زندگی کی سب سے سہل، آسان ترین راہ ہے۔ زندگی گزارنے کے جتنے طریقے دنیا میں ہوں، سب سے آسان طریقہ اسلام ہے۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ آج کے دور کا مولوی اور عام آدمی اسی بات پر جم گیا ہے کہ اسلام پر عمل بہت مشکل ہے۔ مولوی بتاتا ہے کہ اللہ نے جنت کو مشکلات سے ڈھانپ دیا ہے حالانکہ اسلام پر عمل کرنا سب سے آسان ہے اور ہر وہ کام جو خلافِ اسلام ہے وہ مشکل ہے۔ ہر گناہ مشکل ہے، برائی مشکل ہے، نیکی آسان ہے اور جنت تو ایک ایک جملے پر عطا ہو رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ کسی مسلمان کی ساری زندگی میں کوئی ایک تسبیح سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، قبول ہوگئی تو وہ جنت جائے گا۔

کیا ہم ساری زندگی میں ایک جملہ بھی ایسا پُرخلوص نہیں کہہ سکتے جو قبول ہو جائے؟ کیا یہ بھی مشکل ہے؟ جنت تو اتنی سستی ہوگئی اور لوگ کہتے ہیں جنت جانا مشکل ہے! جنت بانٹی نہیں جنت تو لٹائی جا رہی ہے۔ ایک انسان پیدا ہونے کے تین چار سال بعد بولنا شروع کرتا ہے اور اسی، نوے سال یا جتنی زندگی ہو مرتے دم تک بولتا ہے۔ اس سارے کلام میں اگر وہ ایک دفعہ اللہ کا نام اس خلوص سے لے کہ وہ قبول ہو جائے تو اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی جہنم جائے تو اُس نے اپنے ساتھ کتنا ظلم کیا! اتنے عرصے میں اس کی زبان سے ایک جملہ بھی ایسا نہ نکل سکا جو قبول ہو جاتا تو اس نے اپنے ساتھ کتنی زیادتی کی!

فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیں گے۔ زندگی کے طریقے آسان کر دیں گے یعنی اسلام زندگی گزارنے کا آسان ترین راستہ ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور تیرہ سالہ مکی زندگی میں ہر لمحہ ایک نیا امتحان، ایک نئی آزمائش، نئے دکھ اور مصیبتیں وارد ہوتی تھیں۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ ہم آسانیاں کر دیں گے تو ظاہراً یہ مفہوم بنتا ہے کہ شاید مدنی حیاتِ طیبہ بڑی پُرامن ہو جائے گی اُس میں مشکلات نہیں رہیں گی۔ جب ہم مدنی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو دس سالوں میں طاغوتی طاقتیں اور دنیائے کفر ریاستِ اسلامی پر ٹوٹ پڑیں اور تقریباً اسی یا چوراسی غزوات و سرایہ ہوئے۔ جن میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخِ انور زخمی ہوا، دندانِ مبارک شہید ہوئے اور بڑے قریبی، بہت محبوب ہستیاں شہید ہوئیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم آسانیاں کر دیں گے۔ اللہ کا دین تو آسان ہے، مشکلات کفر پیدا کرتا ہے۔ مشکلات ظالم اور بے دین پیدا کرتے ہیں۔ یہ ساری مشکلات عالمِ کفر کی طرف سے تھیں۔ مدینہ منورہ تین ہزار گھروں کی آبادی تھی۔ ایک نوزائیدہ ریاست جو کفر کا پیٹ

پھاڑ کر وجود میں آئی چنانچہ ساری کافر طاقتیں اس پر الٹ پڑیں۔ صحابہ کرامؓ قربانیاں دیتے، جانیں نچھاور کرتے بڑھتے چلے گئے اور تائید باری سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی جزیرہ نمائے عرب پر ریاست مدینہ چھا گئی۔ اللہ قادر ہے کہ وصال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تیئس سال کے اندر ریاستِ مدینہ کو روئے زمین کے تین چوتھائی حصوں پر غالب کر دیا۔ اگر مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خلافتِ راشدہ تک اسلام نے ساری دفاعی جنگیں لڑیں ہیں۔ اسلام ہمیشہ دفاعی جہاد کرتا ہے کبھی کسی پُرامن ہمسائے پر حملہ نہیں کرتا۔ کسی سے زیادتی نہیں کرتا۔ کفر، ظلم وجور، فسق وفجور مشکلات پیدا کرتا ہے۔ اسلام آسانیوں کا نام ہے۔ اسلام آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسانیاں کر دیں گے اور حال یہ ہے کہ ہر دوسرے دن ایک دفاعی جنگ کا سامنا ہے۔ جنگیں نبھانا تو ریاستوں کے لیے بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ایک چھوٹی سی ریاست جس پر روزانہ ایک جنگ مسلط ہو جاتی ہے اور پھر بھی وہ کمزور نہیں پڑتی؟ اُسے تو ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ اُس کے وسائل ختم ہو جانے چاہیے تھے۔ اس میں انصاف نہیں ملنا چاہیے تھا، غریبوں کو پس جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ جوں جوں عدل بڑھتا گیا ریاست پھیلتی گئی، کفر کو شکست دیتی گئی۔ کیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہیں ہے! اللہ کریم نے فرمایا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیں گے تو آسانی کیا تھی؟ یہ منصب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ خواہ ساری دنیا مخالف ہو جائے اللہ کریم دین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج بنا دیں گے یعنی دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اللہ نے دینِ حق کو، شریعت کو مسلمانوں کے لیے طبیعتِ ثانیہ بنا دیا ہے۔ لوگوں کو خواہشاتِ نفس چھوڑ کر دین پر عمل کرنا مشکل لگتا ہے لیکن جس پر اللہ راضی ہو جائے اس کے لیے دین طبیعتِ ثانیہ بن جاتا ہے اور اُسے گناہ مشکل لگتا ہے۔

یاد رہے! دین کبھی عادت نہیں بنتا کہ ایک عادت بن گئی اور روٹین (ROUTINE) میں کام کر لیا، ایسا نہیں ہوتا بلکہ دین مزاج بن جاتا ہے۔ اس مزاج کے خلاف بات پسند نہیں آتی اور اس کے مطابق کام کرنے میں اگر مشکلات بھی آ جائیں تو وہ آسان لگتی ہیں بندہ پروا نہیں کرتا۔ کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی۔ جب مزاج بن جائے تو جان دے کر بھی مزا آتا ہے گردن کٹا کر بھی مزا آتا ہے۔ سفر کر کے بھی مزا آتا ہے اور خلافِ مزاج آرام بھی کرنا پڑے تو بندہ تڑپتا رہتا ہے کہ مجھے کیوں بستر میں لیٹا دیا گیا۔ قرآن کا قاعدہ ہے کہ خطاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج ہے۔ یہ نعمت بطورِ کرامت اہلِ اللہ میں منتقل ہوتی ہے۔ ہم نے حضرت اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کو پچیس سالہ رفاقت میں دیکھا کہ سفر وحضر میں، جلسوں میں، گھروں میں، برادری کے معاملات میں، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے جب

بات ہوتی تو دین ہی کی بات ہوتی۔ ربع صدی بڑا عرصہ ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خواہ کس حال میں ہوتے، بیمار ہیں، صحتمند ہیں ہسپتال جا رہے ہیں، ڈاکٹر آ رہے ہیں جب بھی بات ہوتی تو دین ہی کی ہوتی تھی۔ یہ اللہ کا احسان ہے اور یہی فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ دین مزاج بن جاتا ہے۔ دین عادت نہیں بنتا کہ عادت اور چیز ہے۔ دین مزاج بن جاتا ہے، اُس سے خوشی ہوتی ہے۔ مزاج کے مطابق بات ہو تو لطف آتا ہے اس پر عمل کر کے سکون ملتا ہے، مسرت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر بندے کا گزارا نہیں ہوتا اور وہ ہر حال میں دین کی طرف جاتا ہے، یہ ایک پیمانہ بھی ہے کہ جب ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں اپنا مزاج بھی دیکھنا چاہیے کہ کیا ہماری طبیعت گناہ میں لذت پاتی ہے یا اطاعت میں خوش ہوتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سارے جہانوں کے لیے رحمتِ الٰہی ہیں تو مومن تو بے شمار نعمتیں لے رہا ہے۔ نورِ ایمان لے رہا ہے، آخرت لے رہا ہے، جنت لے رہا ہے، رضائے باری لے رہا ہے تو پھر بھی تہجد کے لیے مشکل سے اٹھتا ہے، فجر رہ جاتی ہے؟ لوگوں کو خواہشاتِ نفس بھلی لگتی ہیں لیکن دین مشکل لگتا ہے۔ رات دو بجے تک ٹی وی دیکھتے رہے ہیں تو تہجد تو رہ جائے گی۔ ان سے فضولیات تو نہیں رہتیں کوئی دنیوی کام نہیں رہتا، گرتے پڑتے پہنچ جاتے ہیں، نمازیں رہ جاتی ہیں تو یہ پیمانہ ہے کہ مزاج کس چیز میں لذت پاتا ہے۔ اللہ کریم نے فرمادیا کہ جو دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تھامے گا اس کے لیے دین کو مزاجِ ثانیہ بنا دیا جائے گا۔ اُسے مزا ہی دین میں آئے گا۔

عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو تو نصیحت اثر کرتی ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کے بھیجے گئے اور رحمتِ الٰہی کے بغیر تو کوئی دم بھی نہیں لے سکتا۔ رحمانیت بھی رحمت کا حصہ ہے جس سے کافر دنیا میں رزق، حیات، اولاد اور نعمتیں پا رہا ہے۔ اسے بھی پیغامِ حق پہنچ رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت کرم فرماتے تھے، کفار ایذائیں دیتے، دکھ دیتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے حق میں بھی دعائیں فرماتے کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ فرمایا: فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ⑨ سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی امید) ہو نصیحت کرتے رہیے۔

فرمایا، جب تک امیدِ نفع ہے نصیحت کرتے رہیے، ذکر کرتے رہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلقین و تاکید فرماتے رہیے کہ اسی سے فائدہ متوقع ہے۔ یہ بھی مراد ہے کہ اللہ کا ذکر کیا جائے کہ یہ شریعتِ مطہرہ کو مزاج بنانے کا نسخہ ہے۔ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرماتے رہیے لیکن ہوگا کیا؟ فرمایا: سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ⑩ جو ڈرتا ہے وہ نصیحت حاصل کرے گا۔

فرمایا، نصیحت تو وہی قبول کرے گا جس کے اندر عظمتِ الٰہی کا احساس پیدا ہوگا۔ چونکہ اردو کا دامن تنگ ہے تو 'خشیت' کا ترجمہ ڈر یا خوف کر دیا جاتا ہے۔ 'خشیت' عربی کا بہت خوبصورت لفظ ہے۔ یہ ایک کیفیت ہے، ایک ادراک ہے جو کسی ہستی کے بارے میں ہو جائے۔ اس کی سادہ سی مثال ہے کہ ہم کسی بندے سے ملتے ہیں جسے ہم نہیں جانتے اور نہ کوئی ہمیں بتانے والا ہے تو ہم پروا نہیں کرتے کہ کون ہے لیکن کوئی ہمارے کان میں کہہ دے کہ یہ وزیر اعظم ہے تو حالانکہ وہ آپ کو جانتا ہے نہ آپ اُسے جانتے ہیں پھر بھی ہم میں ایک کیفیت آ جائے گی۔ جب اس کے مقام و مرتبے کا پتا چلے گا تو اندر احساس ہوگا کہ اس کا تو ادب کرنا چاہیے تھا، اس سے تو ڈرنا چاہیے تھا۔ اسی طرح جب عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو جائے تو نصیحت بھی اثر کرتی ہے کہ انسان کو احساس ہوتا ہے کہ یہ تو اللہ کی بات ہے۔ جنہیں یہ خبر ہی نہیں کہ خالق کی عظمت کیا ہے، اُس کے احسانات کتنے ہیں، اُس کی شان کیا ہے اور ہماری حیثیت کیا ہے تو اُن پر نصیحت کیا اثر کرے گی! جو یہ سب بھولے ہوئے ہیں اُن کی تو آنکھ بند ہونے پر آنکھ کھلے گی البتہ جس میں خشیت آ گئی وہ نصیحت قبول کر لیتا ہے۔ جس کے اندر وہ کیفیت آ جائے پھر اس کا دل کرتا ہے کہ ذاتِ باری سے تعلق پیدا ہو۔ اس سے میری واقفیت بن جائے مجھے پتا چلے کہ وہ مجھ سے کس طرح خوش ہوگا، اُسے کیسے راضی کروں! پھر وہ بندہ نصیحت تلاش کرتا ہے، ڈھونڈتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ ہم بھی تو اللہ کو مانتے ہیں، قیامت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں پھر ہم سے نمازیں کیوں نہیں پڑھی جاتیں؟ جو اللہ کو مانتے ہی نہیں اُن کی بحث چھوڑ دیں۔ ہم تو مانتے ہیں پھر ہم کیوں نماز میں کوتاہی کرتے ہیں؟ اس لیے کہ ماننا اور جاننا دو الگ باتیں ہیں۔ خشیت ماننے سے نہیں بلکہ جاننے سے پیدا ہوتی ہے۔ ہمیں ماں باپ نے کہا، کسی بڑے نے کہا کہ اللہ ہے اور ہم نے مان لیا کہ اللہ ہے۔ اگر کوئی ہمیں آشنائی دلا دے اور ہم جانیں کہ اللہ ہے تو پھر نماز چھوٹے تو پتا چلے۔ ابھی تو ورزش ہے، کبھی چھوٹ بھی جاتی ہے۔ اگر ہم جانیں اللہ ہے اور اس نے فرما دیا ہے کہ اگر سود کھاؤ گے تو میرے اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہارا اعلانِ جنگ ہے۔ پھر خواہ کروڑوں کی ڈھیری لگ جائے سود کی، کوئی ساری دنیا کی دولت اکٹھی کر دے، مسلمان سود نہیں کھائے گا۔ مسلمان بھاگ جائے گا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پھر آج مسلمان سود کھا رہے ہیں اس لیے کہ ہم مانتے ہیں جانتے نہیں، ہم میں خشیت نہیں ہے عظمتِ الٰہی کا ادراک نہیں ہے۔

سو نصیحت وہی قبول کرتا ہے جس میں خشیت ہو اور ایسے بھی ہیں جو ایک کان سے سُن کر دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔ فرمایا: وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ⑪ اور (بے خوف) بد بخت پہلو تہی کرے گا۔

فرمایا، جو بہت بڑے بد بخت ہیں انہیں نصیحت کی باتیں پسند نہیں آتیں، انہیں وہ مشکل لگتی ہیں چنانچہ وہ سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ 'شقی' بد بخت کو کہتے ہیں اشقٰی مبالغے کا صیغہ ہے یعنی جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے دور بھاگتا ہے، اُس سے بڑا کوئی بد بخت ہو نہیں سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالی اور صحبت کی برکات سے، شریعت اور ذکرِ الٰہی سے وہی الگ ہو سکتا ہے جو بہت ہی بدنصیب ہے۔ بارگاہِ رسالت پناہی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھاگے گا تو کہاں جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن چھوڑ کر بھاگے گا تو کہاں پہنچے گا؟ فرمایا: الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿١٣﴾ جو (قیامت کو) بڑی (تیز) آگ میں داخل ہوگا۔ پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جی سکے گا۔

فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے بھاگے گا تو بہت ہی بڑی آگ جو جہنم میں بھڑک رہی ہے، اُس میں جا گرے گا۔ جہنم ایسی بلا ہے جہاں کبھی کوئی مرے گا نہیں اور زندگی کا کوئی تصور بھی نہیں ہوگا۔ وہاں جل رہا ہوگا، تڑپ رہا ہوگا کہ جہنم کی آگ صرف جلد کو نہیں جلاتی بلکہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (الھمزۃ:7) جو دلوں پر جا لپٹے گی۔ جب انگلی کو چھوئے گی تو دل کے نہاں خانے میں اس کی تپش جائے گی اور ایک ایک سیل CELL کو جلائے گی۔ جہنم میں پانی پینے کے لیے پانی کو منہ کی طرف لے جائے گا تو چہرے کی کھال گر جائے گی، پیئے گا تو انتڑیاں گل جائیں گی۔ کھانا کھائے گا تو یہی حال ہوگا اور کھال جلتی جائے گی، انتڑیاں گلتی جائیں گی اور ساتھ ساتھ بنتی جائیں گی اور مسلسل آگ کا عذاب ہوتا رہے گا۔ اس کا لباس بھی آگ کا ہوگا، مارنے والے بھی الگ ہوں گے اور زنجیریں بھی آگ ہی کی ہوں گی۔ وہاں زندگی کا کوئی تصور نہیں ہوگا لیکن یہ مرے گا بھی نہیں۔

فلاح پانے کے لیے تزکیہ اور تزکیے کے لیے ذکرِ اسمِ ذات لازم ملزوم:

فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ﴿١٥﴾ جو پاک ہوا یقیناً وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا پھر عبادت کرتا رہا۔

عربی میں قَدْ ماضی کے ساتھ لگایا جاتا ہے یعنی یہ ہو چکا تو جو بات قطعی ہونی ہے، وہ اگرچہ مستقبل میں بھی ہونی ہو تو اُسے ماضی کی طرح بیان کیا جاتا ہے۔ یہ عربی کا قاعدہ ہے۔ سو فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ ۔۔۔ وہ کامیابی پا چکا، کامیاب ہو چکا گو زندگی تو ابھی باقی ہے موت کا مرحلہ، برزخ کی آزمائش باقی ہے، میدانِ حشر کا معاملہ باقی ہے لیکن اعلان کر دیا گیا کہ اس کا فیصلہ ہو چکا یہ فلاح پا چکا یعنی یہ یقیناً کامیاب ہوگا۔ اردو میں فلاح کا معنی کامیابی ہے۔ ہمارے ہاں کامیابی کا تصور یہ ہے کہ کسی بھی ایک معاملے میں کامیاب ہونا مثلاً طالب علم کا امتحان میں کامیاب ہو جانا

اُس کی کامیابی ہے۔ تاجر کا تجارت میں نفع کمانا اُس کی کامیابی ہے۔ ڈاکٹر علاج کرے اور مریض روبصحت ہوجائے تو یہ ڈاکٹر کی کامیابی ہے۔ اسی طرح ہر شعبے میں جزوی طور پر جو کام ہو رہا ہے اس میں مقصد کو پالینا کامیابی ہے لیکن جب انسانی زندگی کا سوال آتا ہے تو پھر کامیابی کا معنی بہت وسیع ہوجاتا ہے۔ جب حیاتِ انسانی کے ساتھ فلاح کو، کامیابی کو جوڑا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کسی نے دنیوی زندگی بھی کامیاب گزاری، موت کے مرحلے سے گزرتے ہوئے کامیابی سے گزرا۔ پھر حیاتِ برزخ میں کامیاب رہا اور میدانِ حشر کی آزمائش میں کامیاب رہا۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے رحمت اور انعام پاکر جنت میں ہمیشہ کی کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ قرآن اسے فلاح کہتا ہے۔ جب بارگاہِ الٰہی کی طرف مؤذن دعوت دیتا ہے تو وہ پکارتا ہے 'حی علی الفلاح' آؤ فلاح کی طرف یعنی ان تمام امور میں جو اجماعی کامیابی ہے وہ رضائے باری ہے۔ اب رضائے باری کو پانے کے لیے صرف ایک بات بیان فرمائی، فرمایا: مَنۡ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ جو پاک ہوا۔ جس کا دامن پاک رہا یقیناً وہ کامیاب ہوگا۔ یہ پاکیزگی کیا ہے؟ قرآن جب تزکیہ کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس سے مراد ہے کہ اس کا دامن اللہ کی نافرمانی کی آلودگی سے پاک ہو۔ اطاعتِ الٰہی کے اندر ہی طہارت اور پاکیزگی ہے جبکہ ہر نافرمانی ایک تاریکی ہے، ایک دھبہ ہے، ناپاکی اور غلاظت ہے۔ تزکیہ ایسی پاکیزگی ہے کہ انسان کا ایمان ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہو، صاف ستھرا کھرا ہو۔ اللہ کی توحید پر، اُس کی ذات اور صفات پر ایمان کھرا ہو۔ عقیدۂ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم صاف ستھرا ہو، تمام ضروریاتِ دین پر صاف ستھرا ایمان ہو اور اس کے اعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ اطاعت کے اندر ہوں تو اسے قرآن پاکیزگی یا تزکیہ کہتا ہے۔ ایک آدمی پاک صاف رہتا ہے نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہنتا ہے تو وہ ظاہرا پاک ہوتا ہے لیکن تزکیے سے مراد ایسی پاکیزگی ہے جس میں باطن پاک ہو۔

انسان سے بھول چوک ہوجاتی ہے، غلطی ہوجاتی ہے جیسے دنیا میں گلی سے گزرتے ہوئے کپڑوں پر چھینٹے پڑ جاتے ہیں کبھی نادانی سے کیچڑ پر پاؤں آجاتا ہے اور آلودہ ہوجاتا ہے تو انسان دھولیتا ہے۔ اسی طرح غلطی کا علاج توبہ ہے، رجوع الی اللہ ہے کہ توبہ سے اُسے دھولے، پاک کرلے۔

اللہ کریم نے دنیا انسانوں کے لیے ہی بنائی ہے اور یہ بظاہر بڑی خوشنما لگتی ہے۔ ارشادِ باری ہے، فرمایا: هُوَ الَّذِيۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا (البقرہ:29) وہی تو ہے جس نے زمین میں سب کچھ تمہارے لیے پیدا کیا۔ فرمایا، تم اسے استعمال کرو، اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، اچھا کماؤ لیکن طریقِ استعمال وہ ہو جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ اس دائرۂ اطاعت کے اندر رہتے ہوئے دنیا کو استعمال کرو۔ جب ہم

حدِ اطاعت توڑ کر دیوانہ وار جھپٹتے ہیں اور دوسروں کا حق لیتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، لوٹ مار کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرتے ہیں تو وہ زہر بن جاتی ہے۔ وہ دولت ناپاک ہوجاتی ہے اور دامن کو بھی ناپاک کردیتی ہے۔

بارِالٰہا! ہم کمزور انسان ہیں، آب وخاک کے بنے ہوئے ہیں اور ہمارے ساتھ نفس بھی ہے۔ پھر ایک ایسی آزمائش ہے کہ شیطان بھی پیچھے لگ گیا ہے۔ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے انبیاؑ مبعوث فرمائے اور اُنہیں وہ انوارات اور تجلیات عطا فرمائیں جو دلوں کو روشن کرتی ہیں لیکن ہم بہت دور تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم اس ساری غلاظت سے، ان ساری قباحتوں سے کیسے نکلیں؟ ہم کس طرح دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں اور وہاں سے تزکیہ پاکیزگی اور نور حاصل کریں؟ فرمایا، اس کا بھی حل ہے، فرمایا: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا پھر عبادت کرتا رہا۔

ذکرِ اسمِ ذات:

فرمایا، یہ بھی تمہاری ضرورت ہے کہ تم ان تاریکیوں سے نکلو، تم انوارات باری اور برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچو اور وہاں سے انوارات سمیٹ کر اپنا دامن صاف کرو، پاک کرو، منور کرو اور کامیابی سے ہمکنار ہوجاؤ۔ تمہاری ضرورتیں پوری کرنے والا تمہارا پروردگار ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اُس کو کیوں بھول لیتے ہو؟ پانی تمہاری ضرورت ہے تو اُس نے آسمانوں سے برسانے کا نظام بنا دیا۔ کھانا تمہاری ضرورت ہے اُس نے زمین سے اُگا دیا، لباس تمہاری ضرورت ہے، اس نے تم تک پہنچا دیا، ہوا تمہاری ضرورت ہے تم تک پہنچا رہا ہے، دوا تمہاری ضرورت ہے تم تک پہنچا دی ہے۔ تمہاری کون سی ضرورت ہے جو وہ پوری نہیں کر رہا؟ تمہارا ایک ربّ ہے! تمہاری تمام ضرورتیں پوری کرنے والا پالنہار ہے۔ تزکیہ تو تمہاری سب سے اہم ضرورت ہے اور یہ بھی اس نے پوری فرمادی۔ اب تمہارے ذمّے صرف یہ ہے کہ اپنے ربّ کے نام کی تکرار کرتے رہو، فرمایا: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا پھر عبادت کرتا رہا۔ یعنی جو اپنے ربّ کے ذاتی نام اللہ کی تکرار کرے گا، ذکرِ اسم ذات کرے گا اُسے ایک ایسا نور مل جائے گا، ایک ایسا راستہ مل جائے گا، ایسی کیفیت دل میں بھی پیدا ہوجائے گی اور دنیا میں اسباب بھی مل جائیں گے کہ اسے تزکیہ نصیب ہوجائے گا۔ اسے دامن صاف کرنے کا سلیقہ آجائے گا اور دامن صاف کرکے دنیا سے سرخرو ہوکر جائے گا۔ اس آیہء کریمہ نے یہاں بہت واضح طور پر یہ علاج بتایا ہے کہ ذکرِ اسم ذات تزکیے کی بنیاد ہے۔ گویا تزکیے کا وہ معیار جو قرآن چاہتا ہے۔ ذکرِ اسم ذات کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ لوگ اس حقیقت سے کیوں بھاگتے ہیں اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے! کتنا واضح اور کھول کر بتایا گیا ہے کہ ذکرِ الٰہی کے علاوہ تزکیے کا مطلوبہ معیار حاصل کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ آدمی ذکرِ الٰہی کے بغیر بھی نجات پا سکتا ہے کہ عقیدہ اور اعمال درست ہوں تو نجات کے لیے کافی ہیں لیکن نجات پانا ایک بات ہے اور تزکیہ حاصل کر کے مقاماتِ قرب میں قدم رکھنا ایک اور بات ہے۔ یہ دو الگ باتیں ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ (آل عمران:185) پس جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو یقیناً وہ مراد کو پہنچا۔

جو دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں داخل ہو گیا اس کے لیے جیت فَازَ کا لفظ ہے فلاح کا نہیں ہے۔ دوزخ سے بچ جانا نجات پالینا بھی الحمدللہ! بہت بڑی بات ہے لیکن انسان کی تخلیق کا مقصد محض نجات پانا نہیں ہے۔ انسان کا مقصدِ حیات قربِ الٰہی کو پانا ہے، فلاح پانا ہے، مقبولِ بارگاہ ہونا ہے۔

نجات پانے کے لیے بھی عقیدہ درست ہونا ضروری ہے اور بہت مشکل ہے کہ ذکر کے بغیر کسی کا عقیدہ درست ہو الاّ ماشآء اللہ۔ ایسے لوگ یا تو بہت سادہ مسلمانوں میں یا پھر بہت فاضل علما میں ملتے ہیں جن کا کردار بھی صاف ستھرا ہو اور عقیدہ بھی درست ہو۔ الحمدللہ! نجات پا جاتے ہیں بہت اچھی بات ہے لیکن یہ تو وہاں پتا چلے گا کہ محض نجات پانے اور مقاماتِ قرب پانے میں کتنا فرق ہے!

ایک آدمی دس لاکھ کے سرمائے سے تجارت شروع کرتا ہے اور ساری عمر تجارت کرنے کے بعد اپنے دس لاکھ بچا کر لے آتا ہے تو کیا وہ کامیاب رہا؟ یہ ضرور ہے کہ چلو اصل سرمایہ بچ گیا نقصان نہیں ہوا۔ ایک دوسرا آدمی بھی اس کے ساتھ دس لاکھ سے اپنا کاروبار شروع کرتا ہے اور اتنے عرصے میں دس کھرب کما لیتا ہے تو فلاح کس نے پائی؟ دونوں میں سے کامیاب کون رہا؟ قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ فرماتا ہے کہ جو جہنم سے بچ گیا، جنت میں چلا گیا فَقَدۡ فَازَ۔۔۔ وہ جیت گیا۔ جو بچ گیا چلو ٹھیک ہے لیکن فلاح اس نے پائی جس نے تزکیہ حاصل کیا، برکاتِ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام پائیں اور آخرت میں مقاماتِ قربِ الٰہی پا لیے۔ فرمایا، حصولِ تزکیہ کا ایک ہی طریقہ ہے: وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ ۔۔۔ پروردگار کے نام کا ذکر کرنا۔ اسی لیے قرآن کریم نے تیس سے زائد مرتبہ براہ راست اور سات سو سے زائد مرتبہ بالواسطہ ذکر اللہ کا حکم دیا ہے)۔ ایک ہی حکم کی اتنی تکرار کی گئی ہے تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ذکر اللہ کی کتنی اہمیت ہے۔ قرآن میں اس کا طریقہ بھی ارشاد ہوا فرمایا: وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ فِىۡ نَفۡسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيۡفَةً وَّدُوۡنَ الۡجَهۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ وَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِيۡنَ (الاعراف:205) اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں یاد کریں عاجزی اور خوف سے اور اونچی آواز کے بغیر صبح اور شام (ہمہ وقت) اور (کبھی) بھولنے والوں میں شامل نہ ہوں۔

یہ طریقہ وسلیقہ بیان کر دیا قرآن نے اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں، عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ یاد کرو۔ اُس کی عظمت اور بلند شان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ذکر کرو۔ اس بات کا احساس رکھو کہ میں کتنا حقیر ہوں بے کس ہوں اور وہ کتنا عظیم الشان ہے اور ہمہ وقت ہر لمحہ اسے یاد رکھو۔ کبھی بھی ذکر اللہ سے غافل نہ ہو۔ قرآن نے تو اس حد تک وضاحت سے طریقہ اور سلیقہ ارشاد فرمادیا پھر بھی لوگ پوچھتے ہیں کہ ذکر کا حکم کہاں ہے؟ لوگ کہتے ہیں یہ ذکر تو بدعت ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتی ہیں کہ كَانَ رسول الله (صلى الله عليه وسلّم) يذ كر اللهَ عَلٰى كُلِّ اَحيَانِهٖ (صحیح البخاری، المسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں ذکر اللہ کرتے تھے۔

اس پر علمائے کرام جب بحث فرماتے ہیں کہ 'ہر حال' میں تو تمام انسانی حالات آ جاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سارے حالات وارد ہوتے تھے جس میں رفع حاجت بھی ہے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ رفع حاجت کے وقت تو ذکرِ لسانی جائز نہیں ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُس وقت لسانی ذکر نہیں فرماتے تھے لیکن یہ بات بھی ساتھ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ پھر اس کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذکرِ قلبی کرتے تھے جو ہر حال میں جاری رہتا ہے۔ یہ سب حقائق موجود ہیں۔

ذکر ایسی عبادت ہے جس پر اللہ کریم نے کوئی قید نہیں لگائی جبکہ دیگر تمام عبادات کی حدود و قیود اور شرائط مقرر ہیں۔ نماز کے لیے وضو شرط ہے لباس کا پاک ہونا، قبلہ رو ہونا، وقت کا ہونا شرط ہے۔ فرض روزے کے لیے رمضان کا ہونا، صحت کا ہونا سحری افطار کے وقت کا ہونا شرط ہے۔ حج کے لیے صاحبِ استطاعت ہونا، سفر کی استعداد ہونا، وغیرہ بہت سی شرائط ہیں۔ زکوٰۃ کے لیے صاحبِ نصاب ہونا شرط ہے یعنی ہر عبادت کی حدود و قیود میں لیکن ذکر کے لیے وضو شرط ہے نہ قبلہ شرط ہے۔ اس کے لیے صحت شرط ہے نہ وقت شرط ہے، پاکیزگی شرط ہے نہ ناپاکی مانع ہے۔ ہر حال میں ہر جگہ، ہر وقت اللہ اللہ کرتے رہنا ضروری ہے اور اتنا ضروری ہے کہ اس پر کوئی قید نہیں لگائی گئی، ہمہ وقت کرتے رہنے کا حکم ہے۔ اللہ کریم نے اس کا کوئی طریقہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ اُسے انسانی استعداد پر چھوڑ دیا ہے۔ ہاں کسی طریقے میں کوئی کام خلافِ شریعت نہیں کیا جائے گا۔ اس شعبے کے محققین کی

رائے کے مطابق بے شمار طریقوں سے لوگ ذکر کرتے ہیں اور حدودِ شرعی کے اندر ہر طریقہ جائز ہے۔ کوئی حبسِ دم سے ذکر کرتا ہے۔ کوئی لطائف پر کرتا ہے، کوئی خاموشی سے کرتا ہے، کوئی آہستہ آہستہ کرتا ہے تو سب جائز ہیں اگر اُن میں کوئی ایسا کام نہ ہو جو شرعاً منع ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جس طریقے سے وہ ذکر کرتا ہے وہی باعثِ ثواب ہے اور اس طریقے سے ذکر نہ کرنا گناہ ہے تو پھر یہ بدعت ہو جائے گا۔ اس لیے کہ جب اللہ کریم نے کوئی ایک طریقہ مقرر نہیں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پابند نہیں کیا تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو بدعت ہو جائے گی۔

ہمارے سلسلۂ عالیہ میں طریقہ ذکر ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ جو اس طریقے سے ذکر کرتا ہے وہ ٹھیک ہے، جو نہیں کرتا وہ ٹھیک نہیں ہے تو یہ غلط ہوگا۔ جو جیسے ذکر کرتا ہے یہ اُس کا اور اُس کے ربّ کا معاملہ ہے البتہ شرط اتنی سی ہے کہ طریقہ خلافِ شریعت نہ ہو۔ اگر کوئی ہمارے طریقۂ ذکر پر اعتراض کرتا ہے تو اُس سے پوچھا جائے گا کہ اس میں کون سی خلافِ شریعت بات ہے اور اگر نہیں ہے تو وہ اعتراض بے جا ہے۔ تزکیے کا حصول تو آسان ہے کہ اس کے لیے کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ ہر حال میں ذکر کرنا ہے، کھڑے، بیٹھے لیٹے، وضو، بے وضو، بیمار ہیں یا صحتمند ہر حال میں ذکر کرو۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر عبادت میں خلوص شرط ہے کہ ہر عبادت مثلاً روزہ، نماز، تلاوت، تسبیح وغیرہ خلوص سے کی جائے لیکن ذکر میں وہ شرط بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں، ذکر کرتے رہو تو یہ خود خلوص پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی محض رواجاً بھی ذکر شروع کر دے اور کرتا رہے تو اسی سے خلوص پیدا ہو جاتا ہے اور وہ خلوص سے ذکر کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ بڑا آسان ہے کہ انسان اپنے پروردگار کے نام کی تکرار کرے ذکرِ الٰہی سے دامن پاک کرے اس کا تزکیہ ہو جائے۔ اسے کیسے پتا چلے گا کہ اس کا تزکیہ ہو رہا ہے؟ اُسے کیسے پاکیزگی کی خبر ہوگی؟ فرمایا: فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ پھر وہ اللہ کی عبادت کرے گا۔ اُسے نیکیوں کی بھوک لگے گی۔ عبادت سے صرف نماز روزہ مراد نہیں بلکہ ہر نیکی عبادت ہے۔ اس کا کردار سدھر جائے گا۔ یہ ساتھیوں کے سوال کا جواب ہے جو جاننا چاہتے ہیں کہ اُن کے مراقبات ومنازل کتنے ہیں، جتنا آپ کا کردار سدھرا ہے اتنے ہی آپ کے مراقبات ومنازل ہیں۔ قرآن جواب دے رہا ہے کہ جس نے اپنے پروردگار کے نام کی تکرار کی اُس کے پھر سارے کام اللہ کی عبادت میں ڈھل گئے۔ اُس کا کمانا عبادت، اُس کا کھانا عبادت، اُس کا سفر وحضر عبادت صلح، جنگ، عبادت، اُس کا سونا جاگنا عبادت، دوستی دشمنی عبادت بن جاتی ہے۔ وہ ہمہ وقت گویا سربسجود رہتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی تعریف میں قرآن فرماتا ہے تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح:29) "(اے مخاطب)! تُو اُن کو دیکھے گا (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں۔" صحابہ کرامؓ نے تو حکومتیں کیں، جنگیں لڑیں، ایک عالم فتح کرلیا، سفر کیے، کاروبار کیے، شادیاں کیں، اولادیں ہوئیں۔ ساری دنیا کے کام سرانجام دیتے رہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے سوائے رکوع سجود کے کچھ نہیں کیا۔ اُن کا ہر کام رکوع سجود ہے اس لیے کہ انہوں نے ہر کام پورے خلوص سے اطاعتِ الٰہی کے اندر رہ کر کیا۔

یہاں بھی یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کیا اور اس کا ہر کام عبادت بن گیا۔ یہ اتنا آسان کام ہے پھر ہم کرتے کیوں نہیں؟ تزکیہ حاصل کرنے کا تو سب سے آسان نسخہ ہے ذکر اللہ کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے بغیر کسی شرط کے کیا جا سکتا ہے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دی جائے:

ذکر اللہ کے لیے کوئی شرط نہیں کوئی قید نہیں پھر یہ کیوں نہیں ہوتا؟ فرمایا: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ "مگر تم لوگ دنیا کی زندگی اختیار کرتے ہو۔" فرمایا، یہ اللہ کے ذکر سے محروم رہے اور انہیں دنیوی لذتیں کھا گئیں۔ یہ ایسے بے وقوف ہیں کہ وقتی اور لمحاتی لذتوں میں گم ہو گئے کہ یہ بھی مل جائے، وہ بھی مل جائے۔ انہوں نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی حالانکہ دنیا کی حیثیت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا کی دولت بھی ایک جگہ اکٹھی کرلیں تو ایک دن چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ دنیا چھن جانے والی ہے، فانی ہے۔ فرمایا: وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

دنیا پر فریفتہ ہو کر آخرت کو چھوڑنا اپنے ساتھ! کتنا بڑا دھوکا ہے آخرت تو دنیا سے کروڑہا درجہ بہتر ہے، خوبصورت ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ دنیا کی نعمتیں، دنیوی زندگی گزارنے کے لیے ہیں، ہمیشہ کے لیے نہیں ہیں اور دنیا کو اس انداز میں استعمال کیا جائے کہ وہ آخرت کا نقصان نہ کرے۔ ذکرِ الٰہی سے تزکیہ اور تزکیے سے قربِ الٰہی اور فلاح نصیب ہوتی ہے تو فرمایا، یہ کیوں ذکر نہیں کرتے؟ اس لیے کہ یہ دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت بہت بہتر اور دائمی ہے۔ دنیا کمانا اور استعمال کرنا درست ہے لیکن آخرت کی قیمت پر دنیا نہ خریدی جائے۔ دنیا فانی ہے اور اس کی تمام لذتیں عارضی ہیں۔ اس کے ذائقے حلق سے نیچے نہیں اترتے۔ جس طرح لذیذ کھانے بھی حلق سے اتر جائیں تو ذائقے میں برابر ہو جاتے ہیں اسی طرح دنیا کی ہر لذت بھی عارضی ہے۔ آخرت دائمی اور دنیا سے کروڑوں درجے بہتر ہے۔ فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ

الْاُوْلٰى ۝۱۸ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝۱۹ بے شک یہی بات پہلے صحیفوں میں ہے۔ ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں۔

فرمایا یہ وہ حقیقت ہے جو پہلے صحائف کا بھی ماحصل ہے۔ آسمانی کتابوں میں چار کے نام ہیں باقی انبیاؑ پر جو کچھ نازل ہوا اسے صحیفہ کہتے ہیں جس کی جمع صحائف ہے۔ تمام کتب سماوی اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا سب کا ماحصل اور نچوڑ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرو، آخرت کو طلب کرو کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ ساری عبادات، سارے احکامِ شریعت، سارے ایمانیات اور سارے اعمال اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی گئی شریعت تک، تمام شریعتوں کا تقاضا یہی ہے کہ لوگ تزکیہ حاصل کریں قربِ الٰہی پائیں اور ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جائیں۔

ذاکرین کے لیے لمحۂ فکریہ:

یہ بدنصیبی کی انتہا ہے کہ بعض لوگ ذکر کرتے ہیں لیکن ذکر ان کے دل میں نہیں اترتا اس لیے کہ اُن کے دل میں دنیا ہوتی ہے، خلوص نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ذکر سے فائدہ نہیں ہو رہا۔ ظاہر ہے جب ذکر دل میں نہیں اتر رہا دل میں خلوص نہیں ہے تو پھر خلوص پیدا ہونے کے لیے تو ایک عمر چاہیے اور زندگی اتنی مہلت دیتی ہے یا نہیں، یہ پتا نہیں ہے۔ یہ لوگ ذکر بھی اس انداز میں کرتے ہیں کہ کبھی اجتماع میں آئے کر لیا۔ کبھی گھر میں خیال آیا تو کر لیا ورنہ نہ سہی یعنی مسلسل با قاعدگی سے ذکر بھی نہیں کرتے۔ پھر معاملات میں یہ حال ہے کہ سود کھا لیا، جھوٹ بول لیا جہاں سے تنخواہ لی وہاں ذمہ داری پوری نہ کی یعنی صرف دنیا حاصل کرتے رہے تو جہاں بھی کوتاہی ہوگی وہاں حرام شامل ہو جائے گا اور پاکیزگی نہیں رہے گی۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرو، تزکیہ حاصل کرو اور فلاح پاؤ۔

سورۃ الغاشیۃ رکوع 1 آیات 1 تا 26

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾ عَامِلَةٌ
نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿٥﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ
اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿٦﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿٧﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾
لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ
جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ
مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾
وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ
كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾
اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

کیاتم کوڈھانپ لینے والی کا حال معلوم ہوا؟ ﴿۱﴾ بہت سے چہرے اُس دن ذلیل
ہوں گے ﴿۲﴾ سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے ﴿۳﴾ دہکتی آگ میں داخل
ہوں گے ﴿۴﴾ ان کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا ﴿۵﴾ اور خاردار جھاڑ
کے سوا ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا ﴿۶﴾ نہ وہ فربہی لاتا ہے اور نہ بھوک میں کفایت
کرتا ہے ﴿۷﴾ کتنے چہرے اُس دن شادمان ہوں گے ﴿۸﴾ اپنے اعمال (کی
جزا) سے خوش ﴿۹﴾ بہشت بریں میں ﴿۱۰﴾ وہاں کوئی فضول بات نہیں سنیں
گے ﴿۱۱﴾ اس میں چشمے جاری ہوں گے ﴿۱۲﴾ وہاں اونچے بچھے ہوئے تخت ہوں

گے ﴿۱۳﴾ اور آبخورے رکھے ہوئے ﴿۱۴﴾ اور گاؤ تکیے قطاروں میں لگے ہوئے ﴿۱۵﴾ اور نفیس مسندیں بچھی ہوئیں ﴿۱۶﴾ تو کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے ﴿۱۷﴾ اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے ﴿۱۸﴾ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے نصب کیے گئے ہیں ﴿۱۹﴾ اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے ﴿۲۰﴾ سو آپ نصیحت کرتے رہیے کہ آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں ﴿۲۱﴾ (اور) آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں ﴿۲۲﴾ ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہیں مانا ﴿۲۳﴾ تو اللہ اس کو بڑا عذاب دیں گے ﴿۲۴﴾ بے شک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے ﴿۲۵﴾ پھر یقیناً ہم کو ہی ان سے حساب لینا ہے ﴿۲۶﴾

تفسیر ومعارف

سورۃ الغاشیہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

فرمایا: هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① "کیا تم کو ڈھانپ لینے والی کا حال معلوم ہوا؟" فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کی خبر پہنچی جو ہر چیز کو، ہر فرد کو ڈھانپ لے گی۔ جس سے کوئی چیز بھاگ نہیں سکے گی۔ جو ہر شَے پر چھا جائے گی یعنی قیامت کا حال معلوم ہوا؟ قیامت ایک ایسا حادثہ ہوگا جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ چند چیزوں کو اللہ کریم نے اس سے استثنٰی بخشا ہے مثلاً جنت، دوزخ، عرشِ الٰہی اور لوحِ محفوظ فنا نہیں ہوں گے۔ ان کے علاوہ کچھ باقی نہیں بچے گا۔ پھر اللہ جلّ شانہٗ کی مرضی جس کو بچانا چاہیں فرمایا: الْغَاشِيَةِ ① یعنی لپیٹ میں لے لے گی، چھا جائے گی، اس سے کوئی بھاگ نہیں سکے گا، چھپ نہیں سکے گا سب کو گرفت میں لے لے گی۔ اس کا مفہوم یوں بھی بنتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بات سنائیں جو سب کو لپیٹ میں لے لے گی، ہر شَے پر چھا جائے گی!

غیر شرعی مجاہدے کرنے والوں کا انجام:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ② عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③ بہت سے چہرے اُس دن ذلیل ہوں گے۔ سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔

اُس دن بہت سے چہروں پر ذلت چھا رہی ہوگی انتہائی رسوائی میں گرفتار ہوں گے حالانکہ دنیا میں انہوں نے اتنے مجاہدے کیے ہوں گے اتنی مشقت کی ہوگی کہ تھک ہار کر آخرت میں پہنچیں گے۔

انسان اللہ کریم کی بہترین مخلوق ہے۔ اللہ کریم نے اسے بہترین استعداد عطا فرمائی ہے، بہت خوبصورت انداز میں اسے پیدا فرمایا ہے۔ اس کا مادّی وجود بہت متوازن خوبصورت اور حساس بنایا۔ اسے سمع و بصارت، حسیات عطا فرمائیں اور دماغ دیا جو ایسا کمپیوٹر ہے جس کی وسعت کا اندازہ لگانے سے جدید سائنس ابھی تک قاصر ہے۔ انسانی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو بہت سی قومیں جو گزر چکی ہیں اور اکثر وہ قومیں جو تباہ ہوئیں انہوں نے سائنسی علوم میں اتنی ترقی کی کہ آج کی سائنس بھی ابھی تک وہاں نہیں پہنچ پائی۔ یہ عجیب بات ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے انہوں نے کسی پہلو سے ترقی کی ہو بعد والوں نے کسی اور پہلو پر کی ہو اور آج کی سائنس کسی اور پہلو پر کر رہی ہو۔

قومِ عاد کے آثار دیکھے جائیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس خوبی سے اُنہوں نے چٹانوں کو تراش کر اُن میں کمرے محرابیں، ستون اور ان پر نقش و نگار بنائے اور اتنی مضبوط چٹانیں ہیں کہ صدیاں بیت گئیں لیکن ابھی تک ان پر کیا گیا نقش و نگار بھی سلامت ہے۔ انہوں نے کئی منزلہ گھر اُن چٹانوں میں بنا دیے اور چٹانوں کو تراش کر شہروں میں تبدیل کر دیا۔ وہ کس طرح پیمائش اور کٹائی کرتے تھے، یہ بہت حیران کن ہے۔ فرعون نے مصر میں اہرامِ مصر بنوائے جن کے لیے بڑی بڑی چٹانیں لا کر جوڑی گئیں اور اُن سے اہرام تعمیر ہوئے۔ اتنی بڑی چٹانیں اتنی بلندی تک کیسے لے گئے اور انہیں کیسے آپس میں جوڑا گیا، یہ ایک معمہ ہے۔ آج کے ایک سائنسدان کا کہنا ہے کہ اگر ہم چاہیں کہ ایک کارڈ کو دو چٹانوں کے درمیان داخل کریں تو نہیں کر سکتے۔ ان چٹانوں کو اس اندازے اور صفائی سے کاٹا اور جوڑا گیا ہے کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اُن میں اتنا خلا نہیں ہے کہ ایک کاغذ داخل کیا جا سکے۔ ان اہرام کی تعمیر میں جیومیٹری کے جو اصول ہیں وہ سورج کی شعاعوں سے متعلق ہیں کہ اگر اُن اہرام کے اندر کوئی لاش رکھ دیں تو وہ متعفن نہیں ہوتی یہ ان کی جیومیٹری میں مہارت تھی جس کی بدولت ایسے اہرام بنائے گئے۔

جنہیں عادِ ارم کہتے ہیں، اُن کی بنیاد ارم نے رکھی۔ اِرم کا بیٹا شداد تھا جس نے دنیا میں اپنی طرف سے جنت تعمیر کی تھی۔ اس نے اس ارضی جنت میں ایسی عجیب و غریب عمارتیں بنائیں جو ستونوں پر استوار تھیں۔ ہیرے جواہرات سے مرصع در و دیوار بنائے، ہوا میں بلند بالا خانے بنائے۔ عجیب و غریب باغات اور چشمے بنائے۔ علما اسے اللہ کریم کی جنت کے بارے بتاتے تاکہ وہ انعاماتِ الٰہیہ پانے کی کوشش کرے لیکن اس نے علما سے سن کر اس کے مطابق جنت کی نقل بنانے کی پوری کوشش کی۔

یہ ساری باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ گزشتہ اقوام نے مادّی علوم میں بڑی ترقی کی تھی۔ یہ انسان

کی دماغی صلاحیتیں ہیں، وجود کی طاقتیں ہیں جو اللہ نے اس میں رکھی ہیں لیکن انسان کی اصل قوت تو عالمِ امر کی روح ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ جب 'الانسان' کہا جائے گا تو اس سے مراد روح ہوگی۔ چونکہ روح کے بغیر کسی کو انسان نہیں کہا جاتا بلکہ میّت یا نعش کہا جاتا ہے۔ اگر اس مادّی وجود کو اتنے کمالات عطا ہوئے ہیں تو روح تو عالمِ امر سے ہے۔ اس کے کمالات کتنے ہوں گے؟ اس کی رسائی کہاں کہاں تک ہوگی؟ یہی رسائی اس کے لیے جہاں بہت عظمت کا سبب ہے وہاں بہت بڑی آزمائش بھی بن گئی ہے۔ اگر یہ عظمتِ باری سے آشنا ہو جائے اور اسے اطاعتِ الٰہی نصیب ہو جائے تو یہ انسانی درجے کو پالیتا ہے ورنہ وہ اپنے آپ کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ وہ مخلوق ہے اور اس کا ایک خالق بھی ہے جو ہر لحہ اس کے لیے حیات کے وسائل مہیا کر رہا ہے۔ اُسے یہ بھول جاتا ہے کہ کائنات کا ایک مالک بھی ہے جس نے اسے استعمال کرنے کے طریقے اور سلیقے مقرر کر دیے ہیں اور ان کے مطابق استعمال کرنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ جب انسان اپنی صلاحیتوں کو ذاتی کمال سمجھ لے تو اللہ کی عظمت بھلا دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ کائنات میری ہے، اس کی ہر چیز میری ہے لہٰذا میری آرزو اور خواہش کے مطابق ہر کام ہونا چاہیے۔ وہ اپنی بساط کے مطابق اپنی خدائی کا دعویدار بن جاتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہر بندہ خدا بننا چاہتا ہے، خود فیصلے کرنا چاہتا ہے اور انہیں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ جو وہ چاہے وہ ہو جائے۔ اب یہ مقام تو اللہ ربّ العزت کا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ بندہ جب خدا بننا چاہتا ہے تو فساد پیدا ہوتا ہے، خرابی پیدا ہوتی ہے۔ زبانی تو کوئی نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں، بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو یہ دعویٰ کرتے ہوں لیکن اُن کا کردار، اُن کی سوچ اور زندگی بتاتی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہر کام ویسا ہو جیسا وہ چاہیں۔ جو وہ کہیں وہ ہو جائے۔ اب بندہ تو بندہ ہے اور یہ شان تو ربّ العزت کی ہے کہ جو وہ چاہے ہو جائے تو اس خدائی کو پانے کے لیے پھر انسان بہت محنتیں، بہت کوششیں کرتا ہے۔ اس کام کے لیے لوگ بہت زور لگاتے ہیں۔ اس میں پھر دو طرح کی محنتیں کی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ مال و دولت جمع کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں، جائز ناجائز، چوری، زوری ہر طرح سے چاہتے ہیں کہ اُن کے پاس دولت کے انبار لگ جائیں۔ اس دولت کی وجہ سے پھر اُن کا حکم چلے اور جو وہ کہیں وہ ہو جائے یوں وہ چھوٹے موٹے خدا بن جاتے ہیں۔ اُن کے گرد ایسے لوگ جمع ہو جاتے ہیں جو ہمہ وقت اُن کی خوشامد کرتے رہتے ہیں انہی کے سامنے جھکے رہتے ہیں اور جو وہ کہتے ہیں اُن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ یوں اسی کام میں ساری عمر کھپا دیتے ہیں۔ کچھ لوگ سیاسی قوت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے بہت مجاہدہ کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، خوشامدیں کرتے ہیں بہت زور لگاتے ہیں۔ ساری عمریں لگا کر کوئی سیاسی مقام و مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر اُن کے گرد بھی پجاریوں کا گروہ، خوشامدیوں کا ٹولہ جمع ہو جاتا ہے جو اُن کی ہر بات پر سرِ تسلیم خم کرتا رہتا ہے اور وہ خوش ہوتے رہتے ہیں کہ کچھ ہمارے بھی ماننے

والے ہیں۔ایک تیسرا طبقہ بھی ہے جو مذہب کے نام پر چلّہ کشیاں کرتے ہیں، بھوک کاٹتے ہیں رت جگے کاٹتے ہیں، اوٹ پٹانگ وظیفے پڑھ پڑھ کر محنتیں کرتے ہیں۔ مقصد کیا ہوتا ہے؟ جنات کو مسخر کرلیں تاکہ جو چاہیں کریں۔ جنات کے ذریعے لوگوں کو اپنے قابو میں کرلیں۔ پھر لوگ خوشامد کریں اور جو حکم ہو بجالائیں۔ یہ تینوں طبقے ایک ہی مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی خود کو خدا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

ہر دور میں مذہب کے نام پر بھی لوگوں نے بہت پُرمشقت مجاہدے کیے۔ آتش پرستوں کا یہ حال ہے کہ بیس بیس، پچیس پچیس سال آگ کے گرد بیٹھے رہتے ہیں۔ بت پرستوں کو دیکھیں تو انتہائی پُرمشقت چلّے کاٹتے ہیں۔

ہمارے اس علاقے میں بھی ایک گہری جگہ ہے نیلا واہن جہاں پانی جاری رہتا ہے وہاں ہندو جوگیوں نے چھوٹے چھوٹے حجرے بنا رکھے تھے جس میں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل داخل ہوتے تھے۔ اُن میں صرف بیٹھنے کی جگہ ہوتی تھی، کھڑے ہونے یا لیٹنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس میں چالیس دنوں کے لیے سوگی کے چالیس دانے اُن کی غذا ہوتی تھی یعنی ایک دانہ روزانہ کی خوراک تھی۔ وہاں دن رات بیٹھ کر پُرمشقت چلّہ کشی کرتے تھے۔ مقصد کیا ہوتا تھا؟ یہی کہ دنیا مسخر ہوجائے، جو چاہیں وہ ہوجائے۔ آج بھی مذہب کے نام پر چلّہ کشیاں، ناجائز عملیات و وظائف کیے جاتے ہیں۔ عجیب عجیب چلّہ کشیاں کی جاتی ہیں، چالیس دن دریا میں کھڑے رہتے ہیں، غاروں اور جنگلوں میں بیٹھے رہتے ہیں، بھوک کاٹتے ہیں۔ حاصلِ مجاہدہ یہی ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے تابع ہوجائیں، ہم خدا بن جائیں۔

فرمایا، انہوں نے دنیا میں بڑی محنت کی ہوگی، بڑے مجاہدے کیے ہوں گے اور تھکے ہارے محنت مشقت کے مارے ہوئے آخرت میں پہنچیں گے اور وہاں اتنی ذلت ہوگی جس کی کوئی حد نہیں۔ جب میدانِ حشر میں پہنچیں گے تو فرمایا:

تَصۡلٰی نَارًا حَامِیَۃً ۝۴ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

فرمایا، اس لیے کہ وہ ساری محنت سارے مجاہدے انہوں نے اپنی بڑائی کے لیے کیے۔ وہ ساری چلّہ کشیاں خود کو خدا بنانے کے لیے کیں، ساری محنت باطل پر کی۔ سو خلافِ شریعت، خلافِ سنت کوئی محنت، محنت نہیں ہے، کوئی مجاہدہ، مجاہدہ نہیں ہے اور کوئی ریاضت، ریاضت نہیں ہے۔ دین بڑی سادہ سی بات ہے، سیدھی سی بات ہے۔

خلافِ پیغمبر کس راہ گزید
او ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

دین سیدھی سی بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کیا جائے۔ اُس کے خلاف جو بھی کرے گا وہ کبھی منزل نہیں پا سکے گا۔

کسی بزرگ نے اپنے شاگرد کو خلیفہ مجاز بنا کر لوگوں کی تربیت کرنے کی اجازت دی۔ وقتِ رخصت شاگرد

نے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرما دیجیے کہ میں کیسے رہوں، انہوں نے فرمایا، سادہ سی بات ہے خدا بننے کی کوشش نہ کرنا۔ رسولؐ بننے کی کوشش نہ کرنا تو سارا معاملہ درست رہے گا۔ وہ سن کر حیران ہو گیا کہنے لگا، العیاذ باللہ! کوئی مسلمان یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ خدا ہے یا رسول ہے؟ یہ تو کفر ہے۔ انہوں نے فرمایا، دیکھو اندر ایک خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ جو میں چاہوں ویسا ہو جائے خواہ زبانی کہو نہ کہو۔ یہ اللہ کا منصب ہے کہ جو چاہے وہ ہو جائے۔ اب اگر کوئی یہ چاہے کہ میں جو کہوں وہ ہو جائے تو وہ خدا بننے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ فرمایا، تم خدا بننے کی کوشش نہ کرنا اور یہ آرزو بھی نہ کرنا کہ ہر بندہ تمہاری عزت کرے، ادب واحترام کرے اور ہر کوئی تم سے محبت کرے کہ یہ منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ لوگ تم سے اختلاف بھی کریں گے، مختلف رائے بھی رکھیں گے تمہارا احترام نہیں بھی کریں گے تو اُن سے خفا نہ ہونا کیونکہ یہ مقام صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ ہر ایک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام واجب ہے۔ تم خدا نہ بننا، رسول نہ بننا تو باقی ٹھیک ہے۔ اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو یہی دو مصیبتیں ہماری تباہی کا سبب ہیں۔ کوئی خدا بننا چاہتا ہے تو کوئی رسول بننا چاہتا ہے۔ ان کی یہی آرزو ہوتی ہے لوگ وہی کریں جو یہ کہتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے گرد وہی لوگ رہ پاتے ہیں جو اُن کی مانتے ہیں۔ جو ہر وقت اُن کی خوشامد کرتے ہیں۔ جو بات بات پر اُن کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ شریعت بندے کو عظمتِ الٰہی کا اقرار کراتی ہے، اُسے بندگی سکھاتی ہے کہ بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے، عبادت اللہ کی ہو گی۔ عزت اور احترام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ عبادت اللہ کی اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو گی۔ باقی سب برابر ہیں، فرق عمروں کے احترام کا ہے، رشتوں کے احترام کا ہے، استادی شاگردی کے احترام کا ہے، باپ بیٹے کے لحاظ کا ہے۔ فرق آداب واخلاق کا ہے، الوہیت اور رسالت کا نہیں ہے۔ اب بندہ جب بندہ ہو کر خدا بننا چاہتا ہے تو وہ خدا تو بن نہیں سکتا لہٰذا فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ گھروں میں بھی فساد کی یہی وجہ ہے کہ میاں کہتا ہے جو میں کہتا ہوں وہ ہونا چاہیے بیوی کہتی ہے جو میں کہتی ہوں وہ ہونا چاہیے۔ اس بات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ کون صحیح ہے کون غلط لیکن بات یہ ہوتی ہے کہ میری مانو۔ دونوں خدائی دعویٰ کیے بیٹھے ہیں، اب دو خدا کیسے گزارا کریں! بہن بھائیوں میں فساد مچا ہوا ہے، بھائیوں میں جنگ ہو جاتی ہے۔ سیاستدان لڑ رہے ہیں، حکمران لڑ رہے ہیں، اساتذہ لڑ رہے ہیں، وکلا لڑ رہے ہیں۔ علماء دست وگریبان ہیں۔ آج کون فساد سے بچا ہوا ہے؟ سب لڑ رہے ہیں۔ کیوں لڑ رہے ہیں؟ سارے جھگڑوں کا تجزیہ کر لیں تو خداؤں کی خداؤں سے جنگ ہے۔ قرآن میں آتا ہے، اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر ایک سے زیادہ اِلٰہ ہوتے تو ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے۔ وہی قانون ہے، جب گھر میں دو خدا جمع ہو جاتے ہیں تو جنگ ہو جاتی ہے۔ کوئی ایک خدائی دعویٰ چھوڑ دے تو جنگ ختم ہو جاتی ہے۔ اگر دونوں اللہ کی مان لیں تو جھگڑا ختم ہو جائے اور صلح ہو جائے۔ اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

بات نہ ماننے پر تو کبھی کسی کو جھگڑتے نہیں دیکھا۔ یہ تو ہم بھول ہی چکے ہیں۔ اللہ کریم نے انسان کو اتنی صلاحیتیں اس لیے دیں کہ وہ اس کی عظمت کو پہچانے، اس لیے نہیں کہ برابری کا دعویٰ کرے۔

یہ جتنے خلافِ سنت اوراد و وظائف اور چلّہ کشیاں ہیں، یہ رضائے الٰہی کے لیے نہیں ہیں بلکہ اپنی بڑائی کے لیے ہیں۔ ان چلّہ کشی کرنے والوں کو اکثر اُن وظیفوں کے مفہوم بھی نہیں آتے جو وہ پڑھتے ہیں۔ اُن میں عموماً کفریہ کلمات یا شیطانی کلمات ہوتے ہیں۔ تعویذ لکھتے ہیں لیکن جانتے ہی نہیں کہ کیا لکھ رہے ہیں اُن میں بھی شیطانی کلمات لکھ دیتے ہیں۔ تسبیحات پڑھتے رہتے ہیں جن کا معنی نہیں جانتے اور محض اپنی بڑائی مقصد ہوتا ہے۔ ایسی محنتیں بالآخر جہنم اور عذابِ الٰہی کا سبب بنتی ہیں۔ فرمایا: تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ ان کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔

یہ لوگ جس جگہ داخل ہوں گے وہ ساری کھولتی، بھڑکتی، دہکتی ہوئی آگ ہوگی۔ جو پانی ملے گا وہ اتنا کھولتا ہوا ہوگا کہ برتن چہرے کی طرف لے جائیں گے تو چہرے کی کھال گل کر برتن میں گر جائے گی۔ پانی پئیں گے تو انتڑیاں گل کر گرتی جائیں گی۔ کھال اور انتڑیاں گرتی جائیں گی گلتی جائیں گی اور ساتھ ساتھ نئی بنتی جائیں گی۔ ایسے کھولتے پانی کے چشموں سے سیراب ہوں گے! فرمایا: لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ اور خاردار جھاڑ کے سوا ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا۔

ان لوگوں کو جہنم کی کانٹے دار جھاڑیاں، خاردار جھاڑ جھنکار، پودے بطورِ غذا دیے جائیں گے جو بے انتہا اذیت کا باعث ہوں گے۔ دنیا میں بھی ایسی خاردار جھاڑیاں ہیں بعض ایسے پودے بھی ہیں جن کے کانٹے زہریلے ہیں۔ کانٹا تو ویسے بھی چبھ جائے تو باعثِ ایذا ہوتا ہے لیکن زہریلا کانٹا چبھے تو صرف درد نہیں ہوتا بلکہ وہاں زخم بن جاتا ہے، پیپ پڑ جاتی ہے۔ اگر دنیا میں ایسے خارزار ہیں تو جہنم کے جھاڑ جھنکار اور خارزار کیسے ہوں گے! اُن کے اثرات و نتائج کیا ہوں گے اور وہ کتنے تکلیف دہ ہوں گے، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ فرمایا، وہاں پینے کو کھولتے پانی اور کھانے کے لیے خاردار جھاڑ جھنکار ملے گا اور پھر یہ نہیں کہ دو لقمے یا دس لقمے کھالیں تو بات ختم ہو جائے گی۔ فرمایا، اُن کی بھوک ہی نہیں مٹے گی اور وہ کھاتے رہیں گے کہ انہیں کھانے پڑیں گے۔ فرمایا: لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝ نہ وہ فربہی لاتا ہے اور نہ بھوک میں کفایت کرتا ہے۔

اُن کو ایسی اذیت ناک چیزیں کھانے کو دی جائیں گی جن سے بدن کی کوئی تعمیر ہوگی نہ کوئی گوشت بنے گا نہ جسم کو طاقت ملے گی اور نہ ہی بھوک مٹے گی، بس کھاتے ہی رہیں گے۔ دنیا میں تو کوئی میٹھا کھائے یا کڑوا کھائے، لذیذ کھائے یا بے لذت کھانا کھائے، ایک مقدار ہوتی ہے کھانے کی کہ اچھا تھا یا برا تھا چلو پیٹ بھر گیا۔ وہاں چونکہ کھانا

بھی عذاب کی صورت ہوگا چنانچہ بطورِ سزا کھانا پڑے گا۔ سو وہ لوگ کھاتے رہیں گے لیکن بھوک نہیں مٹے گی۔ بھوکے ہی رہیں گے پھر منہ ماریں گے، وہی جھاڑ جھنکار ہوگا، پھر سے زخمی ہوں گے، زبان، ہونٹ زخمی ہو جائیں گے، حلق پھٹ جائے گا، زخم بن جائیں گے انتڑیاں پھٹتی چلی جائیں گی، درد سے چلّا رہے ہوں گے۔ ہاتھ لگائیں گے تو ہاتھ پھٹ جائیں گے لیکن وہی کھا رہے ہوں گے۔ ارے! بس کیوں نہیں کر دیتے؟ چھوڑ دو! وہ بھوک نہیں مٹی لہٰذا کھاتے رہیں گے۔

یہ سارا دردناک عذاب کس بات پر ہوگا؟ حالانکہ یہ اُن لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے بڑی محنتیں، بڑے مجاہدے، بڑی کوششیں کی، بہت دکھ اٹھائے اور تھکے ہارے قیامت کو پہنچے! ان کا جرم کیا تھا؟ ان کا قصور یہ تھا کہ یہ بندے ہو کر خود کو خدا ثابت کرنا چاہتے تھے۔

اللہ کریم نے بڑی تفصیل سے قیامت اور جہنم کا نقشہ کھینچا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کو اتنی صلاحیتیں اس لیے دی تھیں کہ اُسے اللہ کی معرفت نصیب ہو اور وہ اُس کی عظمت کا ادراک کرے۔ اُسے یہ احساس ہو کہ اللہ کی ساری مخلوق اپنی حیثیت میں باکمال ہے۔ جس ذات نے ایک چیونٹی سے لے کر سب حیوانوں کو ان کی ضرورت کے مطابق شعور عطا کیا ہے، وہ ذات کتنی عالیشان ہوگی! پھر انسانوں کو تو عطا کرنے میں حد ہی کر دی، بے شمار کمالات عطا فرمائے۔ انسان کو جو کمال ملا وہ معرفتِ الٰہی تھا لیکن بجائے اللہ کی عظمت تک پہنچنے کے انسان خود خدائی دعویدار بن بیٹھا! اللہ نے تو زمین کے ہر ذرّے کو کمال بخشا عجیب عجیب خصوصیات بخشیں۔ ہر تنکے، ہر شجر کو، ہر حجر کو ہر قطرے کو بے شمار کمالات بخشے لیکن انسان پر تو عنایات کی حد کر دی۔ اُس پر تو خزانے لُٹا دیے۔ یہ جاننے کی بجائے کہ وہ عطا کرنے والی ذات کتنی عظیم ہوگی، کتنی باکمال ہوگی، اس عطا پر انسان خود خدا بن بیٹھا! یہ دعویٰ تو انسان کو زیب نہیں دیتا تھا لہٰذا دنیا میں بھی تباہی آئی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ملے گا۔ انسان کو معرفتِ الٰہی کا شعور عطا کر کے اگر اللہ کریم انسان سے یہ مطالبہ کرتے کہ میں نے تجھے اتنی نعمتیں دیں اور شعور دیا اب تجھے میری عظمت خود سے پہچاننی چاہیے تو بھی انسان مکلف تھا۔ اُسے عظمتِ الٰہی پہچاننی چاہیے تھی لیکن اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے انبیاؑ مبعوث فرمائے، اپنا کلام نازل فرمایا۔ بندوں سے باتیں کیں پیار سے سمجھایا۔ قیامت کا نقشہ کھینچ دیا کہ یہ ہوگا۔ پھر دوزخ کا پورا نقشہ کھینچ دیا، عذابوں کا حال سنا دیا کہ کون کون سے عذاب ہیں اور کیسے ہوں گے۔ اس نے جنت کی تصویر بنا دی، اس کی نعمتیں بیان کر دیں اور انسان کو سمجھایا کہ میری رضا اس میں ہے کہ تُو جنت میں جائے لیکن فیصلہ تیرا ہے۔ اگر تُو جہنم جانا چاہتا ہے تو اس سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ تُو خدائی دعویٰ کرنا چاہتا ہے کر کے دیکھ لے جہنم پہنچ جائے گا۔

اتباعِ شریعت ایک مجاہدہ ہے:

اس دن میدانِ حشر میں کچھ لوگ ہوں گے، فرمایا: وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿۸﴾ ''کتنے چہرے اس دن شادمان ہوں گے۔'' اس دن وہ لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے اللہ کریم کی عطا کردہ صلاحیتوں کی قدر کی، اُن کو پہچانا اور انہیں اللہ کریم کی عظمت کو پہچاننے کا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے دامنِ نبوت تھاما، اللہ کی کتابوں کو سمجھا، ان پر عمل کیا اور رضائے الٰہی کو پایا۔ ان لوگوں نے دنیا میں بھی اپنا حصّہ پایا، کھانا کھایا، لباس پہنا دنیا کی نعمتیں استعمال کیں لیکن اُس سلیقے سے جس سلیقے سے دنیا بنانے والے نے پسند فرمایا۔ اسی لیے اُس دن یہ چہرے شاداں و فرحاں ہوں گے، ہشاش بشاش ہوں گے۔ فرمایا: لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾ اپنے اعمال (کی جزا) سے خوش۔

وہ خوش ہوں گے کہ اُن کی محنت ٹھکانے لگی۔ اس کا مطلب ہے کہ دنیا میں اتباعِ شریعت ایک محنت ہے، ایک مجاہدہ اور سعی ہے۔ شریعت کے ایک ایک رکن پر عمل کرنے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ ذکر کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے۔ تہجد کے لیے جاگنا پڑتا ہے۔ نماز کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ حلال کے لیے بھوکا بھی رہنا پڑتا ہے حرام سے بچنا پڑتا ہے۔ دین عادتِ ثانیہ نہیں بنتا، دین کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ کرنے سے ہوتا ہے۔ اگر عادت بن جائے تو اس کا ثواب کیسا؟ جو کام بطور عادت کیا جائے اس پر اجر کیسا؟ ایک بندے کو ایک عادت ہوگئی ہے اور وہ عادت پوری کرتا ہے تو پھر اس کا ثواب اور مزدوری اسے کہاں ملے گی! اس خیال میں نہیں رہنا چاہیے کہ دین عادت بن جائے، یہ عادت نہیں بنتا۔ عمر بیت جائے نمازوں میں اس کے باوجود ہر نماز کے لیے اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ یہ عادت نہیں بنتی لیکن اللہ کا احسان ہے کہ یہ طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور کرنے کو دل چاہتا ہے۔ سلسلہ عالیہ کے بعض ساتھی ای میل اور خطوط میں بھی لکھتے ہیں کہ دعا کریں مجھ سے ذکر میں سستی ہو رہی ہے، نفل چھوٹ جاتے ہیں تو مجھے بہت حیرت ہوتی ہے۔ میں کیا دعا کروں! اگر ساری باتیں بتانے کے بعد، ساری تربیت کرنے کے بعد، دن رات محنت کے بعد بھی آپ سے نماز چھوٹ جاتی ہے تو پھر وہ کون سی دعا ہے جس سے آپ جاگیں گے؟ وہ کون سی دعا ہے جس سے آپ کو توفیقِ عمل ہوگی؟ کبھی آپ نے یہ نہیں لکھا کہ دعا کریں مجھے شام کا کھانا نہیں یاد رہتا، صبح کا ناشتہ کرنا بھول جاتا ہوں، دعا کریں۔ دنیا کے سارے کام کر لیتے ہو صرف اللہ کا نام لینے کی توفیق نہیں ہوتی؟ اسے اتنا سستا سمجھتے ہو کہ تمہیں فرصت ہی نہیں ہے، تمہیں یاد ہی نہیں رہتا؟ حد ہوگئی!

اب اس میں بھلا میں کیا کرسکتا ہوں! اللہ کریم نے یہاں تمہیں بھیجا ہے، اللہ کا ذکر سیکھنے کا موقع دیا۔ ہم نے تو پتھروں پر لیٹ کر روکھی سوکھی کھا کر یہاں اللہ اللہ سیکھی۔ ہمارے عہد کے لوگ جانتے ہیں کہ جب ہم نے

اللہ اللہ سیکھی تو کیا حال تھا۔ اب تو عمارتیں بن گئیں، تمہارے لیے آرام دہ جگہ ہے، بہترین کھانا مل جاتا ہے، گرمی سردی کے لیے انتظام ہے۔ ہمارے پاس یہ سب نہیں تھا۔ اللہ کا احسان ہے کہ نصف صدی سے زائد عرصہ بیت گیا ہم سے تو نہیں چھوٹتا، تم سے کیوں چھوٹ جاتے ہیں؟ دنیا کا کوئی کام نہیں چھوٹتا صرف دین ہی کیوں چھوٹتا ہے؟ کچھ تو اللہ کا خوف کرو۔ دین کے لیے ہمیشہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس بات پر نہ رہا کرو کہ دین تمہاری عادت بن جائے۔ یہ عادت نہیں بنتا، مزاج بن جاتا ہے۔

فرمایا، ان لوگوں کی محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے مشقت کی، راتوں کو اُٹھے، میرا نام لیا، میرا ذکر کیا۔ محنت مزدوری سے حلال کمایا، روکھی سوکھی کھائی لیکن حرام نہیں کھایا۔ انہیں مال عطا کیا تو انہوں نے میرے نام پر خرچ کیا۔ میں نے انہیں زیادہ دیا، انہوں نے مال کو میری امانت سمجھتے ہوئے مجھ سے پوچھ کر خرچ کیا کہ کہاں خرچ کرنا ہے کہاں نہیں۔ مال کو میرا سمجھ کر رکھا۔ انسان کے پاس مال و دولت ہو پھر وہ یہ سمجھے کہ یہ میرے نہیں ہیں، یہ بھی تو ایک سعی ہے، مشکل کام ہے۔ اگر پیسے ہوں تو بندہ چاہتا ہے کہ جیسے جی چاہے خرچ کروں لیکن یہ اللہ کے بندے اللہ کی اجازت سے خرچ کرتے تھے۔ جہاں سے اللہ نے منع کر دیا، وہاں نہیں کرتے تھے۔ ان پر اگر غربت بھیج دی تو یہ دوسرے کے دروازے پر نہیں گئے۔ نتیجہ کیا ہوا؟ فرمایا: فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ بہشتِ بریں میں۔

آج اُن کو عالی شان، سجے سجائے باغوں میں داخل کیا جائے گا۔ وہ بہت خوبصورت آرام دہ، بلند مرتبہ، اعلیٰ درجے کے باغات ہوں گے۔ ہر طرح سے ایسے پُرلطف جیسے کسی نے سوچے بھی نہ ہوں گے۔ فرمایا: لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ وہاں کوئی فضول بات نہیں سنیں گے۔

وہ باغ ایسے ہوں گے جہاں یہ لوگ کوئی جملہ بھی خلافِ مزاج نہ سنیں گے۔ ان کی پسند کے خلاف کوئی بات نہیں ہوگی۔ خلافِ پسند کام تو کیا وہاں ان کے خلافِ پسند کوئی حرکت، کوئی جملہ تک نہ بولا جائے گا۔ ایسا کیوں ہوگا؟ یہ لوگ دنیا میں وہ کرتے تھے جو اللہ چاہتا تھا، اب یہاں وہ ہوگا جو یہ چاہتے ہیں۔ دنیا کی زندگی تو چند روزہ تھی وہاں انہوں نے وہ کیا جو اللہ نے چاہا حالانکہ وہ پورا حق ادا نہ کر سکے، کبھی بھول بھی جاتے تھے، کبھی غلطی کر بیٹھتے تھے، کبھی بیمار ہو جاتے تھے۔ کرنا کچھ چاہتے تھے، کر کچھ اور بیٹھتے تھے لیکن ان کی محنت پورے خلوص سے یہی ہوتی تھی کہ وہی کریں جو ربّ چاہتا ہے۔ اتباعِ شریعت میں جس مشقت کو انہوں نے جھیلا اس کے لیے اب یہ ہمیشہ ان عالی شان باغات میں رہیں گے اور یہاں وہ ہوگا جو یہ چاہتے ہیں!

یہ کتنا پیارا سودا ہے، کتنی خوبصورت بات ہے کہ اس مختصری زندگی میں وہ کرو جو اللہ چاہتا ہے، ہمیشہ کی زندگی میں وہ ہوگا جو تم چاہتے ہو۔ تمہارے خلافِ مزاج وہاں کوئی جملہ تک نہ ہوگا۔ اہلِ جنت کے مزاج کا اتنا خیال رکھا

جائے گا کہ اس کے خلاف ایک جملہ بھی نہ سنیں گے۔ دنیا میں انسان کا مزاج ہے کہ پیدل چلنے والا خواہش کرتا ہے کہ کاش اس کے پاس سائیکل ہوتا۔ سائیکل مل جائے تو کہتا ہے موٹر سائیکل ہوتا۔ پھر موٹر سائیکل مل جائے تو کہتا ہے کاش کار مل جائے۔ کار مل جائے تو پھر اچھی سے اچھی کی خواہش کرتا رہتا ہے۔ فرمایا، وہاں ایسا نہیں ہے کہ ہر ایک کے پاس اتنا ہوگا کہ اسے مانگنے کی حاجت نہیں ہوگی۔ اُس کی خواہشیں ختم ہو جائیں گی۔ اس کے باوجود کسی جنتی نے اگر دوسرے جنتی کی کوئی چیز مثلاً لباس ہی دیکھ کر سوچا کہ یہ بڑا خوبصورت ہے تو اس کا لباس بھی ویسا ہی ہو جائے گا۔ کسی کی سواری پسند آئی تو اس کی بھی ویسی ہو جائے گی۔ شاخ پر پھل دیکھے گا سوچے گا کہ یہ بہت مزیدار ہوگا تو اٹھ کر توڑنا نہیں پڑے گا بلکہ شاخ جھک کر پاس آ جائے گی۔ فرمایا، وہاں اُن کی پسند کا خیال رکھا جائے گا کیونکہ دنیا کی عارضی زندگی میں انہوں نے اللہ کی پسند کا احترام کیا تھا۔ فرمایا: فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ اس میں چشمے جاری ہوں گے۔

وہاں بہار ہی بہار ہوگی، چشمے جاری رہیں گے۔ وہاں گرمیاں تنگ کریں گی نہ سردیاں بلکہ ہمیشہ بہار ہی ہوگی۔ فضائیں ہمیشہ معطر رہیں گی، خوبصورت ہوائیں چلتی رہیں گی، لوریاں دیتی رہیں گی۔ پھول ہمیشہ کھلے رہیں گے، شاداب رہیں گے۔ چشمے ہمیشہ چلتے رہیں گے، جھرنے بہتے رہیں گے۔ فرمایا: فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾ وہاں اونچے بچھے ہوئے تخت ہوں گے۔

اُن کے لیے شاندار بلند تخت بچھے ہوں گے۔ سونے چاندی ہیرے جواہرات سے مرصع تخت تہہ بہ تہہ بچھے ہوں گے جن پر جنت کے ریشم کے گاؤ تکیے لگے ہوں گے۔ فرمایا: وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾ اور آبخورے رکھے ہوئے۔

جنت کے خوبصورت برتن، جنت کے آبخورے، جام، ترتیب سے، خوبصورتی سے سجائے گئے ہوں گے۔ فرمایا: وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿١٦﴾ اور گاؤ تکیے قطاروں میں لگے ہوئے۔ اور نفیس مسندیں بچھی ہوئیں۔

وہاں قطاروں میں گاؤ تکیے سجائے گئے ہوں گے۔ بہت مزے کی نشستیں بنی ہوں گی، بہت خوبصورت مسندیں لگی ہوں گی۔ اُنہیں صوفہ کہہ لیں، بستر کہہ لیں کوئی نام دے لیں، وہ جنت کی مسندیں ہوں گی اور بے حد خوبصورت ہوں گی۔ یہ اہلِ جنت اِن مسندوں پر کس انداز سے بیٹھنا چاہیں یہ اُن کی پسند پر ہوگا۔ کوئی مسند پر کرسی کی طرح بیٹھنا چاہتا ہے، کوئی ٹانگیں پسار کر بیٹھنا چاہتا ہے، کوئی گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھنا چاہتا ہے۔ جیسے بھی کوئی بیٹھنا چاہے اس کی مرضی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا استعمال کی، اسی شب و روز میں گزر بسر کی، یہاں کے موسم، گرمی سردی برداشت کی، دنیا میں کھانا کھایا، لباس پہنا لیکن زندگی بھر اسی کوشش میں رہے کہ دنیا کو اللہ کے حکم کے

مطابق استعمال کریں۔ اُن سے غلطیاں بھی ہوئیں، سستیاں اور کوتاہیاں بھی ہوئیں لیکن خلوصِ دل سے یہ لوگ میری عظمت کے قائل تھے اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھاما تھا۔ یہ میری راہ پر اپنی مقدور بھر کوشش سے گرتے پڑتے چلتے تو رہے۔ آج ان کی یہ شان ہے۔

خالق نے اپنی مخلوق میں بے شمار کمالات رکھ دیے:

اللہ کی عظمت کا انکار کرنے والے ذرا دیکھیں، فرمایا: اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ تو کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے۔

یہ تو انسان میں ذرا جانوروں کو دیکھیں کس طرح اپنے مالک کی خدمت کرتے ہیں حالانکہ عارضی ملکیت میں دیے گئے ہیں۔ ان کا خالق و مالک اللہ ہے۔ انہیں وجود زندگی اور تمام خصوصیات اللہ نے دے کر انسان کی عارضی ملکیت میں دے دیا ہے۔ اونٹ کو ہی دیکھ لیں کیسی عجیب تخلیق ہے۔ کتنا بڑا جانور ہے لیکن ایک بچہ نکیل تھامے اسے لیے پھرتا ہے۔ اُسے انسان کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ سارا دن اونٹ بوجھ ڈھوتا ہے اور جھاڑ جھنکار کھا کر پیٹ بھر لیتا ہے۔ درختوں کے پتے، کانٹے کھا کر سیر ہو کر آ جاتا ہے۔ ہفتہ بھر پانی نہ دو تو گزارا کر لیتا ہے یعنی مالک پر بوجھ نہیں بنتا۔ صحراؤں میں، جنگلوں میں، جہاں لے جاؤ، سفر میں سواری کا کام دیتا ہے۔ بوجھ ڈال دو، اُٹھاتا ہے کوئی شکایت نہیں کرتا۔ روکھا سوکھا کھاتا ہے ہفتوں پیاسا رہ لیتا ہے لیکن خدمت میں کمی نہیں کرتا۔ مالک کی کتنی خدمت بجالاتا ہے حالانکہ انسان اس کا خالق نہیں ہے۔ فرمایا، کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اس کی تخلیق میں کیا کمالات رکھے ہیں! اُس میں تابعداری رکھی ہے اور کیسی پُر مشقت زندگی اُسے دی ہے۔ وہ انسان کے کتنے کام بجالاتا ہے! انسان اس پر بوجھ بھی لادتا ہے، سواری بھی کرتا ہے، اس کا دودھ بھی پیتا ہے، گوشت بھی کھاتا ہے اور یہ ایسا تابعدار ہے کہ مشکل سے مشکل سفر میں ساتھ دیتا ہے۔ جھاڑ جھنکار کھا کر پیٹ بھر لیتا ہے، ہفتوں پیاسا رہ لیتا ہے یعنی اتنی خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔

فرمایا: وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے۔

آسمان کو دیکھیں کس طرح بلندی پر آویزاں ہے، کیسے ساری کائنات کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس کے نیچے کوئی ستون ہے نہ دیوار ہے اور نہ ہی آج تک اس کی مرمت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ یہ کیسی عجیب چھت ہے! کیسی دائمی چھت ہے! جس سے بے شمار نعمتیں ہر آن زمین پر برس رہی ہیں۔ سورج کی شمع روشن کر دیتا ہے، کبھی چاند کی میٹھی چاندنی برساتا ہے۔ کبھی ستاروں سے مسافروں کی راہنمائی کرتا ہے کبھی سیاروں سے نعمتیں منعکس ہو کر تقسیم ہوتی ہیں۔

فرمایا: وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے نصب کیے گئے ہیں۔

پہاڑوں کو دیکھیں، کیسے زمین میں گاڑھ دیے گئے ہیں کہ زمین کو برابر رکھ کر اس کا پورا وزن تول کر کھڑے ہیں! بے شک فوائد کے حامل ان پہاڑوں کو اللہ کریم نے خزانوں سے بھر دیا ہے۔ یہ پہاڑ اپنی چوٹیوں پر پانی کے ذخیرے برف کی صورت میں جمع کر لیتے ہیں۔ اپنے دامن میں لوہے، تانبے، سونے اور جواہرات، ہیرے تک لیے کھڑے ہیں۔ اپنے سینے پر پھلوں پھولوں کو سجائے غذائیں اور دوائیں لیے کھڑے ہیں۔ کتنے اسباب حیات، کتنی نعمتیں بانٹ رہے ہیں اور زمین کو متوازن بھی رکھے ہوئے ہیں! کبھی کسی سے مدد کا مطالبہ کیا ہے؟ فرمایا: وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے۔ زمین کو ہی دیکھ لیں، کبھی اس پر غور کریں یہ کس طرح بچھونا بنا دی گئی ہے! اس میں اتنے خزانے ہیں کہ انسان، حیوان کھا کھا کر تھک گئے ہیں لیکن خزانے ختم نہیں ہوتے۔ کب سے غذائیں، دوائیں، پھل، اجناس، سبزہ، بے شمار نعمتیں اُگل رہی ہے لیکن اس کے خزانوں میں کمی نہیں آتی۔ زندوں کو بھی کفایت کر رہی ہے جو مر جاتا ہے اُسے بھی اپنے پیٹ میں جگہ دے رہی ہے۔ مردوں کو بھی سنبھال رہی ہے۔ اتنی نرم ہے کہ سوئی سے کریدی جا سکتی ہے اور اتنی مضبوط ہے کہ پہاڑ جتنا قلعہ تعمیر کر دو تو اُٹھا کر کھڑی رہے گی۔

وعظ میں اثر کے لیے واعظ کے اوصاف:

فرمایا: فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ سو آپ نصیحت کرتے رہیے کہ آپ نصیحت کرنے والے ہیں۔

اے انسان! سمجھو اور ایک دوسرے کو سمجھاؤ۔ بعض حضرات نے اس کی ضمیر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع فرمایا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو منصبِ جلیلہ ہی یہ ہے۔ اس آیہء کریمہ کا عموم ہر فرد کو مخاطب کر رہا ہے کہ خود بھی سمجھ اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی سمجھا۔ خود بھی نصیحت حاصل کر، خود بھی دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے برکات سمیٹ اور اپنے بھائیوں کو بھی سمجھانے کی کوشش کر۔

علماء فرماتے ہیں کہ واعظ میں چار صفات ہونی چاہیے۔ اُسے اونٹ کی طرح صابر شاکر ہونا چاہیے۔ اللہ سے رزقِ حلال لے، محنت و مشقت کر کے کمائے۔ اونٹ کی طرح کارآمد ہو روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرے لیکن حلال وسائل اختیار کرے اور کام دین کا کرے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ وہ خود رزق کما کر کھاتا ہو محض چندوں پر گزارا نہ کرتا ہو یا تقریروں کی قیمت نہ لیتا ہو۔ رزق کمانے کے چار معروف ذرائع ہیں۔ کاشتکاری، ملازمت، تجارت اور مزدوری، ان میں سے کسی کو اختیار کر کے حلال رزق کماتا ہو۔

آج وطنِ عزیز میں کتنا وعظ ہوتا ہے، کتنے دینی رسالے چھپتے ہیں۔ ہر اخبار میں ایک دینی صفحہ ہوتا ہے۔ تمام ذرائع ابلاغ پر دین کے لیے کچھ وقت مختص ہوتا ہے خواہ پانچ منٹ ہوں۔ ہر جمعہ مساجد میں بیان ہوتے ہیں، وعظ ہوتے ہیں۔ ہر شہر میں جلسے منعقد ہوتے ہیں لیکن کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ آخر تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ اس لیے کہ ایسا واعظ نہیں ملتا جو رزق کما کر کھاتا ہو۔ واعظ وعظ سے کماتے ہیں، دین پیشہ بن چکا ہے۔ علمائے کرام نے تعین کر دی کہ واعظ یا مبلغ اونٹ کی طرح ان تھک محنت کرے، روکھی سوکھی کھا لے لیکن دین کا کام کرے۔ دوسری خوبی یہ ہو کہ بندوں کا محتاج نہ ہو بلکہ آسمان کی طرح بلند ہمت ہو، بلند حوصلہ ہو۔ کسی کی خوشامد نہ کرے محتاجیاں نہ کرے بلکہ صرف اللہ سے احتیاج رکھے بندوں سے امیدیں وابستہ نہ کرے۔ جس طرح آسمان ہر ایک کو نفع پہنچا رہا ہے اور کسی انسان کا محتاج نہیں۔ اسی طرح لوگ اس سے مستفید ہوں لیکن وہ لوگوں کا محتاج نہ ہو۔ تیسرا وصف یہ ہے کہ واعظ پہاڑ کی طرح حق پر جم جائے۔ ہمیشہ حق کی بات کرے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرے۔ چٹان کی طرح پختہ قدم ہو کہ باطل کے تھپیڑے اس سے ٹکرا کر مر جائیں لیکن اُس کے پائے استقلال میں لرزش نہ لا سکیں۔ آخری وصف یہ کہ زمین کی طرح خاکسار مزاج ہو، متکبر نہ ہو۔ فرمایا، اب نصیحت کر کہ تو نصیحت کرنے کے لیے ہے۔ اب بات کر تو تیری بات میں اثر ہو گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی

اس مصرعے میں شاعر نے اسی بات کا رونا رویا ہے کہ اب ان اوصاف کا حامل کوئی واعظ نہیں رہا تو پھر وعظ میں اثر کہاں سے آئے گا!

سیرت کا مطالعہ کریں تو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کوئی جلسے یا اجماع نہیں ہوتے تھے۔ حدیث شریف ارشاد ہوتی تھی جو سن لیتا تھا وہ سراپا عمل بن جاتا تھا۔ متقدمین میں بھی چار، پانچ صدیوں تک جلسے ثابت نہیں ہیں۔ آج تو روزانہ جلسے ہوتے ہیں اُن میں بیان ہوتا ہے۔ بیان کرنے والے بھی وہیں چھوڑ جاتے ہیں اور سننے والے بھی خالی ہاتھ باہر نکلتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ واعظ ہی نہیں رہے۔ دین پیشہ بن چکا ہے جبکہ دین پیشہ نہیں ہے۔ اب چونکہ دین کمائی کا ذریعہ بن گیا ہے تو اب باتیں ہی رہ گئی ہیں، نقل رہ گئی ہے، اثر ختم ہو گیا ہے۔

واعظ یا نصیحت کرنے والا بات پہنچائے، بات سمجھائے لیکن فرمایا: لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ (اور) آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔

واعظ کو لوگوں پر مسلط نہیں کیا گیا حاکم نہیں بنایا گیا کہ جیسا واعظ کہے ویسا ہی لوگ کریں ورنہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ ایسا نہیں ہے۔ لوگوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے واعظ کا کام صرف اللہ کی بات پہنچانا ہے۔ ماننا یا نہ ماننا یہ سننے

والے کا اختیار ہے اور اس سے حساب لینا اللہ کا کام ہے۔ واعظ کسی کی گردن پر تلوار رکھ کر یا کسی پر بندوق تان کر بات نہیں منوا سکتا۔ اُسے کسی پر حاکم نہیں بنایا گیا کہ جو وہ کہے وہی سب مان لیں۔ اگر ایسا کرے گا یا اللہ کی مخلوق کو قتل کرے گا، مسجد میں بم پھوڑے گا تو اللہ حساب لے گا۔

فرمایا اگر تم نیک ہو نیکی پھیلانا چاہتے ہو تو تم میں یہ اوصاف ہونے چاہیے۔ تم میرا پیغام پہنچا دو اس کے بعد وہ مانتا ہے یا نہیں یہ اُسے اختیار ہے۔ فرمایا: اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ۝٢٣ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الۡعَذَابَ الۡاَكۡبَرَ ۝٢٤ ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہیں مانا تو اللہ اُس کو بڑا عذاب دیں گے۔

فرمایا، جو نہیں مانے گا، انکار کرے گا، منہ پھیر کے چل دے گا تو میں اس سے پوچھوں گا۔ میرا بندہ ہے میری نعمتیں کھا رہا ہے پھر انکار کر دیتا ہے تو میں حساب لوں گا۔ اسے بہت بڑے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ واعظ کا کام عزم و استقلال سے دوسرے کی بھلائی چاہتے ہوئے اس تک اللہ کی بات پہنچانا ہے اس سے منوانا نہیں ہے۔ اگر وہ منہ پھیر لیتا ہے انکار کرتا ہے تو یہ واعظ کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس انکار پر اُسے برہم ہونے کی یا کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام اللہ کا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں آئے گا تو اللہ اسے بہت بڑا عذاب دیں گے، ایسا عذاب جیسا اس نے سوچا بھی نہ ہوگا۔ فرمایا: اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ۝٢٥ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُمۡ ۝٢٦ بے شک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہم کو ہی ان سے حساب لینا ہے۔

فرمایا، ان سب منکرین نے لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہم کو ہی ان سے حساب لینا ہے۔ فرمایا، ان سب منکرین نے لوٹ کر میرے ہی پاس آتا ہے۔ یہ کہیں بھاگ کر جا نہیں سکتے۔ تم اس بات کی فکر نہ کرو کہ بھاگ جائیں گے۔ تمہاری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ میرا اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دو۔ اس نے واپس میری بارگاہ میں آنا ہے۔ اس سے حساب لینا یہ میری شان کو ہی سزاوار ہے۔ جس نے نعمتیں دی ہیں وہی پوچھ سکتا ہے کہ ان نعمتوں کو کہاں خرچ کیا۔ تم دے نہیں رہے لہٰذا تم پوچھ بھی نہیں سکتے۔ زندگی میں دیتا ہوں لہٰذا میں ہی لے سکتا ہوں۔ تم نے کسی کو زندگی دی ہے نہ تم کسی کی زندگی لینے کا حق رکھتے ہو۔ کسی کو بنوکِ شمشیر یا گولی مار کر اسلام نہیں منوا سکتے۔ اس کا اختیار کسی کو نہیں دیا گیا۔ ان لوگوں کا محاسبہ اللہ کریم خود کریں گے۔

سورۃ الفجر رکوع 1 آیات 1 تا 30

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝٢ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝٤ هَلْ فِيْ
ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝٥ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ
الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ
بِالْوَادِ ۝٩ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝١١ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا
الْفَسَادَ ۝١٢ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤
فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ
اَكْرَمَنِ ۝١٥ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝١٦
كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝١٧ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝١٨
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝١٩ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝٢٠ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ
الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝٢١ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝٢٢ وَجِايْٓءَ
يَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝٢٣ يَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝٢٤ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝٢٥ وَّلَا يُوْثِقُ
وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝٢٦ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝٢٧ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً ۝٢٨ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝٢٩ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝٣٠

فجر کی قسم ﴿۱﴾ اور دس راتوں کی ﴿۲﴾ اور جفت اور طاق کی ﴿۳﴾ اور رات کی
جب جانے لگے ﴿۴﴾ یقیناً یہ چیزیں عقلمندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق

ہیں ﴿۵﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا ﴿۶﴾
جوارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد تھے ﴿۷﴾ کہ تمام ملک میں ان جیسے اور لوگ
پیدا نہ کیے گئے ﴿۸﴾ اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادی (قریٰ) میں پتھر
تراشتے (اور گھر بناتے) تھے ﴿۹﴾ اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ﴿۱۰﴾
یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے ﴿۱۱﴾ پھر ان میں بہت خرابیاں کرتے
تھے ﴿۱۲﴾ تو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ﴿۱۳﴾ بے شک
آپ کا پروردگار تاک میں ہے ﴿۱۴﴾ مگر انسان (عجیب ہے) جب اس کا
پروردگار اس کو آزماتا ہے پھر اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے (آہا)
میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی ﴿۱۵﴾ اور جب (دوسری طرح) آزماتا
ہے تو اس پر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے (ہائے) میرے پروردگار
نے مجھے ذلیل کیا ﴿۱۶﴾ ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر نہیں کرتے ﴿۱۷﴾
اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت دلاتے ہو ﴿۱۸﴾ اور میراث کو سمیٹ کر
کھا جاتے ہو ﴿۱۹﴾ اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو ﴿۲۰﴾ تو پھر جب
زمین توڑ دی جائے گی ریزہ ریزہ ﴿۲۱﴾ اور تمہارا پروردگار جلوہ فرما ہوگا اور
فرشتے قطار در قطار ﴿۲۲﴾ اور اس دن دوزخ (سامنے) لائی جائے گی اس
روز انسان متنبہ ہوگا مگر اب انتباہ سے اسے فائدہ کہاں ﴿۲۳﴾ کہے گا اے
کاش! میں نے اپنی (ہمیشہ کی) زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا ﴿۲۴﴾ پس
اُس دن اُس (اللہ) کے عذاب کی طرح کا عذاب (کوئی کسی کو) نہ دے سکے
گا ﴿۲۵﴾ اور نہ کوئی اُس کی طرح قابو کر سکے گا ﴿۲۶﴾ اے اطمینان پانے
والی روح! ﴿۲۷﴾ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل کہ تو اس سے راضی ہے
(اور) وہ تجھ سے راضی ﴿۲۸﴾ پھر تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل
ہو جا ﴿۲۹﴾ اور میری بہشت میں داخل ہو جا ﴿۳۰﴾

تفسیر و معارف

سورۂ فجر مکّی سورتوں میں سے ہے۔ ان آیات میں اللہ کریم نے مثالیں بیان فرما کر دنیا کی ابتدا سے انتہا تک سارے منظر کو اس میں سمو دیا ہے۔ ان آیات میں کئی مبارک چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ قسم سے مراد شہادت ہوتی ہے اسی لیے شریعت کا حکم ہے کہ اللہ کریم کے علاوہ کسی کی قسم نہ کھائی جائے کیونکہ صرف وہی ہر چیز پر شاہدِ عدل ہے۔

منظرِ قیامت پر گواہ:

فرمایا: وَالْفَجْرِ ① فجر کی قسم۔ جس طرح رات رخصت ہوتی ہے، پو پھٹتی ہے اور سوئی ہوئی دنیا جاگ اٹھتی ہے۔ کاروبارِ عالم شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی طلوعِ فجر وہ انقلاب ہے جس سے زندگی کا ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا آباد ہوئی۔ اپنے اپنے وقت پر انسان دنیا میں آئے کاروبارِ حیات میں مشغول رہے۔ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ② ''اور دس راتوں کی۔'' عشرہ ذی الحج کی پہلی دس راتوں کی فضیلت پر قسم ہے۔ روئے زمین سے لوگ حج کی تیاری کر کے، احرام باندھ کر سفر کرتے ہوئے حرمین پہنچتے ہیں۔ ہر امیر غریب اپنے قیمتی یا عام لباس سے آزاد ہو کر کفن نما لباس پہن لیتا ہے۔ دنیا کے کاروبار سے الگ ہو کر تن تنہا کفن میں لپٹا ہوا اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔ عشرۂ ذوالحج منظرِ قیامت پر گواہ ہے کہ ایک دن ایسا ہو گا کہ شاہ و گدا کے پاس کفن کا لباس ہی ہو گا۔ کاروبارِ دنیا ختم اور نظامِ حیات لپٹ چکا ہو گا وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ③ اور جفت اور طاق۔

ایک حدیث شریف کے مطابق شفع یعنی جفت سے مراد دس (10) ذی الحج یوم النحر ہے اور وتر سے مراد طاق یعنی نو (9) ذی الحج عرفہ کا دن ہے۔ نو (9) ذی الحج کو حاجی عرفات میں حاضر ہوتے ہیں اور دس ذی الحج کو مِنیٰ میں قربانی کرتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں مالِ دنیا قربان کرتے ہیں۔

فجر بتاتی ہے کہ کس طرح نظامِ کائنات شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان دنیا میں آیا۔ ہنگامہ عالم بپا ہوا۔ دن گزرا، شام ڈھلنے کو آئی یعنی بڑھاپا آ گیا۔ بیماریوں نے گھیر لیا۔ علاج شروع ہوئے۔ انہی مراحل میں پھر بات کفن تک آن پہنچی۔ مال منال وارثوں کا ہو گیا۔ ساری جائیداد، گھر بار مال و دولت سے اس کے حصے میں صرف ایک کفن آیا۔ اب آگے بارگاہِ الٰہی ہے اور وہ اکیلا کفن میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔ اگر بندے میں شعور ہو، وہ سمجھنا چاہے تو جس طرح بندہ عرفات میں یکا و تنہا اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے۔ پھر دوسرے دن جو سرمایہ ساتھ لایا ہوتا ہے اسے اللہ کے حضور

پیش کر رہا ہوتا ہے۔کوئی ایک قربانی کرتا ہے کوئی دو اور کوئی زائد۔ یہ سارا منظرِ قیامت ہے۔ یہ سب اس پر گواہ ہیں کہ موت اور پھر آخرت کی حاضری ہے۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ ''اور رات کی جب جانے لگے۔'' یعنی برزخ کی زندگی جو حیات پر رات کی طرح چھا جاتی ہے۔رات کے جانے میں بھی درحقیقت موت کے بعد برزخ اور پھر قیامت کے آنے کی مثال موجود ہے۔

صاحبِ شعور کے لیے دلیل:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝ یقیناً یہ چیزیں عقلمندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق ہیں۔کیا صاحبِ شعور کے لیے، سمجھ بوجھ رکھنے والے کے لیے اس میں بڑی دلیل نہیں ہے؟ حج کی تیاری، ذی الحج کے دس دن۔سفر، اپنوں سے جدائی۔کاروبار چھوڑ کر جانا۔لباس، شان وشوکت، عہدہ، مرتبہ چھوڑ کر ہر ایک کا کفن پوش ہو جانا، بیت اللہ کے گرد شاہ وگدا کا بلاتمیز طواف کرنا۔ بڑے درد سے اللہ کریم کو پکارنا، اپنے گناہوں کی معافی مانگنا، بخشش مانگنا۔اللہ کا قرب تلاش کرنا۔دن گن کر عین وقت پر منٰی پہنچنا۔عرفات جانا۔دن گن کر عین وقت پر قربانی کرنا۔یہ سب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت کا یہی منظر ہوگا۔صاحب عقل وخرد کی زندگی بدلنے کے لیے یہ کافی ہے۔ جس میں شعور ہے وہ سمجھتا ہے کہ بجائے اس کے میدانِ حشر جا کر سبق حاصل کروں آج سے اپنی زندگی بدل دوں۔ جس کا حج قبول ہو جاتا ہے اس کی زندگی تبدیل ہو جاتی ہے۔بدل جاتی ہے۔گناہ چھُوٹ جاتے ہیں۔زندگی، اللہ کی راہ پر چل پڑتی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ملتا ہے کہ حج کرنے والا اس طرح ہو جاتا ہے جیسے دنیا میں آج پیدا ہوا ہو۔اس سے پہلے کے گناہ، جرائم، خطائیں سب کچھ معاف ہو جاتا ہے۔یقیناً انہی لوگوں کے گناہ معاف ہوئے ہیں جو انِ شرائط کے ساتھ حج کرتے ہیں، اس نظر سے جس نظر سے قرآن کریم بتا رہا ہے کرتے ہیں۔

ہر روز طلوعِ فجر ہوتی ہے جو اس بات پر گواہ ہے کہ ایسے ہی حیات کی نمو ہوتی ہے۔ایسے ہی کائنات کی ابتدا ہوئی جس طرح رات کا سناٹا ہوتا ہے۔پھر طلوعِ فجر کی طرح اللہ کریم نے کائنات اور اس میں مخلوقات پیدا کر دیں۔ زندگی کا ہنگامہ بپا ہو گیا۔پھر ذی الحج کی دس راتیں بتاتی ہیں کہ اس ہنگامے کو ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔سب کو وہاں کی تیاری کرنی چاہیے۔ذی الحج کی دسویں، گیارہویں یہ بتاتی ہے کہ ہر فرد تنہا تنہا اپنا اپنا اعمال نامہ لیے وہاں کھڑا ہوگا اور چاہے گا کہ ساری دنیا کا مال قربان کر دوں، میری نجات ہو جائے۔فرمایا، کیا صاحب شعور لوگوں کے لیے یہ دلائل کافی نہیں۔عنداللہ عقل مند کون ہے؟ وہ جو اس دارِ دنیا میں، اس انسانی وجود میں، ان ضرورتوں میں گھرے ہونے کے باوجود آخرت بنا لے۔وہ عقلمند ہے جو ان حادثاتِ زمانہ سے آخرت کے دلائل اخذ کرے۔وہ

دانا ہے جو زندگی کے نشیب وفراز سے عظمتِ الٰہی کو پہچانے۔اس کارگاہ حیات کے چلانے والے کو پہچان لے۔

فرمایا، دارِ دنیا میں صرف تم ہی صاحب ثروت نہیں ہو۔صاحبِ اقتدار واختیار نہیں ہو تم سے پہلے بھی قوت وطاقت اور دولت وثروت میں بہت بڑھے ہوئے لوگ گزرے ہیں۔کہاں گیا ان کا جاہ وحشم، محل، لاؤ لشکر اور حکومت واقتدار؟ فرمایا: **اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴿۶﴾** کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔ **اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴿۷﴾** جو ارم (کہلاتے تھے اتنے) کہ تمام ملک میں ان جیسے اور لوگ پیدا نہ کیے گئے۔

عاد اور ثمود دونوں ارم کی اولاد تھے۔بادشاہ شداد جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا وہ عاد کا بیٹا تھا۔یہ شداد بن عاد بن عاص بن ارم تھا۔ارم کا دوسرا بیٹا عابر تھا جس کا بیٹا ثمود تھا۔قوم ثمود اور قومِ عاد ارم پر جا کر مل جاتے ہیں۔اس لیے ثمود کو عادِ ثانی کہا جاتا ہے۔قومِ عاد، بہت تومند اور قد آور جوان تھے۔کیا تم نے دیکھا نہیں تمہارے ربّ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔اس آیت میں اللہ کریم نے لفظ 'ربّ' استعمال فرمایا ہے۔یہ اللہ کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ ہر ایک کے ہر فعل پر نتیجہ مرتب فرمائے۔کوئی آم کا بیج بوئے تو اس پر آم کا پھل لگائے اور کیکر پر کیکر کے کانٹے اُگیں۔ اسی طرح اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جو برائی کرے اس پر تباہی آئے۔جو نیکی کرے اس کو نیک اجر ملے۔فرمایا، تمہارے پروردگار نے بتقاضائے ربوبیت عاد کے ساتھ کیا کیا؟ جو طاقت وقوت اور قد وقامت انہیں دی گئی تھی اس قد کاٹھ کے لوگ اللہ کریم نے پھر پیدا نہیں کیے۔

فرمایا، اور: **وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ﴿۹﴾** اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے۔

قومِ ثمود جو ارم کی ہی اولاد تھے اور انہیں عادِ ثانی کہا جاتا ہے۔وہ عاد کے بعد ہوئے۔اللہ کریم نے ان کو قوت، عقل، تحقیق کی صلاحیت دی۔ان کے پاس ایسی ٹیکنالوجی تھی کہ انہوں نے چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر محل بنا دیے۔ اور چٹانوں کو تراش تراش کر شہروں میں تبدیل کر دیا۔اتنے سنگلاخ، پتھروں پر ایسی گلکاریاں بنائیں کہ بدلتے موسموں کی ہواؤں، بارشوں اور موسموں کی سختیاں برداشت کرتے وہ محل آج بھی کھڑے ہیں۔ثمود بھی اپنی تحقیق پر نازاں تھے۔انہیں اپنی ٹیکنالوجی کاریگری کا گھمنڈ تھا۔اسی تکبر کے باعث اللہ کی نافرمانی پر کمر بستہ تھے تو اللہ نے کیسا پکڑا! **وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ﴿۱۰﴾** اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔

فرمایا اور فرعون پر کیسی پکڑ آئی! فرعون اس زمانے کی حکومت کرنے والے بادشاہوں کا لقب تھا۔تمام فرعون پر کیسی پکڑ آئی! فرعون اس زمانے کی حکومت کرنے والے بادشاہوں کا لقب تھا۔تمام فرعون ظلم کرنے میں

ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ یہاں اس فرعون کا ذکر ہے جو سخت ظالم اور سنگدل تھا۔ زندہ انسانوں کے وجود پر میخیں گاڑ دیا کرتا تھا۔ کبھی دیوار سے لٹکا کر کبھی زمین پر لٹا کر میخیں گاڑ دیتا۔ ان پر سانپ اور بچھو چھوڑ دیتا۔ گائے کی شکل کے تانبے کے بڑے بڑے برتن بنا رکھے تھے ان میں زندہ انسان کو بند کر کے نیچے آگ جلا دیتا۔ کبھی ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر لٹکا دیتا تا کہ تڑپتا ہوا مر جائے۔ قرآن نے اسے میخیں گاڑ دینے والا فرعون کہا ہے۔ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ "یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے۔" فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ "پھر ان میں بہت خرابیاں کرتے تھے۔" فرمایا، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں میں بغاوت کی حد کر دی تھی۔

شہروں میں بغاوت سے مراد:

شہروں میں بغاوت سے قرآن کی کیا مراد ہے؟ قرآن نے سیدھا سیدھا یہ نہیں کہا کہ اللہ سے بغاوت کر دی۔ اللہ کی بات نہیں مانی۔ بات تو سیدھی سی تھی کہ اللہ کی بات نہیں مانی۔ قرآن کریم کی اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کا شہریوں کے ساتھ جو سلوک تھا وہ اللہ کے حکم کے خلاف تھا۔ باغیانہ تھا۔ ہر ملک اور ہر معاشرے کے اپنے قوانین ہوتے ہیں۔ خواہ وہ معاشرہ شہری ہو یا جنگلی قبائل پر مشتمل ہو۔ ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا ہے۔ ہر ملک کا اپنا آئین و دستور ہوتا ہے۔ لادین معاشرے میں انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطے ہوتے ہیں حالانکہ قانون بنانے کا حق صرف اسے حاصل ہے جس نے مخلوق پیدا کی۔ جس نے مخلوق کو ضرورتیں عطا کیں۔ یہ بتانا اسی کا منصب ہے کہ ان ضرورتوں کو کیسے پورا کیا جائے۔ جس نے بھوک پیدا کی، بھوک مٹانے کے لیے رزق پیدا کیا، یہ اس کا منصب ہے کہ وہ بتائے رزق کیسے حاصل کیا جائے۔ یہ اس کا منصب ہے کہ وہ بتائے کون سا رزق کھایا جائے اور کس سے پرہیز کیا جائے۔ جس کی نافرمانی ہوتی ہے وہی بتائے کہ اس کی سزا کیا ہے۔ گویا معاشرے کے لیے قوانین بنانا اللہ جلّ شانہٗ کا حق ہے۔ جب انسان معاشرے پر اللہ کے حکم کے خلاف اپنے قانون نافذ کرتے ہیں تو یہ شہروں میں بغاوت ہے۔ اسے طغوا فی البلاد فرمایا گیا ہے۔

کافر تو اللہ کی الوہیت کے ہی منکر ہیں۔ انبیاءؑ کی نبوت کے منکر ہیں، کتاب اللہ کے منکر ہیں۔ وہ اپنے قانون بنائیں تو انہیں زیب دیتا ہے۔ وہ تو بغاوت کر چکے۔ ایک باغی، ایک مفرور، ایک چور خلافِ قانون کام کرتا ہے تو سمجھ آتی ہے لیکن ہم جو دعوئ اسلام کرتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں ادا کرتے، حج عمرہ کرتے ہیں، ہم کیسے خلافِ اسلام قانون کیونکر بناتے ہیں؟ ہم کیسے کہتے ہیں کہ ہماری اسمبلیاں مقدس ہیں یہ آئین و دستور مقدس ہے؟ وہ آئین و دستور جو اللہ کے قانون کے خلاف ہے وہ مقدس ہے؟ وہ اسمبلی جو رضائے الٰہی کے خلاف اپنی مرضی مسلط

کرے وہ مقدس ہے؟ ہرگز نہیں! یہ باطل ہے۔ صرف اللہ کا دستور مقدس ہے۔

آخر فرعون، عاد اور ثمود نے جو جرم کیے تھے وہ کیا تھے؟ یہ سب کافر تھے۔ یہ ان کا ذاتی کردار تھا۔ ایک فرد کا کردار تھا۔ اس کردار پر عذاب آتا ہے تو اُس فرد پر آتا۔ وہ ایک فرد عظمتِ الٰہی کا منکر تھا، آخرت کا منکر تھا لیکن عذاب پوری قوم پر آیا۔ اس لیے کہ معاشرے کے قوانین اس باغی نے بنائے اور اس معاشرے نے قبول کیے۔ انبیاؑ تو حق پہنچاتے رہے۔ لیکن لوگوں نے ان کی پروا نہ کی۔ جب سارے معاشرے نے اللہ کا قانون رد کر کے اللہ کا باغی کے قانون قبول کر لیے تو سارا معاشرہ باغی ہو گیا۔ پھر عذاب آیا تو قوموں کی قومیں غرق ہو گئیں۔

آج کون سی ایسی مصیبت ہے جو مسلمانوں پر وارد نہیں ہے۔ کہیں قحط سالی منہ کھولے زندگیاں ہڑپ کر رہی ہے۔ کہیں عجیب بیماریاں ہیں جو پہلے کبھی سنی تک نہ تھیں۔ کبھی سنا یا دیکھا نہ تھا کہ ایک ہی نبی علیہ السلام کی امت کہلانے والے۔ ایک اللہ کو ماننے والے۔ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں، لوٹ رہے ہیں۔ آج کی یہ دہشت گردی عذابِ الٰہی ہے۔ آج ہم اس سے توبہ کر لیں۔ اللہ کے آئین کو اپنا ملکی قانون بنا لیں تو آج بھی رحمتِ الٰہی متوجہ ہو سکتی ہے۔ آج بھی بھوک افلاس مٹ سکتا ہے، بیماریاں بھاگ سکتی ہیں، آج بھی امن قائم ہو سکتا ہے۔

معاشرے کے لیے اپنے قوانین، طریقے اور اسالیب وضع کرنا، یہ فرعون، نمرود، شداد اور عاد و ثمود کی عادت تھی۔ یہ کافروں کے روّیے تھے اسی لیے ان کی قوموں کی قومیں غرق ہوئیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے ''لاہوریو! شکر کرو کہ کچھ لوگ بھوک پیاس برداشت کر کے اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ تم ان کے صدقے بچے ہوئے ہو۔'' اب بھی اللہ کا کرم ہے کہ اللہ اللہ کرنے والے کچھ لوگ ہیں جو حیات رواں دواں ہے ورنہ ہمارے روّیے ایسے ہیں کہ ہمیں لے ڈوبیں۔

قرآن ہمیں کہانیاں نہیں سناتا۔ وہ ہمیں کہتا ہے، یہ حالات دیکھ کر اپنے حالات کا موازنہ کرو کہ معاشرے میں فساد کی وجہ کہیں تمہارے روّیے تو نہیں! کیونکہ ان معذب قوموں کے رویوں نے معاشرے میں فساد پیدا کیا، تباہی پھیلائی اور برباد ہو گئے۔ ان لوگوں نے شہروں، بستیوں میں اللہ سے بغاوت کی یعنی اپنے رہن سہن کے طور اطوار، معیشت، معاشرت، عدالت، سیاست اور تعلیم و تربیت کے ایسے قوانین اور ضابطے بنائے جو اللہ کے حکم کے خلاف تھے۔ یہی بغاوت تھی۔

بغاوت کا نتیجہ، فساد:

بغاوت کیا ہے؟ ایک قوتِ نافذہ جس کی اطاعت کی جانی چاہیے جب اس کے حکم کے خلاف یا اس کے حکم کو

نظر انداز کر کے کام کیا جائے اسے بغاوت کہتے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ جیسی کوئی دوسری قوتِ نافذہ نہیں۔ بے مثل و بے مثال ہے۔ اس کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنی پسند کے قوانین بنانا، انہیں نافذ کرنا بغاوت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا: **فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ پھر ان میں بہت خرابیاں کرتے تھے۔**

اس بغاوت کے نتیجے میں پھر کثرت سے لوگوں کے حقوق پامال ہوئے، مال لوٹے گئے، عزتیں برباد ہوئیں، جانیں ضائع گئیں۔ آج بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ جہاں جہاں احکامِ الٰہی سے بغاوت ہو رہی ہے وہاں وہاں فساد برپا ہے۔

بغاوت کی دنیوی سزا:

فرمایا: **فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ تو آپ کے ربّ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔**

اس آیت میں بھی صفاتی نام ربّ استعمال ہوا کیونکہ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ ہر کام پر اس کا نتیجہ پیدا کرے۔ چیزیں پیدا کرنا اس کا کام ہے کہ خالق بھی وہی ہے اور ہر چیز کو انجام تک پہنچانا، ہر چیز پر نتائج پیدا کرنا بھی اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ جیسے پانی میں چینی ملائیں تو پانی میٹھا ہو جاتا ہے اور اسی میں زہر ملا دیں تو وہ زہرِ قاتل بن جاتا ہے۔ اسی طرح کردار پر نتائج مرتب ہوتے ہیں اور یہ تقاضائے ربوبیت ہے۔

فرمایا، سو آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بعثتِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عذابِ الٰہی کی مختلف صورتیں تھیں۔ قوموں کی قومیں غرق ہوئیں بادلوں سے آگ برسی۔ آسمان سے پتھر برسے۔ کڑک اور طوفانوں نے تباہی مچائی۔ یہ اجتماعی عذاب تھے۔ ان حالات میں بھی وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت پر کاربند ہوتے تھے اللہ انہیں محفوظ رکھتے تھے۔ جس کے ہاتھ میں دامانِ نبوت ہوتا تھا، اللہ ان کی حفاظت فرماتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد روئے زمین پر ہی نہیں پوری کائنات پر اللہ کریم کے بے پایاں انعامات ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عظمتیں، رفعتیں عطا ہوئیں، تمام انسانیت کو اس سے بے فائدے حاصل ہوئے۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ من حیث القوم آنے والے اجتماعی عذاب اٹھا لیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کوئی قوم اجتماعی طور پر تباہ نہیں ہوئی۔ البتہ انفرادی صورتیں باقی رہیں۔

یہ باغیانہ روّیہ کفار و مشرکین کا تھا مگر آج مسلمانوں کی اکثریت کی یہی روش ہے۔ حکومت ہی نہیں عوام بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ حکومتی سطح پر ہمارے قوانین اللہ سے بغاوت ہیں۔ اللہ کریم نے سود کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ قرار دیا ہے لیکن ہمارا ملکی قانون اسے معیشت کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ ہمارا نظامِ تعلیم ہمیں دین سے دور لے جا

رہا ہے۔ نظامِ عدالت اللہ کے قانون کے خلاف ہے لیکن حکومت بھی اس میں خوش ہے اور عوام بھی اس پر راضی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ پہلی قوموں پر جو عذاب ایک ایک جرم کے باعث آتے تھے وہ ہم پر آئے ہوئے ہیں۔ جو قوم کم تولتی تھی ان پر قحط آجاتا تھا۔ ہم پر عذاب کی یہ صورت ہے کہ ہماری جیب میں پیسہ ہے چیزیں نہیں ملتیں۔ کبھی چینی غائب، کبھی پٹرول کی کمی۔ ایسی عجیب وغریب بیماریاں ہیں کہ ان کا علاج محال۔ اگر کہیں ممکن بھی ہے تو انتہائی مہنگا علاج ہے۔

انگریز کا دور تھا۔ علما نے اس ملک کو دارِ حرب قرار دیا تھا کہ یہ ملک کافر کے زیرِ تسلط ہے۔ حکومت کافر کی تھی۔ سارے قانون اس کے بنائے ہوئے تھے۔ لوگ، عمومی طور پر دیندار تھے۔ علمائے حق دین کے لیے جدوجہد کرتے رہتے تھے، مسجدیں آباد تھیں، لوگوں کے آپس کے فیصلے پنچایتی طور پر برادری میں شریعت کے مطابق طے ہوتے تھے۔ حتی الامکان دین کا احترام تھا۔ رمضان، عیدیں، جنازہ، شادی کا اہتمام شریعت کے مطابق ہوتا تھا۔ اس دورِ غلامی میں بھی معاشرتی اقدار ایسی تھیں کہ لوگ غم سے آزاد زندگی گزار رہے تھے۔ لوگ فارغ بھی بیٹھتے تھے، خوش گپیوں میں بھی مشغول ہوتے تھے۔ مساجد آباد تھیں اور چوپال بھی آباد تھی۔ رونق لگتی، لوگ مل بیٹھتے۔ اب تو کوئی ایسا طوفانِ بدتمیزی ہے کہ لوگ آنکھیں ملتے جاتے ہیں اور بھاگتے جاتے ہیں۔ ہر کوئی دوڑ رہا ہے۔ سارا دن بھاگ بھاگ کر رات کو تھکے ہارے پڑ رہتے ہیں۔ صبح اٹھ کر پھر چل پڑتے ہیں۔ کسی کو کسی کے پاس بیٹھنے کی فرصت نہیں، کسی کی بات سننے کی فرصت نہیں ماں باپ، بہن بھائی، کوئی کچھ نہیں لگتا۔ ملک میں ایسی بدامنی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کیے جا رہے ہیں۔ مرنے والے کو نہیں معلوم کہ اسے کس نے مارا کیوں مارا؟ مارنے والے کو نہیں پتا اس کے ہاتھوں کون کون مارا گیا۔ گولیاں چلائے جا رہے ہیں، دھماکے کیے جا رہے ہیں۔ یہ ساری عذابِ الٰہی کی صورتیں ہیں جو مختلف قوموں پر مختلف ادوار میں آئیں۔ ان میں سے ہر ایک کے جرائم مختلف تھے۔ ہر قوم کا ایک ایک جرم تھا اور اس کی سزا تھی۔ لگتا ہے اس دور میں ہم نے وہ سارے جرائم اپنا لیے ہیں اور وہ سارے عذاب ہم پر بیک وقت نازل ہو گئے ہیں۔

بدعملی ہمیں بہت دور لے گئی ہے۔ عقیدے میں خرابی آ گئی ہے۔ عقیدے میں خرابی آئے تو عمل میں خرابی لازماً آتی ہے۔ کافروں کے پاس مرنے والوں کے لیے اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک منٹ کی خاموشی اختیار کر لیں یا شمعیں روشن کر دیں۔ ہمارے پاس تو اللہ کی بارگاہ ہے اور اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں دعویٰ ہے۔ اللہ کا کلام موجود ہے۔ ہمیں ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا چاہیے لیکن ہم نے کافروں کے اطوار اپنا لیے ہیں۔ ہم بھی چند منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں یا موم بتیاں جلاتے ہیں۔ ہم نے دین کو چھوڑ کر کافرانہ رسوم اپنا لی ہیں۔ جو اسلامی تہوار تھے جن میں عظمتِ الٰہی کا اظہار مقصود تھا ان کو بھی ہم

نے کافروں کے طرز پر جشن، میلہ اور تماشا بنا دیا ہے اور ہر خلافِ شریعت کام ان میں جشن کے نام پر شروع کر دیا۔ اسلام میں دو عیدیں ہیں جس میں حکم ہے کہ اس طرح عید مناؤ کہ اللہ کی عظمت کا اظہار ہو۔ نئے کپڑے پہنو، اچھا کھاؤ، شکر ادا کرو۔ غریبوں کو بھی اللہ کی رضا کے لیے اچھا کھلاؤ۔ سارے جمع ہو کر دو رکعت نماز ادا کرو۔ اس میں تکبیریں کہو، اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ اب دو کے بجائے دس عیدیں بنالی گئیں۔ جشن بن گیا۔ ڈھول باجے، شور شرابا اپنی نمائش، اپنی بڑائی، کپڑوں کی نمائش۔ سب اس طرف لگ گئے۔

حکمران خوش ہیں کہ اسی شغل میں لگا رہنے دو۔ حکمران جان بوجھ کر عوام کو جاہل اور بے شعور رکھنا چاہتے ہیں کہ ان میں شعور آ گیا تو ان کی خدائی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس سارے کا نتیجہ یہ ہے کہ جو عذاب قوموں پر انفرادی طور پر آئے تھے وہ سارے کے سارے ہم پر آ چکے ہیں۔ قحط سالی ہوتی ہے یا سیلاب آتے ہیں۔ زلزلے تباہی مچاتے ہیں یا وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ انصاف نام کو نہیں۔ آبرو محفوظ نہیں، جان کو ہر دم خطرہ ہے۔ قوم کی بیٹیوں کو فرزندانِ قوم اغوا کر کے بیچ رہے ہیں۔ تعلیمی ادارے شراب، چرس کے اڈے بن چکے ہیں نسلیں تباہ ہو رہی ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ''فَصَبَّ عَلَيۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ تو آپ کے ربّ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔''

عذابِ الٰہی تلواروں سے نہیں توبہ سے ہٹتا ہے:

آج ہم اس عذابِ الٰہی کو دور کرنے کی بڑی تدبیریں کرتے ہیں۔ فوج محنت کرتی ہے۔ پولیس، رینجرز سب جانیں دے کر مجرموں کو پکڑتے رہتے ہیں لیکن کیا اس کے ساتھ یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے۔ اپنا نظام عدلِ اسلام پر استوار کرتے۔ ہم پر اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی اور ہمیں عذاب سے نجات ملتی کیونکہ عذابِ الٰہی فوجوں، طاقتوں اور گولیوں سے تو نہیں روکا جا سکتا۔

حجاج بن یوسف بڑی متنازعہ شخصیت گزرا ہے۔ اس کے کئی اچھے کاموں کی تعریف بھی کی گئی اور اس کے خلاف بہت کچھ لکھا بھی گیا۔ اس نے حاکم کی خوشنودی کی خاطر مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے بیت اللہ کو جلا دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کیا اور بے شمار لوگ اس کی یلغار میں گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔ اس کے درست کاموں میں یہ ملتا ہے کہ اس نے اسلامی مملکت کی حدود کو فروغ دیا اور قیامِ امن میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی شخصیت کے دونوں پہلوؤں پر تاریخی حقائق و دلائل ہیں۔

ایک مرتبہ صوبہ بھر میں اس کے خلاف بغاوت کے آثار نمایاں ہو گئے اور لوگوں نے تلواریں سونت لیں۔ ایک تحریک چل اٹھی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ بادشاہ وقت اسے ہٹاتا نہیں تھا تو لوگوں نے ہتھیار اٹھا لیے کہ اسے قتل کر

دینا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔ انہوں نے فرمایا، جو کچھ ہو رہا ہے یہ تمہارے اعمال کی سزا ہے۔ یہ **عذابِ الٰہی ہے اور عذابِ الٰہی تلواروں سے نہیں توبہ سے ہٹتا ہے**۔ توبہ کرو رجوع الی اللہ کرو، اپنا کردار درست کرو، یہ درست ہو جائے گا۔ عذابِ الٰہی کسی طاقت اور بندوق سے رفع نہیں کیا جا سکتا یہ توبہ اور اصلاح سے ختم ہو گا۔

آج ہم بھی اپنی اصلاح کر لیں، حقوق کا تحفظ کر لیں۔ جس کا جو حق بنتا ہے وہ اسے دیں جو ہمارا حق بنتا ہے اسے لیں تو آج بھی سب کچھ درست ہو سکتا ہے!

ارشاد ہوتا ہے کہ جس جس نے معاشرے میں بغاوت کی اس پر اللہ کے عذاب کا کوڑا برسایا گیا۔ بے شک اللہ، ہر چیز پر، ہر حال، ہر وقت نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ فرمایا: **اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ﴿۱۴﴾** بے شک آپ کا پروردگار تاک میں ہے۔

'تاک میں ہے' سے کیا مراد ہے؟

مِرۡصَادِ کا ترجمہ عموماً "گھات لگائے ہوئے" کیا گیا ہے۔ اردو میں گھات موزوں یا مناسب ترجمہ نہیں ہے۔ عموماً شکاری گھات لگا کر بیٹھتا ہے۔ چھپ کر بیٹھتا ہے تا کہ شکار قابو کرے یا درندہ گھات لگا کر بیٹھتا ہے کہ جانور بس میں آ گیا تو گرا لے۔ دشمن کو مارنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھتے ہیں لہٰذا یہاں یہ ترجمہ مناسب نہیں کہ گھات لگا کر بیٹھنے والا شکار کی حرکت کو دیکھ رہا ہوتا تھا اور اس کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ **لَبِالۡمِرۡصَادِ﴿۱۴﴾** کا ترجمہ میں نے بھی اکرم التراجم میں یہی لکھا ہے کہ آپ کا پروردگار تاک میں ہے۔ تاک بھی کوئی موزوں لفظ نہیں۔ چونکہ اردو کا دامن تنگ ہے۔ مِرۡصَادِ کا متبادل لفظ اردو میں نہیں ملتا، ترجمے میں اس کے اصل معنی کی ترجمانی نہیں ہو سکتی لہٰذا جو لفظ قریب ترین ہو وہی لکھنا پڑتا ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ سوچ، ارادے سے لے کر کردار تک ہر چیز ہمہ وقت اللہ کے روبرو ہے اور اسی کے مطابق فیصلے ہو رہے ہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ فیصلے ناگوار ہیں، تکلیف دہ ہیں تو اپنی سوچیں، اپنے ارادے اور اپنے کردار کو دیکھ لو۔ اسے اچھا کر لو۔ فیصلے اچھے ہو جائیں گے۔

اللہ سے بچھڑے ہوئے لوگ:

اللہ کریم نے انسان کو اعلیٰ استعداد عطا فرمائی۔ مختلف علوم میں دسترس دی لیکن اس کا مزاج عجیب ہے فرمایا: **فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ﴿۱۵﴾** مگر انسان (عجیب ہے) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے پھر اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔

ربِّ کریم انسان کو دو طرح سے آزماتا ہے۔ اسے دنیا میں فراخی دے دیتا ہے۔ دولت، صحت، اولاد، مرتبہ، عہدہ، اختیار و اقتدار، ڈھیروں نعمتیں عطا کر دیتا ہے۔ حق تو یہ تھا کہ اتنے انعامات پا کر احساسِ تشکر سے بندے کی کمر جھک جاتی۔ اللہ کے احسانات پا کر سر بسجود ہو جاتا۔ لیکن وہ کہتا ہے دیکھو! میرا کمال دیکھو! میں نے اپنی قابلیت سے اتنی دولت جمع کر لی۔ یہ میری لیاقت ہے کہ میں جاگیردار ہوں، وزیر ہوں۔

اگر اس کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہوتا، دل روشن ہوتا، عظمتِ الٰہی کی، جمالِ الٰہی کی کوئی جھلک پاتا تو شکر کرتا کہ ربِّ کریم نے آسانیاں دیں نعمتیں دیں اور ان نعمتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرتا۔ اقتدار ملا تھا تو اللہ کا نظامِ عدل لاتا۔ لوگوں کو ان کے حقوق بہم پہنچاتا۔

آزمائش ایسے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا: وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے تو اس پر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے (ہائے) میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔

اللہ سے بچھڑے ہوئے لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں دامانِ رسالت نہیں ہے وہ جنہیں برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نصیب نہیں وہ بگڑ جاتے ہیں۔ دولت و اقتدار اللہ کریم دیتے ہیں اور وہ اسے ذاتی کمال سمجھتے ہیں۔ اس پر اکڑتے ہے۔ جب اللہ ان پر تنگی بھیج دیتا ہے بیماری اور غربت بھیج دیتا ہے اور معاشرے میں قدر و قیمت نہیں رہتی تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں تو خدا نے ذلیل ہی کیا۔ یہ نہیں سوچتے کہ کہیں ان کی اپنی کوتاہی تو نہیں۔ اگر کوئی غلطی کوتاہی نہیں بھی ہے تو جس کی کائنات ہے اس نے غریبی بھیجنا منظور کیا ہے۔ اس کا نظام ہے۔ بہت سے امور میں غربت امارت سے بہتر ہے۔ بہت سی حرام چیزیں دولت سے خریدی جا سکتی ہیں۔ غریب نہیں خرید سکتا۔ غریبی میں فکریں کم ہوتی ہیں، امیری میں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ چار روزہ زندگی ہے جو دنیا میں بسر کرنی ہے۔ اللہ کریم دولت دیں یا نہ دیں۔ انسان جس حال میں بھی ہو اللہ کا فرماں بردار رہے۔

جن کا عمومی مزاج یہ ہے کہ غریبی میں راضی ہیں نہ امیری میں۔ غریب ہو جائیں تو تقدیر سے لڑتے ہیں۔ اللہ سے شکوے کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمارا کیا کیا! ہمارے ساتھ تو اللہ کی دشمنی ہے اور امیر ہو جائیں تو اپنی لیاقت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ انسان کو آسانیاں ملتی ہیں تو بپھر جاتا ہے، تنگی آتی ہے تو اللہ کریم سے ناراض ہوتا ہے لیکن اس کا اپنا کردار یہ ہے۔ فرمایا: كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر نہیں کرتے۔

یہ اللہ سے بچھڑے ہوئے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ ان کی صفات کا بیان ہے کہ یتیموں، کمزوروں، بے بسوں کو کوئی مقام دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ یہ صفات تو منکرین کی ہیں، ہمیں قرآن

کے ذریعے بتائی جارہی ہیں کہ مسلمان میں یہ صفات نہ در آئیں ورنہ ایسے کردار کا انجام بھی منکرین کے ساتھ ہی ہوگا۔ افسوس! کہ آج مسلمان معاشرے میں یہ سب کچھ کسی نہ کسی صورت موجود ہے۔

قرآن تقاضا کرتا ہے کہ جہاں یتیم و بے کس کی مدد کی جائے وہاں اسے اپنے جیسا انسان بھی سمجھا جائے۔ اس کے انسانی حقوق کا تحفظ کرنا اسے انسانی احترام و اکرام دینا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی غریب یا کمزور ہے تو اس قادرِ مطلق نے اسے غربت تو دی ہے لیکن ایک انسان بھی بنایا ہے۔ اس کے انسانی حقوق بھی وہی ہیں جو کسی امیر کے ہیں۔ اس کا انسانی مزاج بھی وہی ہے جو ایک امیر آدمی کا ہے۔ جس طرح کوئی امیر یا سردار چاہتا ہے کہ اس سے احترام سے بات کی جائے۔ غریب آدمی بھی یہی چاہتا ہے کہ اس سے توہین آمیز رویے سے نہ پیش آیا جائے۔ اسے ایسی نظروں سے نہ دیکھا جائے جن میں حقارت ہو نہ ایسی گفتگو ہی کی جائے بلکہ دلی طور پر احترام کیا جائے۔ آخر وہ بھی انسان ہے اور انسانوں ہی کی طرح محسوس کرتا ہے۔ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ ”اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت دلاتے ہو۔“ جو کوئی کسی کی مالی مدد کرنے کے قابل نہ ہو وہ کسی مالدار کو نیک رائے مشورہ تو دے سکتا ہے کہ یتیم کی دیکھ بھال کرو۔ جس کے پاس خود کسی کو دینے کو کچھ نہیں ہوتا وہ اپنے کسی کشادہ دست، خوشحال بھائی یا دوست کو تو کہہ سکتا ہے کہ غربا کا خیال رکھو، ان سے احترام سے پیش آؤ، انہیں عزت سے بلاؤ۔ ان کی مدد کا چرچا کر کے تماشا نہ بناؤ۔ جو لوگ آج اتنا بھی نہیں کرتے انہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ آج ان کے پاس کچھ فراخی ہے اور وہ کمزور کا احترام نہیں کر رہے تو کل یومِ حشر جب یہ کمزور و لاچار کھڑے ہوں گے تو یہ کیا امید کرتے ہیں کہ ان کا احترام کیا جائے گا!

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ اور میراث کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ مرنے والے کی موت سے عبرت حاصل کریں کہ مرنے والا ساری زندگی مال کماتا رہا تو وہ کون سا ساتھ لے گیا۔ جب وہ نہیں لے کر گیا تو ہم کیسے مال اٹھا کر قبر میں لے جائیں گے۔ بجائے جائیدادیں چھوڑ کر جانے والوں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کے یہ جائیدادیں ہڑپ کر کے خوش ہوتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ورثا کو سوچنا چاہیے کہ اس شخص نے کتنی محنت کی۔ تھوڑا تھوڑا کر کے جمع کیا۔ شاید بھوکا رہا ہوگا۔ کم قیمت کپڑے پہنے ہوں گے۔ کس طرح بچایا ہوگا۔ کہاں کہاں سے لیا ہوگا اور دیکھو چھوڑ کر چلا گیا اور ہمیں وراثت میں مل گیا تو کل ہمیں بھی چھوڑ کر جانا ہے۔ میں کم از کم ہم وراثت کے شرعی قانون کے مطابق تقسیم کریں۔ اپنا حصہ لیں اور دوسروں کا انہیں دے دیں۔ لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے! بھائی بہنوں کا حصہ ہڑپ کر جاتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ یعنی مرنے والے کی موت بھی انہیں درس عبرت نہیں دیتی گویا انہوں نے ہمیشہ ہی یہاں رہنا ہے اور یہ مال ان کے پاس ہمیشہ ہی رہے گا حالانکہ انہیں بھی جلد ہی اسے چھوڑ کر چلا جانا ہے۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ﴿۲۰﴾ ''اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔فرمایا،تم مال جمع کرنے میں مگن ہوک جاتے ہو یہاں تک کہ تم پر ایک ہی دھن سوار ہو جاتی ہے کہ جہاں سے ملے، جتنا ملے جمع کرتے جاؤ۔ یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ جمع کر کے کہاں لے جاؤ گے؟ حرص و ہوس کے ایسے شکار ہو چکے ہیں کہ اس جہان میں لوٹ مار کر رہے ہیں اور کل جب اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں محتاج کھڑے ہوں گے تو وہاں بھی یہ امید رکھتے ہوں گے کہ ان کا بڑا اکرام کیا جائے، لحاظ کیا جائے، ان پر بڑی عطا بھی ہو آج جب تم دارِ دنیا میں ہو۔ جن کا حصّہ بنتا ہے انہیں نہیں دیتے، ان کی میراث سمیٹ لیتے ہو، ان کا حصّہ ہڑپ کر جاتے ہو تو کل کس امید پر لینے کے امیدوار ہو؟

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ ''تو پھر جب زمین توڑ دی جائے گی ریزہ ریزہ۔'' خوب سن لو! یہ زمین ٹھوک ٹھاک کر برابر کر دی جائے گی ایک سپاٹ میدان بنا دی جائے گی۔ پہاڑ اور وادیاں، میدان اور گھاٹیاں سب برابر ہو جائیں گی۔ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ اور تمہارا پروردگار جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار'' ذاتِ باری جلوہ افروز ہوگی۔ فرشتے صف در صف حاضر ہوں گے۔ بارگاہ الٰہی ہوگی اور تم وہاں بے کس و بے بس، بے آسرا بن کر کھڑے ہو گے۔ مال و دولت، زر و جواہر، جاگیریں، وراثتیں کہاں گئیں؟ آج دنیا میں بتایا جا رہا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔ اس میں سے کسی غریب، مسکین کو اوّل تو کوئی دیتا نہیں ہیں۔ اگر دے بھی دے تو حقارت سے دیتا ہے۔ احسان جتاتا ہے تو پھر اپنے لیے یہ امید کیسے رکھتا ہے کہ میدانِ حشر میں اس پر بڑی عطا ہوگی! وہ تو ربّ العالمین کی بارگاہ ہے۔ اور یہ تقاضائے ربوبیت ہے کہ ہر چیز پر اس کے مطابق نتائج مرتب ہوں۔ جو آج دنیا میں کر رہے ہو وہ تم آج بو رہے ہو۔ اور کل میدانِ حشر میں وہی کاٹو گے۔ جو تمہارے روّیے آج ہیں انہی پر کل نتائج مرتب ہوں گے۔

یاد رکھو! وہ دن جب آئے گا اس دن کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے گی۔ وَجِايْٓءَ يَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَىٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ اور اس دن دوزخ (سامنے) لائی جائے گی اس روز انسان متنبہ ہوگا مگر اب انتباہ سے اسے فائدہ کہاں۔

اس دن سب حجابات اٹھ جائیں گے۔ جہنم کے شعلے اور اس کی دہک دکھائی دے رہی ہوگی۔ دوزخ کی چنگھاڑ سنائی دے رہی ہوگی۔ اس دن تمہیں سمجھ آجائے گی کہ بات کیا تھی لیکن تب سمجھنے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ تب نصیحت کا کیا فائدہ؟ اللہ جلّ شانہٗ نے تمہیں ذاتی طور پر اپنے کلام سے نوازا۔ تمہیں کلامِ باری پر اعتماد نہ آیا۔ اصدق الصادقین، حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ایک ایک بات بتاتے رہے لیکن تمہیں اعتماد نہ آیا۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھا تو سمجھ آئی۔ اب نصیحت کا کون سا موقع اور کیا فائدہ؟

مجھے میڈیا پر بڑی حیرت ہوتی ہے جب وہ یہ کہتے ہیں کہ قوم نے اور راہنماؤں نے قائداعظمؒ کی باتیں بھلا دیں۔ آج قائداعظمؒ کے اصولوں پر نہیں چلتے۔ کوئی اس سے بڑا تیر مارے تو کہتا ہے کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی باتیں بھلا دیں۔ جو قوم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بھلائے بیٹھی ہے اس کے سامنے قائداعظمؒ کیا اور علامہ اقبالؒ کیا؟ جسے یہ شعور نہیں کہ ذاتِ باری کا ارشاد کیا ہے، اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام کیا ہے! انسانیت کے لیے ربّ العالمین کا آخری پیغام کیا ہے! جو قوم کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلام قبول کرنے کے باوجود پروا نہیں کرتی اس کے پاس کیا منطق ہے؟ جو کلمہ پڑھ کر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو اہمیت نہیں دیتا وہ کسی کو کیا جانتا ہے؟ اس سے کوئی کسی بھلائی کی کیا توقع رکھ سکتا ہے؟ اس کے لیے قائداعظمؒ محض ایک سیاسی لیڈر ہیں اور علامہ اقبالؒ محض ایک شاعر! علامہ اقبالؒ کی شاعری میں کیا کمال ہے؟ اُن کے کلام میں صرف یہ کمال ہے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو منظوم کر دیا ہے اس لیے قیمتی ہوگئی ہے کہ وہ باتیں ان کی اپنی نہیں ہیں۔ اللہ کا ان پر احسان ہے، ان کی جو ساری معروف شاعری ہے وہ قرآن وحدیث ہے۔ آپ علامہ اقبالؒ کے حوالے سے ہی سہی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو سنیں۔ کسی عالم کے حوالے سے سہی، کسی پیر صاحب کے حوالے سے سہی سارے تو حوالے ہیں، ذریعے ہیں، واسطے ہیں بات تو اللہ کی مانی جائے گی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانی جائے گی۔ اطاعت تو اللہ کا حق ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ جو اللہ سے باغی ہے پھر وہ کسی اور کو کیا سمجھتا ہے، اس سے کیا توقع رکھی جائے؟ فرمایا جب جہنم سامنے ہوگی، حشر بپا ہوگا، کائنات تباہ ہوجائے گی، دولتیں لٹ جائیں گی، زندگیاں ختم ہوچکی ہوں گی دنیا کی اور آخرت شروع ہوجائے گی، فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے۔ بندہ گرفتار بلا ہوکر بارگاہِ الٰہی میں جائے گا، دہکتا ہوا دوزخ سامنے ہوگا تو پھر سمجھ آئے گی کہ کیا بھلا تھا، کیا بُرا تھا لیکن اب سمجھ آنے کا کیا فائدہ! اس وقت کہے گا **يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ** ﴿۲۴﴾ **کہے گا اے کاش! میں نے اپنی (ہمیشہ کی) زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔**

اس وقت سمجھ آئے گی کہ زندگی تو اب شروع ہوئی ہے اصل حیات تو اب شروع ہوئی ہے جسے ختم ہی نہیں ہونا۔ دنیا کی زندگی چندروزہ تھی جس کے لیے میں سامان جمع کرتا رہا۔ برزخ میں خالی ہاتھ آیا اگرچہ صدیاں بیت گئیں لیکن برزخ بھی ختم تو ہوگیا۔ اب جو زندگی شروع ہوئی ہے اسے تو ختم ہی نہیں ہونا اور دنیا میں جو چند سال تھے وہاں سے سودا سلف خرید کر اس زندگی کا سامان بھیجنا تھا۔ لباس بھیجنا تھا، خوراک بھیجنی تھی مکان بنانے تھے، رہائش بنانی تھی اس کے لیے تو کچھ کیا ہی نہیں۔ اے کاش! میں نے کچھ تو بھیجا ہوتا۔ اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ پس اس دن اس (اللہ) کے عذاب کی طرح کا عذاب (کوئی کسی کو) نہ دے سکے گا۔ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ اور نہ کوئی اس طرح قابو کر سکے گا۔

اس دن اللہ کے عذاب کی سمجھ آئے گی۔ دنیا میں تو انسان نے بڑی بڑی سزائیں جھیلیں ہوں گی، دیکھی ہوں گی، لوگوں کو دی ہوں گی، لوگوں پر بیتتی دیکھی ہوں گی لیکن جو عذابِ الٰہی ہوگا ایسا نہیں دیکھا ہوگا۔ ایسا کسی نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ اتنی سزا ہوگی اور اس طرح بھی ہو سکتی ہے۔ دنیا میں بھی لوگ پکڑے جاتے ہیں، گرفتار ہو جاتے ہیں لیکن کوئی بھاگ جاتا ہے، کوئی چھپ جاتا ہے، کوئی مَر جاتا ہے، دنیا والوں کے قابو نہیں آتا۔ فرمایا، جیسی پکڑ قیامت کو ہوگی اس سے کوئی بھاگ نہیں سکے گا نہ کوئی غائب ہو سکے گا چھڑایا جا سکے گا نہ کسی کی سفارش ہو سکے گی، نہ ہی رشوت چل سکے گی۔ کسی طور اس سے مفر نہ ہوگا نہ کوئی بھاگنے کی جگہ ہوگی۔ ایسے عذاب ہوں گے جنہیں انسان سوچ نہیں سکتا اور دوسرا کوئی ایسے عذاب دے بھی نہیں سکتا۔

اللہ والوں کا اکرام:

فرمایا: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ اے اطمینا نے پانے والی روح!

فرمایا، اسی لمحے ایسی بھی ارواح ہوں گی ایسے بھی لوگ ہوں گے، ایسے بھی افراد ہوں گے جن پر اللہ کی رحمت برس رہی ہوگی وہ ارواح جنہوں نے دنیا میں اطمینان حاصل کیا۔ یہاں نفس بمعنی روح کے استعمال ہوا ہے نفس کا اطلاق بعض اوقات روح پر بھی کر دیتے ہیں اور پورے انسان پر بھی ہوتا ہے۔ محاورے میں جس طرح لفظ استعمال ہوتا ہے وہ لوگ وہ افراد جنہوں نے اطمینان حاصل کیا، یعنی نفسِ الْمُطْمَئِنَّةُ۔

اطمینان کہاں سے ملتا ہے؟ کس دکان سے ملتا ہے، کتنے میں ملتا ہے؟ دنیا میں تو قرآن اعلان کرتا رہا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: 28) اطمینانِ قلب، اللہ کے ذکر، اللہ کی یاد سے ملتا ہے۔ اللہ اللہ کی تکرار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل اطمینان پکڑتا ہے۔ اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ برائی کڑوی لگنے لگتی ہے اور نیکی بھلی لگنے لگتی ہے۔ اطاعتِ الٰہی کی توفیق ارزاں ہوتی ہے اور عبادت طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ پھر جس طرح کھانے کی بھوک لگی ہے، پانی کی پیاس لگتی ہے اسی طرح نماز کی خواہش جاگتی ہے۔ جس طرح سانپ سے ڈر لگتا ہے، بچھو سے ڈر لگتا ہے اسی طرح پھر گناہ سے ڈر لگتا ہے اور یہ برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوتا ہے۔

یاد رکھیں! ذکر کی بہت سی اقسام ہیں جن کو تین بنیادی قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ذکرِ لسانی، عملی اور قلبی۔ ایمان کا دعویٰ کرنا کلمہ پڑھنا ذکرِ لسانی ہے۔ تلاوت، تسبیحات، نیک بات کرنا، بھلائی کی بات کرنا، سچ بولنا، سچی گواہی

دینا، جتنی زبانی نیکیاں ہیں یہ سارا ذکرِ لسانی ہے۔ نیک کام کرنا جس کام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے وہ بھی ذکر ہے وہ عملی ذکر ہے لیکن یہ سارا ذکرِ لسانی اور ذکرِ عملی بھی خشوعِ قلب پر منحصر ہے۔ اگر دل میں خلوص نہیں ہے تو یہ سارا دکھاوا اور بناوٹ بن جاتی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ دل کا خشوع منحصر ہے دل کے ذاکر ہونے پر اور دل برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاکر ہوتے ہیں۔ زبان پر الفاظ تعلیمات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے آتے ہیں۔ الحمد للہ! زبانی ذکر بہت اچھی بات ہے، توفیقِ عمل بہت اچھی بات ہے لیکن بڑا تیر مارے اور نجات پالے تو بہت بڑا کمال ہے! اگر برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے قلب ذاکر ہو جائے اور یہ نصیب ہو جائے تو یہ قربِ الٰہی کی دلیل بنتا ہے۔ نجات اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن قربِ الٰہی اور چیز ہے۔ نجات اور چیز ہے۔ تعلیماتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور برکاتِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ فرق ہے۔

جب منکرین پر عذاب کے کوڑے برس رہے ہوں گے جہنم دہک رہا ہوگا اور یہ لوگ لرزاں و ترساں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ان کے گلوں میں طوق ہوں گے اور آگ کا لباس پہنا کر جہنم میں پھینکے جا رہے ہوں گے۔ اسی لمحے وہ مطمئن لوگ جنہوں نے دنیا میں تعلیمات و برکات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سمیٹیں اور اُن کی ارواح مطمئن ہو کر آخرت میں پہنچیں وہ بہت مزے میں، آرام اور سکون میں ہوں گے۔ ارشاد ہوگا، یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿٢٨﴾ اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل کہ تو اس سے راضی ہے (اور) وہ تجھ سے راضی۔

دنیا میں اپنے ربّ کی یاد سے اطمینان حاصل کر لینے والی روح کو عزت و اکرام سے نوازا جا رہا ہے کہ تیرا اب یہاں کوئی کام نہیں۔ تُو اپنے رب کے قرب میں رہ، تو پروردگار کی حضوری میں رہ، تو نے اسے راضی کیا تھا آج وہ تجھے راضی کرے گا، تو نے زندگی اس کی رضا کے لیے بسر کی آج جو تو چاہتا ہے وہ تجھے ملے گا خوش باش رہ، راضی خوشی رہ، تو اپنے پروردگار سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ آج میرے ممتاز اور چُنے ہوئے بندوں میں داخل ہو جا۔ اُن بندوں میں شامل ہو جا جو میرے ہیں جو میرے لیے جیئے جو میرے نام پر مرے۔ جنہوں نے زندگی بھر میری رضا کے لیے کاوشیں کیں۔ جو میری خوشنودی چاہتے رہے۔ جو میرے بندے بنے اور نفس کے بندے نہ بنے نہ ہی شیطان کے بنے۔ جو صرف میرے رہے۔

اہل اللہ کی صحبت کا کمال:

فرمایا، آج تُو میری جنت داخل ہو جا۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ صحبتِ صالح، اہل اللہ کی صحبت، اللہ والوں

کی صحبت ہی جنت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو کچھ کھا پی لیا کرو۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے باغ جنت کے ہیں جس کے پاس سے ہم گزرتے ہیں؟ فرمایا: ذکر اللہ کی مجلسیں!

فَادْخُلِي فِي عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ پھر تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا۔ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾ اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

اس آیت کی تشریح اس حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ ذکر اللہ کی محفلوں میں شامل ہو کر جنت کے باغوں سے کچھ کھا پی لیا کرو۔ اس کا مطلب ہے کہ صالحین کی صحبت، اہل اللہ کی صحبت، اللہ اللہ کی مجالس، ذکر اللہ کی مجالس جنت کی مثال ہیں۔ جنت کے باغ ہیں لہٰذا کچھ نہ کچھ حاصل کر لینا چاہیے۔ توفیقِ الٰہی ہو تو بندہ ان مجالس میں عمر بسر کر دے کہ یہی اطمینانِ قلب عطا کرتی ہیں۔ سورۂ رعد میں یہی فرمایا گیا ہے کہ دل کا اطمینان صرف اللہ کے ذکر میں ہے اور یہی چیز اس دن پکاری جائے گی کہ اے وہ جان! جو اطمینان لے کر آئی ہے۔ اس دن پتا چلے گا کہ دنیا سے کیا کیا خریدا؟ فکریں خریدیں، تفکرات خریدے، خوف خریدا، ڈر خریدا، دکھ خریدا، پریشانیاں خریدیں کیا خرید کر لائے؟ کیا اطمینان خریدا؟ جو اطمینان لائے ہیں وہ اس طرف آ جائیں۔ تو بہت بڑی اللہ کی نعمت ہے۔

صحبتِ صالح تُرا صالح کند
صحبتِ طالع تُرا طالع کند

نیکوں کی صحبت میں نیک ہو جاؤ گے۔ بدکاروں کی صحبت تمہیں بدکار بنا دے گی تو اپنا جتنا وقت نصیب ہو وہ صحبتِ صالح میں بسر ہو تو سمجھو وہ جنت میں بسر ہوگا۔ مجھے بڑی حیرت ہوتی جب یہ کہا جاتا ہے کہ دعا کریں ذکر نہیں ہو رہا، کمال ہے! عجیب دعا ہے۔ اللہ نے جنت کھول کر رکھ دی ہے بندہ کہہ رہا ہے میں اندر بیٹھ نہیں سکتا۔ اللہ نے جنت کا باغ دے دیا ہے یہ کہتا ہے میں کچھ کھا نہیں سکتا۔ کمال ہے، کیا جواب ہے! جس کے سامنے جنت کا پھل ہو اور وہ کہے دعا کرو میں نہیں کھا سکتا تو اس کے لیے پھر کیا دعا ہے؟ یہ دنیا کی رسمیں چھوڑو، دیانت داری سے، خلوص سے عمل کرو اور غنیمت سمجھو۔ لوگوں نے عمریں لگا دیں، دنیا بھر کے سفر کیے انہیں کوئی بندہ نہیں ملتا تھا جو قلبی ذکر سکھا دے اور لطائف ذاکر کرا دے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور بلا تکلف ہمیں یہ نعمتیں نصیب ہو گئیں اور تمہارے پاس فرصت نہیں ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنا سیکھو!

سورۃ البلد رکوع 1 آیات 1 تا 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ ﴿١﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَۙ ﴿٣﴾ لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍؕ ﴿٤﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌۘ ﴿٥﴾ يَقُوْلُ
اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًاؕ ﴿٦﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌؕ ﴿٧﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِۙ ﴿٨﴾
وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِۙ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِۚ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَاۤ
اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُؕ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍۙ ﴿١٣﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍۙ ﴿١٤﴾
يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍۙ ﴿١٥﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍؕ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِؕ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِؕ ﴿١٨﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِؕ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

ہمیں اس شہر کی قسم ﴿١﴾ اور آپ اس شہر میں رہتے ہیں ﴿٢﴾ اور باپ (یعنی آدم علیہ السلام) اور اُن کی اولاد کی قسم ﴿٣﴾ کہ بلاشبہ ہم نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے ﴿٤﴾ کیا وہ سوچتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پا سکے گا ﴿٥﴾ کہتا ہے میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا ﴿٦﴾ کیا اُسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا ﴿٧﴾ بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں ﴿٨﴾ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے) ﴿٩﴾ اور (خیر و شر کے) دونوں راستے بھی اس کو دکھا دیے ﴿١٠﴾ مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا ﴿١١﴾ اور تم کو کیا خبر کہ گھاٹی کیا ہے؟ ﴿١٢﴾ کسی (کی) گردن کا چھڑانا ﴿١٣﴾ یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ﴿١٤﴾ یتیم رشتہ دار کو ﴿١٥﴾ یا فقیر خاکسار کو ﴿١٦﴾ پھر ان لوگوں میں (داخل)

ہوا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت کی اور شفقت برتنے کی نصیحت کی ﴿۱۷﴾ یہی لوگ صاحبِ یمین ہیں ﴿۱۸﴾ اور جنہوں نے ہماری آیات کو نہ مانا وہ بدبخت ہیں ﴿۱۹﴾ یہ لوگ آگ میں بند کر دیے جائیں گے ﴿۲۰﴾

تفسیر و معارف

سورۃ البَلَد بھی مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔

شہرِ عظیم اور انسانی زندگی گواہ ہے کہ زندگی ایک محنت کا نام ہے:

ارشادِ باری ہے، فرمایا: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ ہمیں اس شہر کی قسم۔

فرمایا، ہمیں اس شہرِ بے مثال کی قسم یعنی یہ عظیم شہر اس بات پر گواہِ عدل ہے۔ مکہ مکرمہ زمین کا وہ خطہ ہے، وہ شہر ہے جو سب سے پہلے آباد ہوا۔ جب زمین نہیں تھی صرف پانی ہی پانی تھا، اُس کی سطحِ آب پر ایک نقطہ تھا جس سے زمین کو پھیلایا گیا۔ یہ نقطہ وہ جگہ ہے جہاں آج بیت اللہ شریف ہے۔ مالک والملک نے اس سے پوری زمین کو پھیلا دیا، بنا دیا۔ یہیں آدم علیہ السلام نے زمین پر پہلا گھر بنایا جو اللہ کا گھر تھا، جس کی ملکیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں۔ اسی شہرِ عظیم سے انسانی آبادی کی ابتدا ہوئی۔ اس اعتبار سے بھی یہ شہرِ بے مثال پوری انسانی تاریخ پر گواہ ہے۔ یہیں سے آبادیوں بستیوں اور شہروں کا تصور شروع ہوا۔ یہیں سے اولادِ آدم علیہ السلام کی ابتدا ہوئی اور انسانیت روئے زمین پر پھیلی، شہر بستیاں، ممالک بنے۔ لہٰذا یہ عظیم شہر گواہ ہے اور فرمایا: وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ اور آپ اس شہر میں رہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس شہر میں جلوہ افروز ہیں، مقیم ہیں۔ وہ ہستی جسے اللہ نے ساری کائنات کے لیے اپنی رحمت کا سبب، واسطہ اور ذریعہ بنایا اس ہستی کے قیام کے لیے اس شہر کو پسند فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ افروز ہونے سے اس شہر کی عظمت اور تقدس کو چار چاند لگ گئے اور اس شہر کے کائنات پر گواہ ہونے کی عظمت دوبالا ہوگئی۔

یہ عظیم شہر کائنات کے زیر و بم پر گواہ ہے۔ یہ واقعاتِ عالم پر انسانی تاریخ پر گواہ ہے۔ کس طرح انسان زمین پر وارد ہوا اور زندگی کی ابتدا کی۔ پھر اس کے رشتے ناتے بڑھے، آبادیاں پھیلیں، دوستیوں سے آگے پھر دشمنیاں بنیں قومیں اور ممالک تقسیم ہوئے۔ جب اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہر میں قیام پذیر ہونے کا شرف بخشا

تو اس شہر کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ یہ پھر سے واقعاتِ عالم کا گواہ ٹھہرا کہ پوری انسانیت کے لیے ہمیشہ کے لیے بھلائی اور برائی، نیکی و بدی، ایمان اور کفر، حق اور باطل کی تمیز کا آخری بار بھی گواہ یہی شہرِ عظیم ٹھہرا۔

یہ شہر جو آبادیوں کی بنیاد ہے اور تب سے لے کر اب تک آباد ہے اور معمورۂ عالم کو دیکھ رہا ہے۔ یہ شہر جو تجلیاتِ باری کا مرکز ہے، تجلیاتِ ذاتی کی آماجگاہ ہے۔ یہ شہرِ عظیم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن اور قیام گاہ ہے اور پوری انسانیت کے لیے آخری بار حق و باطل میں حدِ فیصل کا چشم دید گواہ ہے۔ انقلاباتِ زمانہ کا گواہ ہے۔ یہ اس بات پر گواہ ہے اور فرمایا: وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴿۳﴾ ''اور باپ (یعنی آدم علیہ السلام) اور ان کی اولاد کی قسم'' فرمایا، خود انسانیت کی تخلیق اور ارتقا بھی گواہ ہے۔ آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم علیہ السلام، اولاد و مولود بننے کا تسلسل یعنی باپ بننا، اولاد کا ہونا، اُس کی تربیت کرنا، اولاد کا بڑا ہونا، پھر ان کا والد بننا، پھر اولاد کا ہونا یہ سارا نظام اس بات پر گواہ ہے، فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ﴿۴﴾ کہ بلاشبہ ہم نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے۔

مکہ مکرمہ جو حق و باطل اور انقلاباتِ زمانہ کا گواہ ہے اور خود تخلیقِ انسانیت اس بات پر گواہ ہے کہ ہم نے انسان کو ایک پُرمشقت زندگی دے کر پیدا فرمایا ہے۔ گویا یہ انسانی فطرت میں ہے کہ زندہ رہنے کے لیے کاوش کرنا پڑتی ہے۔ انسانیت کی تخلیق کا تسلسل، والد اور مولود، کس طرح مولود بڑھتا ہے، جوان ہو جاتا ہے پھر وہ والد بن جاتا ہے۔ آگے پھر مولود آ جاتے ہیں پھر وہ والد بن جاتے ہیں آگے پھر اولاد آ جاتی ہے تو یہ سارا نظام، ایک جد و جہد اور ایک پُرمشقت زندگی پر استوار ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی متنفس بے کار زندگی نہیں گزارتا، اُسے ہر حال میں کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ زندگی ایک مشقت اور محنت کا نام ہے۔ انسان کی تخلیق ہی اس انداز سے فرمائی گئی ہے کہ اُسے زندگی گزارنے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ کوئی انسان فارغ نہیں رہ سکتا، اس کے مقدر میں مشقت ہے۔ اگر کوئی اسے کھانا بنا دے پھر بھی اسے چبانا پڑتا ہے، خود کھانا اور ہضم کرنا پڑتا ہے۔ اس کا پورا نظام حرکت میں آتا ہے۔ کہیں گڑبڑ ہو جائے تو یہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

انسانی مشقت دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک وہ جو ہاتھ سے کی جاتی ہے یعنی جسمانی مشقت ہوتی ہے اور دوسری جو دماغ سے کی جاتی ہے، دل سے کی جاتی ہے، جو زیادہ مشکل زیادہ نازک اور زیادہ محنت طلب ہوتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک مزدور کی، غریب کی زندگی زیادہ پُرمشقت ہے کہ وہ سارا دن محنت کرتا ہے، پتھر توڑتا ہے، دیواریں بناتا ہے، لکڑیاں ڈھوتا ہے سارے کام کرتا ہے اور امیر تو شاید بیٹھا رہتا ہے۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ اس غریب سے سارے کام کراتا کون ہے؟ غریب کو تو آسان مشقت یعنی جسمانی کرنا پڑتی ہے لیکن وہ جو اس سے سارے کام کراتا

ہے اس کا پورا ذہن، دماغی قوتیں پیچھے متحرک ہوتی ہیں۔ ایک غریب کے ذمے اگر یہ ذمہ داری ہے کہ اس نے جانوروں کے آگے چارا کاٹ کر ڈالنا ہے تو بات ختم ہوگئی۔ اس نے جسمانی مشقت کی اور فارغ ہوگیا۔ اب جو مالک ہے اس کی ذمہ داریاں گنیں تو اس نے صرف ایک آدمی سے چارا نہیں ڈلوایا بلکہ کتنے لوگوں کو کام پر لگا رکھا ہے تو گویا اس کا ذہن ہر کام میں الجھا ہوا ہے۔ یوں اس کی مشقت بہت بڑھ جاتی ہے اور اُسے فراغت ہی نہیں ملتی۔ وہ رات دن فکروں میں الجھا رہتا ہے۔

فرمایا، انسان کے مقدر میں مشقت ہے۔ جب تک انسان کی عقل سلامت ہو اُسے کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ کوئی انسان فارغ نہیں رہ سکتا اُسے ہر حال میں محنت کرنی ہے۔ جب محنت ہی کرنی ہے تو غلط کاموں میں کیوں کرتا ہے! ہر کام کو کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک صحیح جو آسان بھی ہوتا ہے اور ایک غلط جو کرنے میں مشکل بھی زیادہ ہوتا ہے اور محنت بھی زیادہ لگتی ہے۔ جو کام غلط ہوتا ہے وہ ہمیشہ زیادہ پُرمشقت ہوتا ہے۔ ایک بندہ چوری کرتا ہے اور ایک ملازمت کر کے تنخواہ لیتا ہے۔ دونوں نے پیسے ہی لیے ہیں ناں؟ جس نے ملازمت یا مزدوری کی تنخواہ آرام سے لے لی اور بے فکر ہوگیا۔ جس نے چوری کی اُس نے جاں کا خطرہ مول لیا، اپنی راتوں کی نیند خراب کی، چوری کی پھر ڈرتا رہا کہ پکڑا گیا تو قید ہو جائے گی۔ جس نے چوری کی کم پیسوں کی تھی یا زیادہ کی یا جس نے تنخواہ لی تو دونوں نے پیسے ہی لیے اور پیسے لینا تو منع نہیں ہے۔ مزدوری کر کے، مشقت کر کے ملازمت یا تجارت کر کے لیتا تو آسانی سے لے لیتا۔ وہ حلال بھی ہوتے اُن کے نتائج بھی اچھے ہوتے۔ اس نے ڈاکا ڈالا، چوری کی تو لینے میں بھی تکلیف اور دنیا میں بھی نتائج بھگتنے پڑے جبکہ آخرت میں عنداللہ جو ہوں گے وہ زیادہ ہیبت ناک ہوں گے۔

انسان برائی پر کیوں لگ جاتا ہے؟

انسان نے مشقت تو کرنی ہے اور اللہ نے کسی نعمت سے روکا نہیں ہے تو پھر اچھے اور صحیح کاموں میں محنت کرے، اچھائی اور نیکی پر محنت کرے۔ وہ غلط کاموں کے لیے کیوں محنت کرتا ہے؟ فرمایا: اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝ کیا وہ سوچتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پاسکے گا۔ انسان برائی پر اس لیے لگ جاتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُسے کوئی پوچھے گا نہیں، وہ کسی کے قابو میں نہیں آئے گا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انسان اپنی تخلیق کو دیکھے، کس طرح خاکی ذرّات سے ایک مادّہ بنا اور اس سے انسان کو بنایا۔ اس کے وجود میں کھربوں سیل بنائے جن میں سے ہر لمحے لاکھوں مر رہے ہیں اور لاکھوں نئے بن رہے ہیں۔ انسان کو غذا کے ذرّے ذرّے کا محتاج بنایا۔ بھلا یہ بھاگ کر کہاں

جائے گا؟ اسے یہ خیال کیسے آ گیا کہ کوئی اسے پکڑ نہیں سکتا؟ جو ہمہ وقت اِس کے وجود کے ایک ایک سیل CELL کی تعمیر کر رہا ہے اُس کے دستِ قدرت سے کہاں بھاگ سکتا ہے! انسان اپنے نظامِ تخلیق کو دیکھے تو وہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ اُسے کوئی پکڑنے والا نہیں ہے؟ اس کا یہ خیال کتنا عجیب ہے! چونکہ ہر گناہ کے پیچھے یہ مضبوط خیال ہوتا ہے کہ میں پکڑا نہیں جاؤں گا۔ ہر جرم کے پیچھے ہی انسانی سوچ کارفرما ہوتی ہے کہ میں یہ جرم کرلوں گا لیکن میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔ انسان دنیا کی نظروں سے تو شاید چھپ جائے، دنیوی حکومتوں اور قوانین سے شاید خود کو بچا لے لیکن جو اس کا نظامِ تخلیق ہے کیا وہ اسے بتا نہیں رہا کہ اس کا ایک ایک ذرّہ کسی کے دستِ قدرت میں ہے؟ یہ بھاگ کر کہاں جائے گا؟

انسانی نفسیات:

فرمایا: يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ کہتا ہے میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا۔

انسانی نفسیات کو جس طرح قرآن زیرِ بحث لاتا ہے مخلوق نہیں لا سکتی چونکہ یہ خالق کی کتاب ہے جس نے نفسیات بنائی ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے اور جو وہ فرماتا ہے وہی حق ہے باقی انسانوں کے اندازے ہیں۔

یہ بڑی عجیب انسانی نفسیات ہے کہ ایک عام آدمی سے لے کر بادشاہ تک دوسروں پر احسان جتاتا پھرتا ہے۔ کہتا ہے میں نے بڑی محنت کی، بڑا مجاہدہ کیا۔ میں نے بھائیوں کو پالا، اولاد کو پالا، میں نے بچوں کی تعلیم پر بہت خرچ کیا، میں نے اہلِ محلہ کے لیے بہت کیا۔ حکمران کہتا ہے میں نے ملک کو بہت کچھ دیا، اتنی محنت کی جسے دیکھو دوسرے پر احسان کیے بیٹھا ہے۔ انسان غور نہیں کرتا کہ یہ خود مخلوق ہے جس کا ایک ایک سیل (CELL) ہمہ وقت تعمیر ہو رہا ہے۔ یہ کھربوں سیلوں کا مجموعہ ہے جسے لحظہ بہ لحظہ محتاجی ہے اور کتنی نعمتیں ہر وقت استعمال کر رہا ہے۔ رزق لے رہا ہے، ہوا میں سانس لے رہا ہے، سورج جیسے چراغ کی روشنی استعمال کر رہا ہے، بادل بارش الغرض کائنات کی ہر نعمت استعمال کر رہا ہے۔ یہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا بلکہ اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں نے اتنا خرچ کیا اتنا احسان کیا حالانکہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس کو کسی کا ذریعہ، وسیلہ بنا دیا۔ جو لیتا ہے اپنا نصیب لیتا ہے۔ اگر اس کو کسی کا ذریعہ بنا دیا بحیثیتِ والد یا بڑا بھائی ہونے کے یا بحیثیتِ حکمران ہونے کے تو دینے والا تو اللہ ہے جو اسے بھی پال رہا ہے، ہر لحہ دے رہا ہے۔ یہ اللہ کا کتنا شکر ادا کرتا ہے؟ فرمایا یہ مخلوق کا عجیب مزاج ہے کہ فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر ایک اپنا اپنا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے کہ اس نے کتنی محنت کی کتنا مال کس کس پر خرچ کیا۔ کس کس کی کفالت کی اُسے پالا! انسان نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ کوئی اُسے بھی پال رہا ہے؟ حکمراں بھی یہ نہیں مانتے کہ اُن پر اللہ کا احسان ہے یا لوگوں نے ان

پر احسان کیا ہے کہ انہیں اپنا حکمران بنایا ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں، ہم دن رات جاگ کر محنت کر رہے ہیں، لوگوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ کمال ہے! وہ بھی عوام پر احسان کیے ہوئے ہیں! جو اقتدار میں آجاتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کے لیے یہ کر دیا۔ بھئی تم نے کہاں سے کر دیا، کیا تم انسان نہیں ہو؟ کیا تم محتاج نہیں ہو؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے خلیفہ ہارون الرشید سفر پر تھے غالباً شکار پر تھے۔ وہ اپنے ہمراہ کچھ دانا لوگوں کو بھی رکھا کرتے تھے۔ راستے میں خلیفہ کو پیاس لگی تو انہوں نے خادم سے پانی مانگا۔ خادم پانی لے آیا تو جو بزرگ ساتھ تھے انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! ذرا ٹھہریئے، پانی نہ پیجیئے۔ وہ رک گئے تو بزرگ نے پوچھا کہ اگر آپ جنگل میں اکیلے ہوں۔ آپ کے ساتھ کوئی ساتھی نہ ہو اور کوئی آپ کو جانتا یا پہچانتا نہ ہو۔ اس گرمی میں پیاس لگی ہو اور آپ کو پانی کا گلاس کوئی نہ دے رہا ہو تو اس پانی کے گلاس کے لیے آپ کتنی قیمت دیں گے؟ وہ سوچنے لگے اور کہا کہ اگر اس ویرانے میں، اس شدید پیاس میں یہ گلاس مجھے آدھی سلطنت کے عوض مل جائے تو میں لے لوں۔ بزرگ نے کہا کہ اب آپ نوش فرمالیجیے۔ جب خلیفہ پانی پی چکے تو بزرگ نے کہا کہ یہ جو پانی آپ نے پیا ہے، اگر ایسی تکلیف ہو جائے کہ یہ پانی پیشاب کے راستے خارج نہ ہو۔ اگر کوئی علاج کرنے والا مل جائے تو آپ اُسے کیا دیں گے؟ خلیفہ نے کہا ساری بادشاہی دے کر جاں بچالوں گا۔

بزرگ کہنے لگے کہ یہ خیال رکھنا کہ اس ریاست کی قیمت تو اتنی سی ہے۔ اس پر کبھی فخر نہ کرنا۔

اللہ نے جسے جہاں رکھا ہے اُسے اپنے حصّے کی محنت بھی کرنی ہے شاہ و گدا میں سے فارغ کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔

ہر ایک نے سورج نکلنے کے ساتھ اٹھ کر کام پر لگ جاتا ہے اور سورج غروب ہونے تک محنت کرنی ہے۔

راتوں کو بھی کرنی ہے تو سیدھی سیدھی کیوں نہیں کرتا؟ کام ہی کرنا ہے تو صحیح کیوں نہیں کرتا؟ پھر کرتا ہے تو احسان کرتا ہے کہ میں نے بڑا مال خرچ کر دیا، فلاں کو یہ دیا، وہ دیا۔ بھئی تم کیا دو گے؟ تم تو خود ذرّہ ذرّہ جوڑ کر بنے ہو تم کیا دو گے! پھر ایک عجیب بات ہے کہ انسان ایک ہی دفعہ نہیں بن جاتا۔ آج کی سائنس کہتی ہے کہ انسانی وجود میں دس کھرب سیل (CELL) ہیں جو چھ مہینے میں سارے بدل جاتے ہیں یعنی چھ مہینے میں دس کھرب سیل مر جاتے ہیں اور دس کھرب نئے آجاتے ہیں۔ اگر ضرب تقسیم دے کر دیکھیں تو اس حساب سے ایک سیکنڈ میں بھی لاکھوں اموات نکل آئیں گی یعنی ایک سیکنڈ میں لاکھوں سیل (CELL) مر کر گر جاتے ہیں اور اس کی جگہ لاکھوں نئے بن جاتے ہیں۔

جب سیل بنتا ہے تو اس جیسا نیا بننا بھی شروع ہو جاتا ہے۔ جب نیا مکمل ہو جاتا ہے تو پہلا مر کر گر جاتا ہے۔ اب یہ انسان کہے کہ میں فلاں کو یہ دے رہا ہوں تو یہ کیا دے رہا ہے! یہ تو خود ہر لحہ زیرِ تعمیر ہے۔ اس تعمیر کے لیے اسے پانی، ہوا،

روشنی اور غذا درکار ہے اور انہیں حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے، محنت کرنا پڑتی ہے۔ دفتر جا رہا ہے، مزدوری پر جا رہا ہے، دکان پر جا رہا ہے۔ یہ تو ساری زندگی بھاگ بھاگ کر محض اپنے وجود کے سیل (CELL) پورے کرتا رہتا ہے۔ وہ گِر گِر کر جھڑتے رہتے ہیں، نئے آنے بند ہو جاتے ہیں تو تھک ہار کر بالآخر دم توڑ دیتا ہے! اس کی زندگی کا چراغ گُل ہو جاتا ہے۔ یہ کسی کو کیا دے گا؟ وہ دینے والا سب کو دیتا ہے اور انسان ہے کہ اُس کا شکر ادا کرنے کی بجائے دوسروں پر احسان کیے پھرتا ہے! اگر اس کے دسترخوان سے کوئی کھاتا ہے تو یہ نہیں دے رہا بلکہ وہ ربّ دے رہا ہے، اسے سبب بنا کر خواہ مخواہ معتبر کر دیا ہے۔ اسے مفت میں سفید پوشی مل گئی حالانکہ اس کے دسترخوان سے کھانے والا بھی اپنا ہی نصیبہ کھا رہا ہے، اپنے سیل (CELL) جمع کر رہا ہے۔ بنانے والے نے بنا کر اس کے دسترخوان پر سجا دیے ہیں۔ یہ مالک کا شکر ادا کرنے کی بجائے کھانے والے پر احسان دھر رہا ہے کہ میں نے تجھے روٹی دی! چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ کا احسان مانتا کہ بارالٰہا! دیا تو تُو نے ہے، مجھے ذریعہ بنا کر خواہ مخواہ یہ سفید پوشی دے دی۔ انہیں میرا ممنون کر دیا لیکن انسان عجیب مخلوق ہے کہ اللہ کا احسان نہیں مانتا۔ خود بھی ہر آن کتنی نعمتیں لے رہا ہے جن کا اسے احساس ہی نہیں ہے۔ کتنے انعامات لے رہا ہے لیکن شکر ادا نہیں کرتا اور اس طرف توجہ نہیں کرتا کہ منعم کی اطاعت بھی کرنا چاہیے۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ میں نے بہت محنت کی اور لوگوں پر بہت احسان کیے۔ حکمران کہتے ہیں ہم نے ملک کو بہت کچھ دیا، فلاں چیز بنا دی، اسے ایٹمی قوت بنا دیا۔ اگر لوگوں کو کچھ ملتا ہے تو وہ ان کا ہی سرمایہ ہے حکمران اپنے پاس سے تو کچھ نہیں دیتا۔ کھربوں روپے کا ٹیکس لیتے ہیں اس میں سے چند لاکھ کسی رفاعی کام پر لگا کر تختی لگا دی کہ یہ کر دیا۔ جو تھوڑا بہت لوٹایا اس کا احسان دھرتے ہیں۔ لوگوں نے انہیں اپنے سرمائے کا امین بنا کر اپنے اوپر بٹھایا، اُن کا احسان نہیں مانتے۔ لوگوں سے لے کر خود کھایا وہ بھی بھول گئے۔ مزے کی بات ہے حکمرانوں کی گاڑیاں گزرتی ہیں تو میلوں لمبا جلوس ہوتا ہے۔ ان گاڑیوں کی قیمت، اُن کی چمک دمک پھر جو اُن کے آگے پیچھے گارڈ ہیں اُن کی تنخواہ، اُن کی وردیاں، پھر اسلحے کی قیمت، یہ کروڑوں روپے کون دے رہا ہے؟ یہ وہ لوگ دے رہے ہیں جن کو سڑک پر آنے سے روک دیا جاتا ہے کہ صاحب نے گزرنا ہے۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے والے کیا سوچتے ہیں؟ انسان کے کردار سے ایسا لگتا ہے، فرمایا: اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۞ کیا اُسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔

یہ رویے تو بتاتے ہیں کہ انسان نے سوچ رکھا ہے کہ اسے کوئی دیکھ ہی نہیں رہا۔ اس کے اعمال کی کسی کو خبر ہی نہیں یعنی وہ ظاہراً چیزوں کو دکھاوے کے لیے خوبصورت بنانا چاہتا ہے جبکہ حقیقتاً مقصد نیکی یا رضائے الٰہی نہیں ہوتا۔

مفسرینِ کرام یہاں فرماتے ہیں جیسے لوگ ناجائز طریقے سے دولت جمع کر لیتے ہیں، دوسروں کے حقوق غصب کر لیتے ہیں، وسائل کا ناجائز استعمال کر لیتے ہیں یا طاقت اور قوت ہو تو چوری ڈاکا ڈال لیتے ہیں یا سود لے لیتے ہیں پھر حج بھی کر آتے ہیں۔ سال میں دو عمرے کر آتے ہیں۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے نیکی کا غلاف چڑھانا چاہتے ہیں تاکہ وہ انہیں نیک اور پارسا سمجھیں یا ان کا خیال ہوتا ہے کہ چلو جرم تو کیا تھا اب نیکی کر لی حج کیا، عمرہ کیا تو سب معاف ہو گیا۔ ان کا کیا خیال ہے اللہ ان کو دیکھ نہیں رہے؟ اسی طرح باہمی معاملات میں بھی لوگ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے سامنے کوئی جواز مل جائے جیسے عموماً لوگوں میں نکاح اور طلاق کا جھگڑا رہتا ہے۔ طلاق دیتے وقت تین طلاقوں پر بھی نہیں رکتے حالانکہ شریعت میں تین طلاقیں ہیں اور اُن کا بھی ایک شرعی طریقہ ہے۔ یہ جاہل سات طلاقیں دیتے ہیں یعنی تین تو طلاقیں ہوئیں باقی چار دین کے احکام کا مذاق اُڑانے کا جرم کیا۔ ایک الگ گناہ ہوا۔ پھر طلاق دینے کے بعد دوسرے ہی دن اُسے حلال کرانے کے لیے دوڑتے ہیں اور اُنہیں کوئی نہ کوئی دین فروش مل جاتا ہے۔ اُسے پیسے دے کر یا جھوٹ بول کر فتویٰ لے آتے ہیں اور لوگوں کے سامنے سرخرو ہو جاتے ہیں۔ اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ کیا یہ اللہ کے نزدیک درست ہو گا؟ کیا اللہ نہیں دیکھ رہے؟ کیا آخرت میں اس پر مواخذہ نہیں ہو گا؟ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی کو کیا خبر، کوئی نہیں دیکھ رہا اور محض لوگوں کے سامنے جواز پیش کر کے سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب یہاں بینک نہیں ہوتے تھے، لوگ اپنے پیسے ڈاکخانے میں رکھتے تھے۔ اب بھی شاید رکھتے ہیں کہ ڈاکخانے میں شرح سود زیادہ ہے۔ ایک بزرگ ہوا کرتے تھے اُن سے شناسائی تھی۔ وہ بھی پیسے ڈاکخانے میں رکھتے تھے اور سود لیتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ آپ پر اللہ کا کرم ہے، آپ خوشحال ہیں تو یہ سود کیوں لیتے ہیں؟ کہنے لگے میں سود کھاتا نہیں ہوں بلکہ غریبوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ حلال حرام میں امیر غریب کی تمیز تو نہیں ہے۔ جو حرام ہے وہ امیر کے لیے بھی حرام ہے اور غریب کے لیے بھی حرام ہے۔ جو حلال ہے وہ امیر کے لیے بھی حلال ہے اور غریب کے لیے بھی حلال ہے تو آپ نے غریبوں کو حرام ضرور کھلانا ہے؟ یہ کون سا جواز ہے؟ یہ کوئی جواز نہیں ہے اور غریبوں کو حرام دینا کوئی نیکی نہیں ہے۔ لوگ نیکی کا غلاف چڑھانا چاہتے ہیں جیسے کہ اللہ کو تو کوئی خبر ہی نہیں ہے۔ یعنی کوئی ان کے کردار کو دیکھ ہی نہیں رہا یا قیامت کو لوگوں نے اُن کا حساب لینا ہے یا لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جائے۔ ایسا نہیں ہے۔ وہاں تو بات حقائق پر ہو گی، نیتوں یعنی قلبی ارادوں پر ہو گی اور کردار کو قلبی ارادوں کے ساتھ جانچا جائے گا۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ایک شخص بڑا لمبا سفر طے کر کے بیت اللہ شریف پہنچے گا۔ اس کے لباس سے، پریشان بالوں سے پتا چل رہا ہو گا کہ وہ سفر کی بہت

صعوبتیں سہہ کر پہنچا ہے۔ وہ بیت اللہ کا طواف کرے گا اور بڑے درد سے اللہ کو پکارے گا لیکن اُسے کوئی جواب نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ اُس کا لباس حرام کا ہوگا، کھانا حرام کا ہوگا، اخراجات حرام کے ہوں گے چنانچہ اسے کوئی جواب نہیں ملے گا۔ اس کا آنا نہ آنا برابر ہے۔ سو حرام کے وسائل پر نیکی کا غلاف چڑھانا تو ایک الگ جرم بن جاتا ہے، گستاخی ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ دکھاوے کے لیے نیکی کرنا چاہتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ حقیقتِ حال سے کوئی باخبر ہی نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ فرمایا: اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں۔

جس ہستی نے ہر ذی روح کو دیکھنے کی قوت دی، جس نے انسان کو آنکھیں دیں اور یہ دور تک چیزیں دیکھ پاتا ہے تو کیا ایسی ہستی جو نگاہیں بانٹ رہی ہے، وہ خود نہیں دیکھ رہی؟ جس نے انسان کو نگاہ دی ہے اور وہ اُس سے چیزوں کو دیکھ رہا ہے، پرکھ رہا ہے کہ یہ کھرا ہے، کھوٹا ہے، یہ سفید ہے، یہ سیاہ ہے تو کیا وہ نگاہ دینے والا پروردگار، خود نہیں دیکھ رہا؟ فرمایا: وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے)۔

فرمایا، ایک ایسا نظام بنایا کہ آنکھ ایک چیز کو دیکھتی ہے، دماغ اُس کا تجزیہ کر کے اس کا نام وضع کرتا ہے، لفظ بناتا ہے، زبان پر لفظ آتا ہے تو اس کی ادائیگی ہونٹ کرتے ہیں۔ کسی کے ہونٹ سی دیے جائیں تو زبان بھی خاموش ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا وسیع خودکار نظام بنا دیا کہ پل بھر میں کام ہوتا ہے جیسے کمپیوٹرائزڈ سسٹم ہو۔ ذرا کہیں کسی پر نگاہ پڑتی ہے دماغ فوراً وہ فائل نکالتا ہے فوراً زبان پر لفظ آتا ہے اور ہونٹوں سے ادا ہو جاتا ہے۔ بیس سال بعد ایک چہرہ دیکھا تو دماغ نے ایک فائل کھولی کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے، فلاں کا بھائی ہے، فلاں جگہ اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک لمحے میں فوراً اس کا نام زبان پر آیا اور ہونٹوں سے ادا ہو گیا۔ ایک چیز مدتوں بعد دیکھتے ہیں تو ایک دم کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تو میری چیز تھی جو کھو گئی تھی۔ انسان کو کتنی عجیب و غریب صلاحیتیں، قوتیں دے دیں۔ زمین کی گہرائی سے ایک چیز نکلتی ہے تو اس کا دماغ سوچتا ہے اس کی حقیقت واضح کرتا ہے، وہ زبان پر آتی ہے الفاظ ڈھلتے ہیں جو ہونٹ ادا کرتے ہیں۔ کہتا ہے یہ تیل نکل آیا ہے۔ یہاں سے پانی نکل آیا ہے۔ یہ سونا ہے، یہ چاندی ہے یہ تانبا ہے، یہ لوہا ہے، یہ مٹی ہے۔ اتنی تمیز کر لیتا ہے ناں؟ جس ہستی نے اسے یہ قوتیں دیں ہیں اُس ہستی کے بارے میں انسان کا خیال ہے کہ وہ کھرا کھوٹا نہیں دیکھے گا؟ اس کے کردار میں کتنی روشنی ہے کتنی تاریکی ہے، کتنا حق ہے، کتنا باطل ہے، کیا اللہ کی نگاہ میں نہیں آئے گا؟

ہر دل میں بھلائی اور برائی کی تمیز رکھ دی گئی ہے:

یہ ساری قوتیں عطا کر کے، فرمایا: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ اور (خیر و شر کے) دونوں راستے بھی اس کو دکھا دیے۔

اللہ کریم نے انسان کو دل جیسا عظیم خزانہ دیا جس میں بھلائی اور برائی میں تمیز کی قوت رکھ دی۔ دماغ کو دل کے تابع کر دیا، زبان اور ہونٹوں کو دماغ سے وابستہ کر دیا۔ پھر انسان کی راہنمائی کے لیے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے کتابیں نازل فرمائیں اور دونوں راستے واضح کر دیے کہ یہ نیکی ہے، یہ بدی ہے۔ ہر فرد میں اللہ کریم نے احساس رکھ دیا ہے اور یہ اللہ کی شان ہے کہ جاہل سے جاہل، ان پڑھ بندہ بھی برائی اور بھلائی میں تمیز کر لیتا ہے۔ ایسا کوئی بندہ نہیں دیکھا جس کے ہوش سلامت ہوں دماغ کام کرتا ہو اور اُسے نیکی بدی میں تمیز نہ ہو۔ وہ جانتا ہے یہ برا کام ہے، یہ صحیح ہے۔ جس طرح ہر بندہ گرمی سردی کا فرق محسوس کرتا ہے، رات اور دن سے واقف ہے دونوں کا فرق محسوس کرتا ہے اسی طرح ہر بندہ بھلائی اور برائی کو سمجھتا ہے۔ اس کی تحقیق کرنا یا باریکیاں سمجھنا علماء کا کام ہے لیکن بنیادی طور پر ہر انسان نیکی اور بدی کا فرق سمجھتا ہے۔ ہر سینے میں دل ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر سینے میں ایک ہی دل دیا ہے یعنی وہ ایک وقت میں ایک ہی چیز پر قربان ہو سکتا ہے۔ اب وہ اللہ پر قربان ہوگا یا غیر اللہ پر ہوگا لیکن دل ایک ہی ہے۔ یہ انسان کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنا دل اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے یا دنیا اور دنیوی لذات کو دے۔ دونوں طرف نہیں دے سکتا کیونکہ دو دل کسی کے پاس نہیں ہیں۔ ہر بندے کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ بھلا، برا کیا ہے، کون اُس سے مخلص ہے اور کون اس سے داؤ کھیل رہا ہے۔ کسی بندے سے پوچھ کر دیکھ لیں یہاں تک کہ ایک ان پڑھ چرواہا تک یہی کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کون اچھا کر رہا ہے، کون برا کر رہا ہے۔ کون میرا دوست ہے، کون میرا دشمن ہے۔ ہر بندے کو ایک درجہ شعور اور احساس عطا فرما دیا، اُسے بھلے برے کو جاننے کی سمجھ عطا فرمائی اور اس کے ذرائع یعنی دل، دماغ، نگاہ زبان اور ہونٹ، لفظوں کی ادائیگی، جیسی نعمتیں عطا فرما دیں۔ جس خالق نے مخلوق میں اتنی نعمتیں بانٹ دیں، اُس کی عظمت اور کمال کی انتہا کیا ہوگی!

شریعت کا راستہ:

فرمایا: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ ''مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا۔'' عقبہ گھاٹی کو کہتے ہیں، ایک تنگ پہاڑی راستے کو کہتے ہیں جس کے دونوں طرف بلند پہاڑ ہوں۔ یہ بلند پہاڑ ایسے ہوں جو عبور نہ کیے جا سکتے ہوں اور جن کے اوپر سے گزرنا بہت مشکل ہو۔ ان کے درمیان ایک نیچی جگہ ہو جس میں راستہ ہو تو اس راستے کو گھاٹی یا درّہ کہتے ہیں۔ اس گھاٹی یا درّے سے آرام سے گزرا جا سکتا ہے راستہ مشکل ضرور ہے لیکن پہاڑوں کی نسبت بہت آسان ہے۔ اتنی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود انسان کو یہ گھاٹی عبور کرنا مشکل لگتا ہے۔ وہ گھاٹی عبور نہیں کرتا۔ فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ اور تم کو کیا خبر گھاٹی کیا ہے؟

یہ گھاٹی شریعت کا راستہ ہے جو منزل پر پہنچاتا ہے۔ اللہ کریم مثال دے رہے ہیں کہ خواہشاتِ دنیا بہت بلند پہاڑ ہیں۔ یہ طے نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی خواہشات کے پیچھے بھاگنا شروع کر دے تو یہ اتنے بلند پہاڑ ہیں کہ ان پر چڑھتا رہے گا، مشکل سے گھسٹتا پٹتا، گرتا پڑتا، زخمی ہوتا ہوا چڑھتا رہے گا کہ پہاڑ پر چڑھنا آسان کام نہیں ہے۔ دونوں طرف خواہشاتِ دنیا ہیں۔ ایک طرف دولت کی ہوس کا بلند پہاڑ ہے، دوسری طرف اقتدار کی ہوس کا پہاڑ ہے۔ یہ اُن پر چڑھتا رہے گا، عبور نہیں کر سکے گا چڑھتا چڑھتا راستے میں ہی دم توڑ دے گا۔ شریعت کا راستہ ان پہاڑوں کے درمیان ایک درّہ ہے ایک تنگ راستہ ہے، جس سے گزر کر انسان اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے لیکن گزرنے کی مشقت سہنا پڑتی ہے۔ انسان اس گھاٹی سے نہیں گزرتا۔ فرمایا نفسِ انسانی اور اس کی آرزوئیں بلند پہاڑوں کی مانند ہیں جن کے اوپر سے راستہ نہیں جاتا۔ چڑھتے رہو، چڑھتے رہو یہ آرزوئیں ختم نہیں ہوتیں، یہ پہاڑ عبور نہیں ہوتے۔ البتہ عمر ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔

انسان دنیا میں دو طرح کی کوشش کرتا ہے، حصولِ زر اور حصولِ اقتدار۔ یہ دو بہت بلند و بالا پہاڑ ہیں۔ دولت کی کوئی حد نہیں ہے، جمع کرتے رہو، کرتے رہو۔ ڈھیروں جمع ہو جائے، منوں سونا چاندی جمع ہو جائے۔ ملکی اور غیر ملکی بینکوں میں کھربوں روپے ہوں کروڑوں روپے اُن پر ہر ماہ سود آتا ہو، پھر بھی انسان کو اور چاہیے، لوٹ رہا ہے۔ اسی طرح اقتدار میں آکر ملک کا بادشاہ بھی بن جائے تو بھی بڑائی کی آرزو ختم نہیں ہوتی، چاہتا ہے کہ بادشاہی میرے ہی پاس رہے، پھر میری نسل میں چلے اور میرا بیٹا بھی بادشاہ بن جائے۔ اسی تگ و دو میں رہتا ہے کبھی فارغ نہیں ہوتا جبکہ وہ پہاڑ طے نہیں ہوتا۔ یہ عیش و عشرت کی آرزو اور اپنی بڑائی کی آرزو کبھی ختم نہیں ہوتی اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کسی درجے کے بندے سے پوچھیں وہ کہتا ہے میرے جیسا کوئی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایک گدا اگر جو روزانہ گدا کر کے کھاتا ہے، جھگی نشین ہے۔ وہ بھی کہتا ہے ان باقی جھگی والوں سے وہ بہت اچھا ہے۔ اس کے مقابلے کا کوئی اور جھگی نشین نہیں ہے۔ کمال ہے! ہر بندے میں یہ اَنا گھسی ہوئی ہے۔ فقیر سے لے کر بادشاہ تک ہر کوئی اپنی اَنا میں گرفتار ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ میری بات مانی جائے میرا حکم نافذ ہو۔ حصولِ زر میں بھی بادشاہوں کے خزانے بھرے ہوئے ہیں پھر لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ افسروں کو دیکھیں تو بڑے بڑے سرکاری بنگلوں میں بے پناہ مراعات کے باوجود رشوتیں لیتے ہیں اور گھریلو ملازموں کی تنخواہ تک کھا جاتے ہیں۔

فرمایا، یہ دو بڑے پہاڑ ہیں اور ان کے درمیان دین اور شریعت ایک راستہ ہے۔ فرمایا یہ کیسے عجیب لوگ ہیں کہ پہاڑوں پر چڑھتے رہتے ہیں حالانکہ یہ مشکل ترین کام ہے۔ فرمایا، لوگ اپنے لیے مشکل کام چن لیتے ہیں لیکن گھاٹی سے نہیں گزرتے حالانکہ اس پر چلنا پہاڑ چڑھنے سے کروڑوں درجہ آسان ہے۔ گناہ سے نیکی آسان ہے، کفر سے ایمان آسان ہے۔

گھاٹی سے گزرنا کیا ہے؟

یہ گھاٹی سے گزرنا کیا ہے؟ اس میں سرفہرست ہے، فرمایا: فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ کسی (کی) گردن کا چھڑانا۔ لوگوں کو غیر اللہ کی گرفت سے آزادی دلانا۔ انسانوں کو اُن کے بنیادی حقوق واپس دلانا نیکی کی بنیاد ہے۔ جہاں اللہ کی مخلوق کو مجبور و بے بس کر دیا جائے کہ وہ اللہ کے احکام پر آزادی سے عمل نہ کر سکتے ہوں۔ اُن کے قوانین غیر شرعی بنا دیے جائیں، نظام غیر اسلامی کر دیا جائے۔ ان کی معیشت میں سود بھر دیا جائے۔ انہیں حرام کھانے پر مجبور کر دیا جائے۔ وہ حلال ذبیحہ نہ کھا سکتے ہوں اُن کی آزادی سلب کر لی جائے۔ اُن کی تہذیب و معاشرت غیر اسلامی کر دی جائے۔ بے حیائی اور بے لباسی کو رواج دیا جائے تو ان غیر اسلامی نظام کی قید سے بندوں کو آزادی دلانا سب سے بڑی نیکی ہے۔ مخلوق کو وہ حقوق دلانا جو خالق نے اُسے دیے ہیں، نیکی ہے۔ وہ چاہے تو ایمان قبول کرے، چاہے تو کفر پر رہے لیکن کوئی اُسے کفر پر رہنے کے لیے مجبور نہ کرے۔ ایسا نظام نہ ہو جو اسے برائی پر مجبور کر دے۔

اسلام کا جب ظہور ہوا تو مشرکینِ مکہ اور دنیائے کفر نے بہت مخالفت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو بہت دکھ دیے تو اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ اسلام تو تمہارے لیے آسانیاں اور بہتری لایا ہے۔ تمہیں غلامی، جبر اور ظلم کی جن زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے اسلام اُن زنجیروں کو توڑ کر تمہیں انسانی آزادی سے آشنا کرنے کے لیے آیا ہے اور تم ہو کہ اس کی مخالفت کر رہے ہو؟ تم اللہ کی غلامی پر بندوں کی غلامی کو ترجیح دے رہے ہو؟ اللہ نے تو تمہیں انسانی حقوق دے کر آزادی دی ہے۔ تم پر صرف اتنی پابندی ہے کہ اپنی آزادی کی حد میں رہو۔ دوسرے کی آزادی میں مخل نہ ہو اس لیے کہ اُس کا بھی حق ہے کہ وہ آزاد رہے۔ اس کے علاوہ تو اللہ کریم نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ انسان کو اچھے برے کی تمیز دے دی۔ بھلائی کے لیے انبیاءؑ مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں۔ ہر طرح کی ہدایت کا سامان میسر کر دیا۔ عقل اور استعداد ہر چیز عطا کر کے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا۔ اس کا رزق بھی اپنے ذمے رکھا۔ ساری کائنات انسان کی خدمت پر لگا دی، صرف استعمال کرنے کا طریقہ بتا دیا۔ اس طرح استعمال کرے گا تو مزے کرے گا۔ اگر اس طریقے سے ہٹ کر نفس کا غلام بنے گا تو اللہ اسے بندوں کی غلامی میں دے دے گا۔ پھر اس کے آئین و قوانین بندے بناتے ہیں جو اس کی آزادی کچل دیتے ہیں۔ اس کی سوچوں تک پر پہرے لگا دیتے ہیں۔ یہ اپنی مرضی سے جی نہیں سکتا۔ اپنی مرضی سے کھا نہیں سکتا، لباس نہیں پہن سکتا۔ انسان، انسانوں کو ایسی پابندیوں میں جکڑ لیتے ہیں۔ یہاں، گھاٹی سے گزرنے میں یہ عمل سرفہرست فرمایا، کہ لوگوں کو لوگوں کی غلامی سے آزاد کرانا۔ اُن کو وہ آزادی

دینا جو اللہ نے اُنہیں دی ہے۔ اس آیہء مبارکہ کا بڑا آسان سا ترجمہ کر کے جان چھڑا لی جاتی ہے کہ یہ اُن غلاموں کو آزاد کرنے کے بارے میں ہے جو لوگوں کی غلامی میں ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ ان غلاموں کو آزاد کرنے کا بڑا اجر رکھا۔ عہدِ جاہلیت میں غلامی کا رواج تھا۔ لوگ کسی بھی غریب کو، کسی مسافر کو پکڑ کر بیچ دیتے تھے، غلام بنا دیتے تھے۔ ان غلاموں کی گردنیں چھڑانے کا بھی بڑا درجہ ہے۔ اسلام میں بھی غلام بنائے گئے اور اب بھی بنائے جا سکتے ہیں لیکن اسلام نے صرف اُن لوگوں کو غلام بنایا ہے جو اسلامی ریاست کے خلاف تلوار اٹھاتے ہیں۔ جب اُنہیں میدان میں شکست ہوتی ہے، قید ہو جاتے ہیں تو اُن کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ اُن کی آزادی سلب کر کے انہیں غلام بنا لیا جائے۔ اسلام نے البتہ آقا اور غلام کو برابر کے انسانی حقوق دیے کہ جو خود کھاؤ وہی غلام کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو، وہی غلام کو پہناؤ۔ جو کام وہ نہیں کر سکتے اس کا حکم انہیں نہ دو۔ پھر ہر قدم پھر حکم دیا کہ یہ غلطی کر بیٹھو تو غلام آزاد کرو۔ ثواب کے لیے غلام آزاد کرو۔ نیکی بڑھانے کے لیے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب فرمائی بلکہ جو اوّلین جہادوں میں غلام بنے تھے ان میں سے آخری غلام بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آزاد ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کسی کو غلام نہیں بنایا گیا تو یہ بات مراد نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جہاں قوموں کو، ممالک کو کافرانہ نظام میں جکڑ دیا جاتا ہے اُن کو اُس باطل نظام سے آزاد کرانا۔ سچ تو یہ ہے کہ بندوں کے بنائے ہوئے ظالمانہ نظاموں میں دعویٰ تو انسانی حقوق کے تحفظ کا کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت سارے انسانی حقوق کو پامال کیا جاتا ہے۔ حقوقِ انسانی کا تحفظ صرف اُس دستور میں ہو سکتا ہے جو اللہ کریم نے عطا فرمایا۔ یہی بات مشرکین کو بتائی گئی تھی کہ تم اسلام کی مخالفت کر کے بیوقوفی کر رہے ہو۔ تم تو بتوں کے غلام ہو انسانوں کے غلام ہو، بادشاہوں اور سرداروں کے غلام ہو۔ اسلام یہ ساری غلامی کی زنجیریں توڑ کر تمہیں آزاد زندگی دینے کے لیے آیا ہے لیکن وہ یہ بات سمجھنے کی بجائے اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اللہ کی عبادت کرتے رہیں لیکن ہمارے نظامِ حیات کو نہ چھیڑیں، جس میں لین دین اور قوانینِ عدالت وغیرہ ہیں۔ وہ کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کے مطابق رہیں تو ٹھیک ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سارا غلامانہ نظام ہے اس میں انسانوں کے حقوق سلب ہو رہے ہیں، اُن کو جکڑ دیا گیا ہے۔ اسلام انسانوں کو ان زنجیروں سے آزاد کرنے کے لیے آیا ہے۔ اب قانون اللہ کا ہوگا، بندوں کا قانون بندوں پر نہیں ہوگا۔ وہی تو جھگڑا تھا اور آج بھی یہی جھگڑا ہے۔ آج دنیا کے کسی غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے نہیں روکا جاتا، روزہ رکھنے سے عیدیں منانے سے نہیں روکا جاتا لیکن اسلام کے مطابق معاشرت کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اب تو کافر دنیا مسلمانوں کو اپنے اسلامی ممالک میں بھی نفاذِ اسلام کی اجازت نہیں دیتی۔

چھپن کے قریب اسلامی ممالک ہیں لیکن سوائے چند عرب ممالک کے کہیں اسلامی قانون نافذ نہیں ہے۔ وطنِ عزیز میں معیشت سودی نظام پر ہے، عدلیہ انگریزی نظام پر ہے اور سارا حکومتی نظام غیر اسلامی ڈھانچہ ہے۔ غریبوں کو لوٹا جاتا ہے بے شمار نظر نہ آنے والے ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ ہم اپنے ملک کے نام کے ساتھ 'جمہوریہ' لگانے پر مجبور ہیں حالانکہ صرف اسلامی پاکستان بھی کہا جا سکتا تھا۔ اسلام کے ساتھ کسی اضافے کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ مکمل دین ہے۔ یہ مغربی جمہوریت تو ایک دھوکا ہے۔

اسلام سے پہلے دنیا میں انسانی حقوق کہاں تھے؟ بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں جمہوریت کہاں تھی؟ روئے زمین پر شہنشاہیت تھی، بادشاہت تھی۔ بندے کی رائے اور شخصی آزادی کی اہمیت تو اسلام نے دی۔ جمہوریت تو اسلام کا ایک حصّہ ہے اس کے اندر موجود ہے کہ ہر فرد کو شرعی حدود کے اندر زندگی گزارنے کی اجازت ہے۔ کوئی دوسرا اس پر اپنی رائے مسلط نہیں کر سکتا۔ یہی جمہوریت ہے اور جب ہم اسلام کہتے ہیں تو یہ اسلامی جمہوریت اس کے اندر ہے۔ یہ اور پخ لگانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یہ وہ جمہوریت ہے جسے مغرب جمہوریت کہتا ہے۔ جس میں انسانی حقوق سلب کیے جاتے ہیں اور بندوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ انہیں کیسے جینا ہوگا حالانکہ جس نے زندگی دی، وجود دیا یہ اس کا مقام و مرتبہ ہے کہ وہ جینے کے انداز بتائے۔ یہ انداز ایک انسان دوسرے انسان کے لیے وضع نہیں کر سکتا۔ یہ انصاف نہیں ہوگا۔ پاکستان میں بھی نام کو اسلامی لگا ہوا ہے ورنہ کام سارا جمہوریہ پر ہو رہا ہے۔ سب سیاسی لیڈر یہی کہتے ہیں کہ جان دے دیں گے لیکن جمہوریت پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ جب پیدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کان میں اذان دو، جب مرتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا جنازہ پڑھ دو۔ جب مارے جاتے ہیں تو شہید کہلاتے ہیں۔ کمال ہے! زندگی میں تو اسلام کا نام لینا پسند نہیں کرتے۔ صرف جمہوریت، جمہوریت کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ پھر جب پیدا ہوتے ہیں تو کان میں کوئی جمہوری آواز ڈالیں اور مرتے ہیں تو بلائیں جمہوریت کو کہ وہ انہیں دفن کرنے کا جمہوری انداز بتائے! زندگی اسلام کے خلاف بسر کرتے ہیں اور مر کر شہید ہو جاتے ہیں یعنی یہ دنیا بھی اُن کی، وہ دنیا بھی ان کی! ان کے تو مزے ہو گئے۔ فرمایا، یہ لوگ گھاٹی سے نہیں گزرتے، گھاٹی سے گزرنا لوگوں کو غلامی سے آزاد کرانا ہے۔ جہاں اسلام نہیں ہوگا وہاں انسانوں کی غلامی ہوگی۔ دنیا میں کہیں بھی اسلامی قوانین کے نفاذ کے بغیر کسی بھی انسان کو وہ بنیادی حقوق نہیں مل سکتے جو اللہ نے اُسے دیے ہیں۔ اس مالک والملک نے ہر ایک کو زندگی دی، وجود دیا، ماں باپ بہن بھائی اولاد رشتے ناطے دیے، نیکی اور بدی کی تمیز دی۔ نیکی کی تربیت کے لیے انبیاؑ اور کتابیں بھیجیں اور اُسے اختیار دے دیا کہ چاہے تو نیکی کا راستہ اختیار کرے، چاہے تو برائی کرے، اُسے لوٹ کر مالک

کے پاس ہی جانا ہے۔اب کسی کو کیا حق ہے کہ اسے باندھ کر رکھے۔؟ کسی سے زبردستی کلمہ پڑھوانے کی اجازت نہیں ہے، کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تو کیا یہ جائز ہے کہ سود کھانے پر مجبور کیا جائے؟ اس کا کیا جواز ہے کہ پورے ملک کی معیشت سودی کر دی جائے؟ پورے ملک میں عدالتی نظام غیر اسلامی ہو اور حکومتی مشینری غیر اسلامی کر دی جائے اس کا کیا جواز ہے؟ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ جو اسلام قبول نہیں کرتا اس سے تو زبردستی نہیں ہے لیکن یہ بھی درست نہیں ہے کہ کلمہ بھی پڑھ لو اور کام کافروں جیسے کرتے رہو اور یہ بھی خیال ہو کہ کوئی پوچھے گا بھی نہیں! جو فوج میں بھرتی ہو گا اُسے وردی بھی پہننی پڑے گی، پریڈ بھی کرنی پڑے گی۔ ہاں کلمہ پڑھنا یا نہ پڑھنا اس کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ملک میں غیر اسلامی قانون جاری کر دیے جائیں؟ پھر ان قوانین کو جو خود گھڑ کر بنائے گئے ہیں اور اُن اسمبلیوں کو مقدس بھی کہا جائے؟ دین کے لیے تو زبردستی نہیں ہے لیکن بے دینی کو زبردستی مسلط کر دیا جائے! فرمایا، گھاٹی سے گزرنے میں سب سے بڑی نیکی انسانوں کو ان کے بنیادی حقوق دلانا ہے، غیر اللہ کی غلامی سے اُن کی گردنیں چھڑانا ہے۔ دوسروں کے حقوق دلانا نیکی ہو گئی تو اس کا مطلب ہے کہ جو خود پہلے اپنے حقوق اللہ پورے کرے گا، اپنے انسانی حقوق پائے گا وہ ہی دوسرے کو حقوق دلا سکتا ہے۔ جو خود پہلے دین پر عمل کرے گا، حقوق اللہ ادا کرے گا وہ دوسرے کو حقوق واپس دلائے گا۔ جس کے پاس اپنے نہیں ہیں وہ دوسرے کو کیا دے گا؟ گویا نیکی یہ ہے کہ بندہ خود بھی بندۂ آزاد ہو، کفر کی آلائشوں سے آزاد ہو اور دوسرے بندوں کو بھی کفر کی آلائشوں اور پابندیوں سے آزاد کرائے۔ اللہ کی مخلوق کو اس کے وہ حقوق دلائے جائیں جو اللہ کریم نے اُسے عطا کیے ہیں، یہ سب سے اعلیٰ نیکی ہے۔ اس گھاٹی میں سے گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسلام پر رہنے کے لیے محنت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ فرمایا: **اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾** یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۔

اس گھاٹی کو عبور کرنا یہ بھی ہے کہ کڑے وقت میں لوگوں کی مدد کرنا۔ مشکل وقت میں ضرورت مندوں کی مدد کرنا جیسے بھوک کے وقت کسی کو کھانا دینا۔ لوگوں کو مشکل میں سے نکالنا۔ اسلامی قوانین لوگوں کو زندگی کی مشکلات سے نکالنے کے لیے ہیں۔ اس کے باہر تمام غیر اسلامی قوانین لوگوں کو لالچ دے کر مزید برائی میں مبتلا کرتے ہیں۔ منافع کی لالچ دے کر سود پر لگا دیتے ہیں۔ منافع تو ملتا رہا لیکن دونوں جہاں برباد ہو گئے۔ یہی حال باقی قوانین کا ہے۔ اسی لیے جہاں اللہ کریم نے حقوق العباد کو اتنی اہمیت دی ہے کہ فرمایا بندوں کے حقوق ادا کرو کہ یہ گھاٹی طے کرنا ہے۔ باطل نظام سے چھٹکارا دلانا عظیم نیکی ہے کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کو حقوق دلانے کا کام نہیں ہو سکتا۔ حکمران ملک کے ہر فرد کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ جہاں تک کسی کا دائرۂ اختیار ہے اسے اپنے نیچے

سب لوگوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ گھر کا سربراہ سارے اہلِ خانہ کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ عالم اپنے سارے سامعین کے حقوق کا لحاظ کرے۔ پیر صاحب اپنے مریدوں کو بتوں، بندوں اور خواہشات کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچانے کے لیے عمر صرف کریں محض شیرینیاں نہ کھاتے رہیں۔ ہر کوئی اپنا اپنا جواب دے گا۔ فرمایا، بھوکوں کو کھانا کھلانا مجبور و بے کس لوگوں کی مشکل وقت میں مدد کرنا، خواہشات اور آرزوؤں میں جکڑے ہوئے لوگوں کو اللہ کی بارگاہ میں لانا۔ اُن کو انسانوں کے بنائے ہوئے ظالمانہ قوانین کی جگہ اللہ کے عادلانہ قوانین دینا۔ اسلامی نظام نافذ کرنا اور مجبور و بے کس کی مدد کرنا، فرمایا: یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ ﴿۱۵﴾ یتیم رشتہ دار کو۔

یہ بھی بہت نیکی ہے کہ یتیم رشتہ داروں کی نگہداشت کی جائے۔ جو بچے یتیم ہو جاتے ہیں ان کے سر پر کوئی سایہ نہیں رہتا، وسائل نہیں رہتے، اُن کے حقوق کا خیال رکھنا بہت نیکی ہے۔ ایسے ہی بعض رشتہ دار بے وسیلہ ہو جاتے ہیں اُن کے پاس ذرائع آمدن نہیں رہتے یا کمانے کی عمر نہیں رہتی اُن کے لیے وسائل کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ چونکہ یتیمی کی تو ایک عمر ہے کہ نابالغ بچہ یتیم ہوتا ہے۔ جب وہ بالغ ہو جائے تو یتیم نہیں کہلاتا بلکہ خود معاشرے کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ یتیمی بلوغت تک ہوتی ہے ورنہ تو سارا معاشرہ ہی یتیم ہے کہ والدین ہمیشہ تو زندہ نہیں رہتے۔ ایسے لوگ جو بے کس و بے وسیلہ ہوں جیسے ایک یتیم بچہ ہوتا ہے، جن کے پاس روزی کے وسائل نہ ہوں یا کسی کے پاس صحت نہیں ہے، کسی کے پاس علم نہیں ہے یا دوسرے ذرائع نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کی مدد کرنا بھوکوں کو کھانا کھلانا، جاہلوں کو پڑھانا، بے روزگار کو روزگار دینا بہت بڑی نیکی ہے۔ پھر فرمایا: اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ ﴿۱۶﴾ یا فقیر خاکسار کو۔

ایسے بے بس مسکین لوگ جو خاک میں ملا دیے گئے ہوں یعنی جو بالکل بے بس کر دیے گئے ہوں کہ فریاد بھی نہ کر سکتے ہوں۔ جن کا یہ عالم ہو کہ کوئی اُن کی فریاد بھی نہ سنے۔ جو خاک میں مل گئے جنہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں، اُنہیں بھی آزادی دینا، اُن کے حقوق بحال کرنا، اُن تک احترامِ آدمیت پہنچانا، یہ گھاٹی کو عبور کرنا ہے۔ یہ راستہ ہے اسلام کا، فرمایا: ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۔۔۔ پھر ان لوگوں میں داخل ہوا جو ایمان لائے۔

اب بات آئی ہے حقوق اللہ کی، عبادات کی یعنی جو بندہ بندے کے حقوق ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا کیا حق ادا کرے گا! اس لیے حقوق العباد کو یہاں پہلے زیرِ بحث لایا گیا ہے کہ تیرے سامنے لوگ تڑپ رہے ہیں، بھوک سے مر رہے ہیں، ظلم میں پس رہے ہیں تو جو تُو کر سکتا ہے وہ کر۔ جو تیرے بس میں نہیں ہے وہ تجھ سے پوچھا نہیں جائے گا۔ جو تیرے بس میں ہے وہ تُو کر اور کر لے تو پھر کہہ کہ میں مومن ہوں۔ میں اللہ کو مانتا ہوں اور میں نے یہ

اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے۔

ایسا کرے گا تو پھر تیری نماز بھی لطف دے گی، سجدہ دینے میں بھی مزہ آئے گا روزہ رکھنے کا بھی مزہ آئے گا۔ پھر تیرے حج اور عمرے کی بھی بات ہے۔ اگر تو لوگوں کو لوٹ کر رشوتیں لے کر حج کر آیا تو کیا حاصل! فرمایا، پہلے غریب بے کس و مسکین کے حقوق پورے کرو۔ جو دے سکتے ہو وہ دو۔ اب کہو کہ میں مومن ہوں اور یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ میرا اللہ پر ایمان ہے۔ میرے اللہ کا حکم تھا، اس لیے میں نے اس کی رضا کے لیے اس کی اطاعت کی ہے۔ تب پتا چلے گا کہ تم واقعی مومن ہو۔ پھر ثابت ہوگا کہ تم واقعی ایمان والے ہو۔ فرمایا: **وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ** ۔۔۔ اور صبر کی نصیحت کی۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ کلمہ پڑھا ہے تو پھر عمر بھر اُسے نبھایا جائے یہ نہیں کہ ایک دفعہ کلمہ پڑھا اور عمر بھر کے لیے چھٹی ہوگئی۔ عربی میں صبر سے مراد ہے جیسے کوئی سوار گھوڑا بھگاتے ہوئے ایک دم باگ کھینچ کر اسے روک لے۔ صبر سے گویا مراد ہے حدودِ الٰہی کے اندر خود کو روک لینا۔ حدودِ شرعی کو عبور نہ کرنا، اپنا عقیدہ اور عمل اللہ کے دین کے مطابق کرنا حقوق العباد ادا کرنا اور حقوق اللہ پر قائم رہنا صبر ہے۔ یہ کام عمر بھر کا ہے تم ایک دن کر کے فارغ نہیں ہو جاؤ گے۔ فرمایا، ایسا صبر کرو کہ صبر کی تلقین اور تبلیغ ہو جائے۔ دین پر ایسی استقامت ہو کہ تمہارا اٹھنا بیٹھنا، سونا، جاگنا، کمانا، کھانا بھی تبلیغ بن جائے۔ تبلیغ کے دو طریقے ہیں۔ ایک ہے زبانی بات پہنچانا، پیغام پہنچانا۔ یہ آسان ہے ہر کوئی پہنچا سکتا ہے۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ تبلیغ یہ ہوتا ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کی عملی تصویر بن جاتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم بھی ایسا کرو۔ احکامِ شریعت لوگوں تک پہنچانے سے پہلے انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جو حکم نازل ہوتا ہے وہ خود اپنا لیتے ہیں۔ گویا حیاتِ انبیاؑ مجسم تبلیغ بن جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر نماز کا حکم دیا تو پہلے خود نماز پڑھی، توحید باری کا حکم دیا تو پہلے خود توحیدِ باری کا اعلان فرمایا۔ ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا: ''**کَانَ خُلُقُهُ الْقُرآن**'' (مسلم) قرآن پڑھتے جاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کی وضاحت ہوتی جائے گی۔

تبلیغ یہ ہے کہ جو بات دوسروں کو پہنچانا چاہتا ہے پہلے خود اس کا مجسم بن جائے۔ اس کا کردار تبلیغ بن جائے۔ پھر عمر بھر اس پر استقامت سے ڈٹ کر رہے اور اس کا عقیدہ اور عمل گواہی دیتا رہے کہ ایسا ہونا چاہیے۔ مسلمان ایسا ہوتا ہے۔

غالباً نصف صدی پہلے کی بات ہے کہ ہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہاں مسجد میں بیٹھے

تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ملنے والا آ گیا اور اس نے یہ سوال کیا کہ آپؒ یہ کیا نئی جماعت اکٹھی کر رہے ہیں۔ یہ تو ایک اور مصیبت جمع کر لی ہے۔ یہ لوگوں کا اجتماع وغیرہ، یہ کیا ہے، اس سے کیا حاصل ہوگا؟ مجھے اس کے صحیح الفاظ یاد نہیں ہیں۔ آپ اس درد کا اندازہ نہیں لگا سکتے جو اہل اللہ کے دل میں ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ میں یہاں ہر طرح کے لوگ جمع کر رہا ہوں۔ اچھے برے، پڑھے لکھے، اَن پڑھ، جوان بوڑھے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سارے بایزید بسطامیؒ نہیں بن جائیں گے۔ مجھے پتا ہے کہ یہ سارے کوئی اعلیٰ پائے کے ولی نہیں بن جائیں گے لیکن میں چاہتا ہوں کچھ لوگ تو ایسے بن جائیں جن کے حلیے سے، عقیدے اور کردار سے کچھ اندازہ تو ہو سکے کہ مسلمان کیسے ہوتے تھے۔ کچھ تو اللہ کرے گا ان میں سے ایسے ہوں گے جن کو دیکھ کر اندازہ ہو سکے گا کہ مسلمان ایسے ہوتے تھے۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آرزو تھی۔ اُن کی ساری محنت اور مجاہدہ اس لیے تھا۔ آج ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم اُن کی خواہش پر پورا اترتے ہیں یا نہیں۔ ہمیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے یا نہیں!

مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اُنہیں عیسائیوں میں کھڑا کر دو تو پہچاننا مشکل ہے کہ کون مسلمان ہے۔ ہندوؤں میں کھڑا کر دو تو بھی پہچاننا مشکل ہے۔ کافروں میں، یہودیوں میں کھڑے ہوں تو کوئی پہچان کر دکھائے کہ مسلمان کون ہے! یہی درد تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں کہ خدایا! اتنے لوگ مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایسا کوئی نہیں ملتا، جیسے مسلمان ہوتے تھے۔

فرمایا: وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ---اور صبر کی نصیحت کی۔

فرمایا، حق کو صرف قبول کرنا کمال نہیں ہے حق کو نبھانا کمال ہے۔ ایک مسلمان کا کردار، اس کی استقامت بھی تبلیغ ہے۔ وہ بھی تو بتائے کہ حق پر جم کر رہنا چاہیے۔ اللہ استقامت دے تو پھر خواہ دنیا کے فریب ہوں، لالچ یا خوف ہو، تکلیف آئے، دکھ آئے یا موت آئے پھر ثابت کرے کہ حق، حق ہے اور حق پر رہنا پڑتا ہے۔ اپنا عقیدہ اور عمل نہ چھوڑے۔ اپنا کردار قائم رکھے، صبر کی تلقین اور نصیحت کرے یعنی کر کے دکھائے۔

فرمایا: وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اور شفقت برتنے کی نصیحت کی۔

اس کا کردار بتائے کہ شفقت اور صلہ رحمی کسے کہتے ہیں۔ اس کے انداز سے پتا چلے کہ شفقت اور رحمت کیا ہوتی ہے۔ اس کے تعلقات بتائیں صلہ رحمی کسے کہتے ہیں۔ اس کا والدین سے، اولاد سے، دوستوں سے، عزیز و اقارب سے، بیویوں سے، شاگردوں، معاشرے اور قوم سے جو تعلق ہے وہ ظاہر کرے کہ یہ محبت کرنے والا بندہ ہے، نفرت نہیں کرتا۔ دوسروں کا بھلا چاہتا ہے نقصان نہیں کرتا۔ اس کا کردار شفقت، رحمت اور محبت کی تبلیغ بن

جائے۔ فرمایا: اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ؀ یہی لوگ صاحب یمین ہیں۔

فرمایا، یہ لوگ ہوں گے جو اس گھاٹی سے گزرے! انہوں نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے اللہ کے قانون سے آشنا کیا جو انسانی آزادی کا ضامن ہے۔ یہ لوگ بے کسوں، اور بے بسوں کی امداد کرتے تھے، یہ خود بھی دین پر قائم رہے اور سراپا تبلیغ بن گئے۔ یہ جہاں میں محبتیں بانٹتے رہے۔ شفقتیں اور رحمتیں تقسیم کرتے رہے۔ ان کے جینے کا ایک ایک انداز محبت بانٹتا رہا۔ انہوں نے نفرت نہیں بانٹی، گھروں کو آگ نہیں لگائی، مخلوق کو تباہ نہیں کیا۔ یہ سراپا شفقت تھے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو میدانِ حشر میں دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا۔ سورۃ الانشقاق میں گزر چکا ہے کہ جس کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوشی خوشی اپنے اہلِ خانہ یا دوست جو نجات یافتہ ہوں گے، اُن کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ دیکھو میرے اللہ نے مجھ پر کتنا انعام کیا، کتنا رحم کیا! یہ لوگ جنہیں دائیں ہاتھ میں اعمالنامے دیے جائیں گے جنت میں داخل ہوں گے جہاں سونے چاندی کے تخت لگے ہوں گے، گاؤ تکیے ہوں گے سونے چاندی کے آبخورے اور برتن ہوں گے، جنت کے لذیذ کھانے اور مشروب، لباس اور بہت نعمتیں عطا ہوں گی۔

اسلام کے ضابطۂ حیات سے انکار، کفر ہے:

فرمایا: وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡــَٔمَةِ ؀ اور جنہوں نے ہماری آیات کو نہ مانا وہ بد بخت ہیں۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اللہ کریم یہ بھی ارشاد فرما دیتے تو کافی تھا کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہیں سزا دی جائے گی لیکن ساتھ یہ بِاٰيٰتِنَا 'ہماری آیات' بڑھا دیا۔ دراصل عظمتِ الٰہی کو تو لوگ مان لیتے ہیں لیکن اللہ کے دیے قوانین کو نہیں مانتے۔ یہ اُن کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ غور فرما لیں کہ یہاں ذاتِ باری کے انکار کی بات نہیں ہے۔ اللہ کا تصور تو کسی نہ کسی انداز میں ہر کوئی مانتا ہے کہ ایک آخری طاقت ماننی پڑتی ہے۔ جس نے کلمہ پڑھ لیا اُس نے توحید مان لیا۔ فرمایا، جس نے میری آیات سے منہ پھیرا، انکار کر دیا میرے ضابطے ٹھکرا دیے میرے قوانین نافذ نہ کیے، وہ بہت بد بخت ہے۔ کفر کیا ہے؟

آج کل لوگوں نے اپنی آسانی کے لیے معنی بدل لیے ہے۔ ایک دانشور جو کہ اکثر خلافِ شریعت باتیں کرتے ہیں اور اپنی پسند کے معنی کرتے ہیں ٹیلی وژن پر کہہ رہے تھے کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اللہ کو ماننے سے انکار کیا وہ کافر تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے چلے گئے تو کفر ختم

ہوگیا۔ اب کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں کرتا لہٰذا اب جو لوگ اسلام کو نہیں مانتے وہ کافر نہیں بلکہ NON- MUSLIMS ہیں۔ یہ منطق سمجھ سے بالاتر ہے کہ کافر اور NON- MUSLIMS میں کیا فرق ہے!

کلمہ پڑھنے کا مقصد تو یہ ہے کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کو معبود نہیں مانتا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جتنی چیزیں جو منوائی جاتی ہیں وہ اقرار سے شروع ہوتی ہیں کہ یہ مانو لیکن اسلام انکار سے شروع ہوتا ہے لَا سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کہتا ہے پہلے انکار کرو کہو کوئی نہیں ہے جو عبادت کے لائق ہو۔ لوحِ دل صاف کر دو اب اس پر لکھو اِلَّا اللّٰهُ مگر اللہ ہے۔ اب تم نے اللہ کو مانا مگر تمہارا رابطہ اللہ سے کیسے ہوگا؟ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ مجھے اللہ کی باتیں بتائیں گے تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد میری آئندہ ساری زندگی اس طرح گزرے گی جس طرح اللہ کی بات، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتائیں گے۔ کلمے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے بغیر کوئی ایسا نہیں جس کی بے چوں و چراں اطاعت کی جائے، عبادت کی جائے اور اللہ کی بات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتائیں گے۔ فرمایا، اب جس نے معاشرتی، عدالتی، سیاسی، معاشی نظام، حلال حرام، جائز ناجائز کے اسلامی قوانین کو اہمیت ہی نہ دی، اُس نے گویا انکار کیا۔ اسلامی ضابطہءِ حیات ہی نہ اپنایا تو کیا مانا! فرمایا، جس نے میری آیات کا انکار کیا وہ بڑے بدبخت ہیں۔ اُن کی پشت کے پیچھے سے بایاں ہاتھ لے جا کر سینہ چیر کر باہر نکالا جائے گا اور اس میں اعمالنامہ دیا جائے گا۔ ان کا انجام یہ ہوگا، فرمایا: عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾ یہ لوگ آگ میں بند کر دیے جائیں گے۔

ان لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک ہوگا کہ یہ آگ میں چُن دیے جائیں گے۔ جس طرح دنیا میں ہم سنتے ہیں کہ کسی کو سخت سزا دی جائے تو اُسے دیوار میں چنوا دیا جاتا ہے۔ اُس کے آگے پیچھے، اوپر نیچے ہر طرف اینٹیں لگا کر اس میں بند کر دیا جاتا ہے۔ وہ اس میں پھنس کر بے بسی میں تڑپ تڑپ کر جان دیتا ہے۔ دوزخ میں رہنے کی مثال بھی ایسی ہے کہ گویا آگ میں چنوا دیے جائیں گے۔

اللہ کریم ہمیں اپنی حفظ و امان اور پناہ میں رکھیں، ہم تو اسلامی قوانین کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ ہم کہتے ہیں ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہے، نماز پڑھ لیتے ہیں، حج عمرہ بھی کر آئے، نعت خواہ بھی ساتھ رکھا ہوا ہے یہ نعتیں بھی سنا دیتا ہے تو کافی ہے، اب اور کیا کریں؟ اللہ کریم فرماتے ہیں اپنے ضابطہءِ حیات میں میرے قوانین کو مانو۔ تمہیں دیکھ کر پتا چلے کہ مسلمان کیسے ہوتے تھے۔ ورنہ مجھے یہ رسمیں نہیں چاہیے۔ تمہارے کردار سے پتا چلے

کہ تم مسلمان ہو۔ اسلام کو اپناؤ تو سہی۔ اس گھاٹی سے خود گزرنا پڑتا ہے، کردار بنانا پڑتا ہے اور پہلے بندوں کے حقوق ادا کرو تو پتا چلے کہ تم میں حق اور باطل کی تمیز اور حقوق ادا کرنے کا ایک جذبہ ہے۔ تم پھر اللہ کے حقوق بھی ادا کرنے والے ہو گے اور ایمان والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ جو بندہ اپنے سے کمزوروں کے حقوق کی پروانہیں کرتا، وہ حقوق اللہ ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ فرمایا، تمہارے ساتھ برتنے سے پتا چلے کہ مسلمان کیسے ہوتے ہیں۔ اللہ ہم پر رحم کریں یہ فلسفہ سمجھ سے بالاتر ہے کہ ملک مسلمانوں کا ہے حکمران اور رعیت دونوں مسلمان ہیں، گنتی کے غیر مسلم ہیں جن کے حقوق قرآن نے متعین کر دیے ہیں۔ اُن غیر مسلموں کی شخصی آزادی، جان مال آبرو کا تحفظ بھی اسلامی حکومت کے ذمے ہے۔ اُن کے بچوں کی تعلیم، علاج معالجہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے تو ان مسلمانوں پر کیوں غیر اسلامی اور کافرانہ قانون نافذ ہے؟ شاید یہ ہمارے کردار کی سزا ہے کہ ہم خود اسلام نہیں اپناتے اس لیے اللہ نے ہمیں محروم رکھا ہوا ہے۔ ہم جو عوام ہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک پر نافذ ہو لیکن اپنے اوپر نافذ نہیں کرنا چاہتے۔ خود اپنی مرضی سے جینا چاہتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم پہلے خود اسلام کو اپنائیں، گھر والوں کو رشتہ داروں کو بھی کہیں۔ جہاں تک ہمارا بس چلتا ہے کوشش کریں۔ شاید اللہ کریم ہم پر رحم فرمادیں۔

سورۃ الشمس رکوع 1 آیات 1 تا 15

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۙ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۙ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۙ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ
اِذَا يَغْشٰىهَا ۙ﴿٤﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۙ﴿٥﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۙ﴿٦﴾ وَنَفْسٍ
وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ﴿٧﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۙ﴿٨﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ﴿٩﴾ وَقَدْ
خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ﴿١٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۙ﴿١١﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۙ﴿١٢﴾
فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ؕ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۬
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۙ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ࣖ﴿١٥﴾

سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی ﴿۱﴾ اور چاند کی جب اس کے بعد نکلے ﴿۲﴾ اور دن کی جب اُس کو روشن کر دے ﴿۳﴾ اور رات کی جب اسے ڈھانپ لے ﴿۴﴾ اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اُسے بنایا ﴿۵﴾ اور زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے پھیلایا ﴿۶﴾ اور انسان کی اور اس ذات کی جس نے اُسے سنوارا ﴿۷﴾ پھر اس کو بُرائی اور نیکی کا شعور دیا ﴿۸﴾ جس نے خود کو پاک رکھا یقیناً کامیاب ہوا ﴿۹﴾ اور جس نے اپنا آپ خاک میں ملایا یقیناً نقصان میں رہا ﴿۱۰﴾ ثمود نے اپنی سرکشی سے (پیغمبر کو) جھٹلایا ﴿۱۱﴾ جب ان میں سے ایک بدبخت اُٹھا ﴿۱۲﴾ تو اللہ کے رسول (صالح علیہ السلام) نے ان سے اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری (کی حفاظت) کے بارے کہا ﴿۱۳﴾ تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا پس سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا ﴿۱۴﴾ اور (اللہ) کو اس کے انجام سے کوئی خوف نہ تھا ﴿۱۵﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الشمس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کا انداز بڑا خوبصورت ہے۔

کائنات کی ہر چیز گواہ ہے کہ ہر کام کا ایک فطری نتیجہ ہے:

فرمایا: وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝٢ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝٤ سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی۔ اور چاند کی جب اس کے بعد نکلے۔ اور دن کی جب اُس کو روشن کر دے۔ اور رات کی جب اسے ڈھانپ لے۔

جب کسی چیز کی قسم دی جاتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس بات پر جو آگے بتائی جارہی ہے گواہ ہے۔ فرمایا، سورج اور اس کی روشنی کی قسم ہے یعنی سورج اس بات پر گواہ ہے کہ جب سورج نکلتا ہے تو روشنی ہوجاتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ سورج بھی ہو اور روشنی نہ ہو۔ دونوں لازم وملزوم ہیں یعنی روشنی، سورج کی موجودگی کا ایک نتیجہ ہے۔ سورج طلوع ہوتا ہے تو دن ہوجاتا ہے، رات نہیں رہتی۔ پھر خواہ بادل ہوں، سایہ ہو، آندھی یا طوفان ہو دن، دن ہوتا ہے کبھی رات نہیں ہوتا۔ گویا روشنی سورج طلوع ہونے کا قدرتی نتیجہ ہے۔ فرمایا: وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝٢ ''اور چاند جب اس کے بعد نکلے۔'' جب رات کو چاند نکلتا ہے تو لوگ چاند سے راتوں کا حساب کرتے ہیں۔ چاند کی چاندنی میں جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بھی دلیل ہیں کہ ہر کام کا نتیجہ ہے۔ کہ وہ ہر حال میں مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ کریم نے ان فضا میں تیرتے سیاروں سے عجیب عجیب چیزیں وابستہ کر دی ہیں۔ ہر ستارے اور سیارے کی توجہ کا مرکز زمین ہے اور اس کے اثرات زمین پر مرتب ہوتے ہیں۔

یہ سیارے، ستارے بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور ان کی اپنی ذمہ داریاں ہیں سائنسدان کہتے ہیں کہ ہم زمین کی گود میں بیج ڈالتے ہیں، بارش کا پانی زمین کو تر کرتا ہے، زمین وہ نمی بیج کو پہنچاتی ہے، سورج گرمی پہنچاتا ہے تب جا کر وہ بیج اُگتا ہے۔ سورج کی تمازت سے پھل پکتے ہیں لیکن اُن میں مٹھاس چاند کی چاندنی سے پیدا ہوتی ہے۔ چاند آسمان پر نکلتا ہے اور عجیب قدرتِ الٰہی ہے کہ جب چاند پورا ہوتا ہے تو روئے زمین کے سمندروں میں زیر و بم آجاتا ہے۔ سویڈن بھی سمندر کے کنارے ایک ملک ہے جہاں ایک دفعہ یہ تجربہ کیا گیا تھا کہ سمندر میں ایک ایسی حفاظتی دیوار بنائی جائے جس سے سمندر میں جب مدوجزر آئے تو پانی کو اچھال کر بندرگاہ پر نہ لائے تاکہ بندرگاہ کا پانی پرسکون رہے، اس میں ہلچل نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے وہ دیوار بنادی لیکن کچھ ہی دنوں میں پتا چلا کہ دیوار کے اندر جتنی

مچھلیاں تھیں، جو سمندری مخلوق تھی سب مرگئی۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ پانی تو وہی ہے، اُسی میں کھڑی ہیں پھر یہ کیا ہوگیا؟ تحقیق کرنے پر پتا چلا کہ جب سمندر میں مدوجزر آتا ہے تو پانی کو اوپر نیچے کردیتا ہے۔ نیچے کے پانی سے مچھلیاں اور دوسری آبی مخلوق آکسیجن جذب کرلیتی ہیں جس کے نتیجے میں نچلی سطح کے پانی میں آکسیجن کم ہونے لگتی ہے۔ جب یہ زیروبم آتا ہے تو اوپر کا پانی اور نیچے کا پانی آپس میں ملتے ہیں تو پانی پھر سے تازہ ہوجاتا ہے اور آکسیجن نیچے بھی چلی جاتی ہے۔ جب پانی ساکن ہوگیا تو نیچے آکسیجن کی کمی ہونے لگی جس سے مچھلیاں مرنا شروع ہوگئیں۔ یہ اللہ کے بنائے ہوئے نظام ہیں کہ ہر سیارے، ہر ستارے سے کچھ نتائج وابستہ ہیں۔ فرمایا، سورج اور اس کی روشنی، چانداوراس کی چاندنی، اس بات پر گواہ ہیں کہ ان سے جو اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں، وہ یقیناً ہوں گے۔

ہر ذی روح کی حیات گرمی سردی سے، سورج کی روشنی اور رات کی تاریکی سے وابستہ ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اہلِ زمین کو اب یہ فکر ہے کہ چاند پر جاکر آبادی بنائی جائے یا دوسرے سیاروں اور ستاروں پر پہنچا جائے۔ آج کل اکثر یہ سوال بھی پوچھا جاتا ہے کہ ان سیاروں پر کون سی مخلوق ہے؟ وہاں کیسی آبادی ہے؟ یہ سوال کسی نے حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بھی پیش کیا تھا تو اُنہوں نے بہت خوبصورت انداز میں بڑا دلچسپ جواب دیا تھا۔ فرمایا، یہ اللہ کی کائنات ہے اُس کی مرضی، جو کچھ انسان زمین پر کررہا ہے، جو حشر اس نے زمین اور اہلِ زمین کا کردیا ہے اگر اللہ کریم یہی کچھ چاند پر یا ستاروں پر کرانا چاہتے ہیں تو اللہ کی مرضی۔ مراد یہ تھی کہ اگر کہیں کوئی مخلوق یا آبادی ہوتی تو قرآنِ کریم میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا۔ مثال ضرور آتی کہ دیکھو چاند پر بسنے والی مخلوق کس طرح عمل کرتی ہے۔ یا انہوں نے گناہ کیے، وہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ کہیں ایسی مثال ملتی ہے؟ قرآنِ کریم نے تو ستارے سیاروں کے کام کا ذکر کیا ہے، پھر اس کا بھی ذکر ہوتا۔ انسانیت، اُس کے کردار، اُس کی طرف انبیاؑ کی بعثت، پھر اُن کا انکار کرنے والوں پر کیسے عذاب آئے، ان سب امور کی کتنی بحث ملتی ہے اور جب بھی مثالیں آتی ہیں تو صرف زمین پر بسنے والوں کی ہی آتی ہیں۔ یہ سب سیارے ستارے اللہ کی مخلوق ہیں جو اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔

فرمایا: وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا ﴿٣﴾ اور دن کی جب اُس کو روشن کردے۔ دن بھی گواہ ہے کہ اس کے آنے سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، ہر شے کو روشن کردیتا ہے۔ زندگی متحرک ہوجاتی ہے۔ مخلوق جاگ اٹھتی ہے اور کاروبارِ حیات میں مصروف ہوجاتی ہے۔ دن کے روشن ہوتے ہی ایک نئی زندگی پیدا ہوجاتی ہے۔ فرمایا: وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ﴿٤﴾ اور رات کی جب اسے ڈھانپ لے۔

پھر جب رات آتی ہے تو تاریکی پھیل جاتی ہے اور ہر چیز کو بلا تفریق ڈھانپ لیتی ہے۔ وہ نیک و بد، بادشاہ، فقیر، بھلا یا برا، چھوٹا یا بڑا نہیں دیکھتی بلکہ اس کی تاریکی ہر شے کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ یہ رات کا لازمی نتیجہ ہے۔ رات اس بات پر گواہ ہے کہ اس کے ساتھ یقیناً تاریکی ہوگی۔ فرمایا: وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰـهَا ۝ اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اُسے بنایا۔

آسمان بھی اس بات پر گواہ ہے کہ چیزوں کے نتائج اور اثرات ہوتے ہیں۔ آسمان جو ساری کائنات کا مرکز ہے کہ جہاں فیصلے ہوتے ہیں، جہاں سے احکام صادر ہوتے ہیں، جہاں دعائیں اور درخواستیں جاتی ہیں گویا سیکرٹیریٹ ہے۔ جہاں سے رزق تقسیم ہوتا ہے، وہ آسمان بھی اس بات پر گواہ ہے کہ ہر کام کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ ذات جس نے آسمان کو اس طرح سے سنوار کر اس میں یہ بے شمار خصوصیات رکھ دیں وہ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ جو چیز جس کام کے لیے ہوتی ہے اس کا نتیجہ برآمد ہونا ایک حتمی بات ہے۔ فرمایا: وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰـهَا ۝ اور زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے پھیلایا۔

زمین خود اس بات پر گواہ ہے کہ کتنے نتائج مرتب کر رہی ہے۔ کوئی گن نہیں سکتا کہ کتنی روئیدگی پیدا کرتی ہے۔ اس کی اقسام شمار نہیں کی جاسکتیں۔ درختوں، جھاڑیوں، پھلوں کی اور تمام نباتات کی نجانے کتنی اقسام ہیں لیکن کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ بیج کسی درخت کا ہو اور زمین سے کچھ اور اُگ آئے؟ کبھی دیکھا ہے کہ کسی گھاس کا تنکا ہو اور اُس میں خصوصیات کسی اور کی آجائیں؟ کبھی کسی پھول میں کسی دوسرے پھول کی خوشبو، رنگ یا ذائقہ آتے دیکھا ہے؟ کبھی اس کی تاثیر میں کوئی دھوکا لگتے دیکھا ہے؟ یہ زمین تو گواہ ہے کہ ہر چیز کا ایک حتمی نتیجہ ہے اور وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ زمین کے دامن میں کتنی وسعت ہے کہ کب سے مخلوق کو رزق بانٹ رہی ہے۔ آج تک کبھی کسی انسان، کسی حیوان، کسی پرندے، کسی مخلوق کے رزق کا ایک دانہ بھی اس نے نہیں روکا نہ ہی کسی کا دانہ کسی دوسرے کو دیا ہے۔ ایک چھوٹے سے قطعہ زمین سے انسان کتنی فصلیں لیتا ہے۔ وہ کھیت سالہا سال سے فصلیں دیے جا رہا ہے۔ اس زمین کو دیکھو اور اُس عظیم مالک کی عظمت دیکھو جس نے اسے پھیلایا ہے، اس میں اتنی خصوصیات سمودی ہیں کہ انسان گن نہیں سکتا۔ اس میں اتنے خزانے رکھ دیے ہیں جو ختم نہیں ہوتے نہ اُن میں کمی ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک جتنی فصلیں انسانوں نے اس سے حاصل کی ہیں اگر صرف وہ یکجا کی جائیں تو شاید اُن کا حجم زمین سے بڑھ جائے۔ اتنی فصلیں دے کر بھی اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی کہیں گڑھا پڑا نہ کوئی خرابی نظر آتی ہے۔ اُس مالک الملک نے جیسا جس چیز کو بنایا ہے اُس کا جو نتیجہ رکھا ہے وہ کوئی بدل نہیں سکتا۔ وہ چیز یقیناً وہی نتیجہ دے گی۔

ایک کھیت میں بیج ڈالتے ہیں، کھاد ڈالتے ہیں پانی دیتے ہیں حفاظت کرتے ہیں۔ اُسے سورج گرمی

پہنچاتا ہے، چاند پھل میں مٹھاس بھرتا ہے، فصل تیار ہو جاتی ہے۔ سارا نظامِ حیات اس پر جمع ہو جاتا ہے۔ فلاسفہ (PHILOSOPHY) کا ایک قول ہے کہ اگر انسان یہ سوچے کہ روئے زمین پر وہ تنہا ذی روح ہے، اُس کے سوا اور کوئی نہیں تو بھی اُس اکیلے کے لیے یہ سارا نظامِ کائنات چلتا رہے گا۔ زمین میں بھی ساری خصوصیات باقی رہیں گی، سورج چاند ستاروں سیاروں، میں بھی رہیں گی۔ ہوائیں اور بارشیں بھی وہی نتائج دیتی رہیں گی۔ یہ بہت پتے کی بات ہے، گویا انسان کو سمجھنا چاہیے کہ یہ سارا وسیع نظام ایک ایک فرد کے لیے متحرک ہے! جس ایک بندے کے لیے اُس قادرِ مطلق نے اتنی باکمال کائنات سجادی ہے تو کیا وہ اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ یا اللہ! آپ نے مجھ پر اتنا احسان فرمایا، آپ کا بہت شکریہ! صرف اتنی سی قیمت ہے اتنے بڑے احسان کی ورنہ اللہ کو بندے نے کیا دینا ہے! یہ کچھ دے سکتا ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت لیتا ہی ہے۔ صرف اتنا کرنا ہے کہ اقرار کرلے کہ سب کچھ اللہ کا ہے، اس نے مجھے دیا ہے، وہ دے رہا ہے، اُس کا احسان ہے، شکر ہے۔ جب یہ مان لے گا کہ سب کچھ اللہ کا ہے تو پھر مجبوری بن جاتی ہے کہ مالک کی پسند کے مطابق ہر نعمت استعمال کی جائے۔ یہی سارے کا سارا اسلام ہے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ سب میرا ہے مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے، میں خود سب کام کر رہا ہوں اور اس بات پر ڈٹ جاتا ہے تو یہی کفر ہے۔ اس نے تو سورج بنایا نہ چاند، زمین بنائی نہ آسمان نہ اُن کی خصوصیات بنائیں۔ حتیٰ کہ اپنا وجود بنایا نہ اپنی غذا ہوا، پانی اور ضروریات بنائیں۔ جو چیز وہ مالک دے دے وہ لے لیتا ہے، جو روک دے وہ لے نہیں سکتا لیکن پھر بھی مانتا نہیں۔ یہی کہتا ہے کہ سب میرا ہے۔ میں جو چاہوں کروں گا۔ یہاں آکر یہ کفر ہو جاتا ہے۔ فرمایا، تمہارے اردگرد ساری چیزیں دلالت کر رہی ہیں کہ ہر چیز کا ایک فطری نتیجہ ہے پھر تم نے کیسے سوچ لیا کہ برائی کروگے تو نتیجے میں بھلائی پاؤ گے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ ممکن نہیں کہ سورج ہو اور روشنی نہ ہو۔ چاند ہو اور چاندنی نہ ہو۔ دن ہو تو مخلوق کام پر نہ جائے، رات ہو اور تاریکی نہ ہو۔ تم اس بات پر کیسے مطمئن ہو گئے کہ تم جھوٹ بولو اور تمہارا نقصان نہیں ہوگا؟ تم گناہ کروگے اور اس پر کوئی سزا نہیں ہوگی؟ تم چوری کرو اور وہ پکڑی نہیں جائے گی؟ یہ تم نے کیسے سوچ لیا؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم نافرمانی کر کے انعام پاؤ گے یا اطاعت کروگے تو کچھ نہیں ملے گا؟ پورے نظام میں جب کوئی شے بے نتیجہ نہیں تو تمہارے عقیدے اور کردار کا نتیجہ کیوں نہیں ہوگا؟

انسان کو فطری طور پر نیکی اور بدی کی استعداد دی گئی ہے:

فرمایا: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ اور انسان کی اور اس ذات کی جس نے اُسے سنوارا۔

فرمایا، خود انسان کی ذات کو دیکھو اسے قدرت نے کیا خوب سنوارا ہے! اس کا ایک ایک پور جوڑ کر بنایا

ہے۔ اس کی ایک ایک ہڈی، گوشت پوست رگ اور ریشہ اس ترتیب سے سنوارا کہ ہر حصہ اپنا نتیجہ دے رہا ہے۔ انسان کی ظاہری حالت میں بھی دیکھو تو پتا چلتا ہے کہ یہ زہر کھاتا ہے تو مرجاتا ہے۔ آنکھ پھوڑ دو گے تو اندھا ہو جائے گا، زبان کاٹ دو تو بات نہیں کر سکے گا۔ بھوکا رکھو تو مرنے لگے گا، پانی روک دو تو مرجائے گا یعنی ہر کام کا ایک حتمی نتیجہ ہے۔ اسے اچھی غذا دو صحتمند ہو جائے گا۔ صحیح دوا دو شفایاب ہو جائے گا۔ آرام دو، عزت دو، خوش باش اور صحتمند ہو جائے گا۔ اسے ذلیل کرو قید کردو سزا دو تو وہی صحتمند ناتواں ہو جائے گا۔ اسی طرح سردی آئے، گرم کپڑے پہن لے گا تو سردی سے بچ جائے گا۔ نہیں پہنے گا تو سردی سے بیمار ہو جائے گا۔ اگر وہ گرم کپڑے گرمی میں پہنے گا تو بیمار ہو جائے گا۔ وہی کپڑے جو سردی میں اسے موسم سے بچاتے تھے اب اس کے لیے مصیبت بن گئے۔ اب ہلکے پھلکے کپڑے پہنے گا تو خوش رہے گا۔ ہر کام کا ایک حتمی نتیجہ ہے۔ وہ کیسی عظیم ذات ہے جس نے جتنی مخلوق بنائی ہر نفس کو بنایا سنوارا اور اُسے تخلیقی طور پر اس کی فطری استعداد و دیعت فرما دی۔ ہر جاندار نے جو ذمہ داری نبھانی ہے، جس طرح زندگی بسر کرنی ہے، جس طرح رزق حاصل کرنا ہے، نسل بڑھانی ہے، بچے پالنے ہیں، شب و روز بسر کرنے ہیں وہ اپنا طریقۂ حیات فطری طور پر لے کر آتا ہے۔ جس چیز کو جو استعداد دی ہے وہ اس کی طبیعت ثانیہ بنا دی گئی ہے۔ مچھلی کا بچہ پانی میں پیدا ہوگا اور تیرنا شروع کردے گا۔ اُسے تیرنا سکھانے کی ضرورت نہیں اس کی فطرت ہے لیکن اگر اُسے کہو کہ زمین پر دوڑ لگائے تو وہ نہیں کر سکتا۔ وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سب مخلوق اپنے فطری رجحان کے تابع چلتی رہتی ہے۔ تمام جاندار، جانور، پرندے، شجر و حجر اپنی فطری خصوصیات سے باہر نہیں جا سکتے۔ جو کام فطرت نے سکھا دیا وہ طریق احسن کر رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ شہد کی مکھی بڑی کاریگر ہے وہ بڑے عجیب طریقے سے پھلوں اور پھولوں سے رس جمع کرتی ہے۔ وہ ہر شاخ، ہر پودے پر لگے پھول سے رس لے لیتی ہے یہ نہیں کہ کسی خاص پھول سے لے اور ایک ایسا محلول تیار کرتی ہے جسے شہد کہتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اس میں شفا ہے۔ اللہ کریم نے اس کی فطرت میں یہ شعور بھی رکھا ہے کہ وہ اپنے چھتے کو اس خوبصورتی سے بناتی ہے اور آٹھ آٹھ ضلع بناتی ہے جس کا ہر ضلع بالکل برابر ہوتا ہے۔ اگر ناپ کر دیکھا جائے تو بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں۔ پھر اس کا تعاقب کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اس کے شہد کے چھتے تک پہنچا جائے۔ جو لوگ شہد کا چھتا تلاش کرتے ہیں وہ بہت محنت کرتے ہیں اور انہیں کئی دنوں کی محنت کے بعد چھتے کا سراغ ملتا ہے۔ جب مکھی پھول سے رس لے کر اڑتی ہے تو سیدھی چھتے پر نہیں جاتی بلکہ بہت سے موڑ کاٹ کر چھتے پر جاتی ہے اُسے پتا ہے کہ پیچھے کوئی آسکتا ہے۔ اسی طرح تیز دھوپ میں جب شہد کے پگھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ساری مکھیاں اس کے اوپر جمع ہو کر بھنبھنانا شروع کر دیتی ہیں۔ اتنی ہوا ہو جاتی ہے کہ چھتا ٹھنڈا رہتا ہے۔ یہ بھی انہیں فطری طور پر پتا ہے کہ پروں سے ہوا دیں ورنہ وہ پگھل کر بہہ جائے گا۔ اب اتنی کاریگر

ہے لیکن کیا چھتے کے علاوہ کچھ اور بھی تعمیر کر سکتی ہے؟ نہیں۔ جس چیز کو فطری طور پر جو استعداد دی گئی ہے وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ہر جاندار کو اس کی زندگی کا سلیقہ سکھا دینا یہ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ یہ سب بلا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ فضول کام نہیں ہے بلکہ اس کا حتمی نتیجہ ہے۔

اللہ کریم نے البتہ انسان کو سب سے اعلیٰ تخلیق بنایا اور کیسا عجیب سنوارا! اس کو انتہائی خوبصورت انداز سے پیدا فرمایا اور اس کو دنیا کی چیزیں استعمال کرنے کی فطری استعداد بخش دی ہے۔ باقی تمام جانداروں کی پسند محدود کر دی گئی ہے۔ جو پرندے دانہ کھاتے ہیں وہ صرف دانہ ہی کھا سکتے ہیں گھاس نہیں کھا سکتے۔ جو جانور سبزہ چرتے ہیں وہ سبزہ ہی چرتے ہیں، جو گوشت خور ہیں وہ گوشت ہی کھاتے ہیں۔ ہر جاندار کو اس کے رزق کے حصول کا طریقہ، سلیقہ فطری طور پر سکھا دیا گیا ہے۔ انسان البتہ اللہ کی ایسی مخلوق ہے کہ اسے ہر چیز کے استعمال کا شعور اور قابلیت عطا کر دی گئی ہے۔ اسے بتا دیا کہ یہ کائنات ہے، اس میں یہ چیزیں ہیں۔ ان میں حسن بھی ہے اور لذت بھی، آرام بھی ہے، دکھ اور تکلیف بھی ہے۔ بیماریاں بھی ہیں۔ یہ زہر ہے، اس کو کھانے سے موت واقع ہو جائے گی چاہو تو کھا سکتے ہو۔ دوسری طرف یہ بہترین غذا ہے یہ کھانے میں بھی لذیذ ہے اور صحت بخش بھی ہے۔ یہ کھانا چاہو تو کھا سکتے ہو۔ انسان کی آزمائش اور اعلیٰ ہونے کی دلیل بھی یہی اختیار ہے جو باقی جانداروں کے پاس نہیں ہے۔ اللہ کریم نے انسان کو کیسا عجیب سنوارا، فرمایا: فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿٨﴾ پھر اس کو برائی اور نیکی کا شعور دیا۔

اللہ کریم نے اس میں عجیب ضدیں جمع کر دیں، کیا عجیب مجموعہ بنا دیا اسے کہ یہ فطری طور پر نیکی اور بدی دونوں کر سکتا ہے! یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ باقی ذی الارواح کی طرح فطری خصوصیات سے باہر نہ جا سکتا ہو۔ انسان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے کہ اگر فطری طور پر نیکی کے لیے بنتا تو صرف نیکی ہی کر سکتا، برائی کر ہی نہ سکتا یا برائی کے لیے بنتا تو پھر نیکی کر ہی نہ سکتا۔ اللہ نے انسان کو بااختیار بنایا ہے اور یہ نیکی بھی کر سکتا ہے، برائی بھی کر سکتا ہے۔ ابلیس نے اللہ کی نافرمانی کی اور برائی کا علمبردار بن گیا لیکن اللہ کریم نے انسانوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا بلکہ جہاں جہاں ضرورت پڑی ہدایت کے لیے انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔ انسانی تاریخ کا ایک کلیہ رہا ہے جب بھی کسی نبیؑ کی تعلیمات دنیا سے مٹ گئیں، کوئی جاننے والا نہ رہا تو فوراً دوسرا نبیؑ مبعوث ہو گیا۔ جب تک پہلے نبیؑ کے کچھ ماننے والے اور تعلیمات باقی رہیں تو نیا نبیؑ مبعوث نہیں ہوا لیکن جب بھی تعلیماتِ نبوت ختم ہوئیں تو اللہ نے دوسرا نبیؑ مبعوث فرما دیا۔ ہر قوم کی طرف نبیؑ بھیجے۔ کسی انسانی آبادی کو محروم نہیں رکھا۔ چونکہ قوموں کے مخصوص علاقے ہوتے تھے اور آمد و رفت کے ذرائع کم تھے، معاشرے اور ماحول محدود تھے۔ اگر ایک ہی علاقے میں نبیؑ آتا تو باقی لوگوں تک تعلیماتِ نبوت کیسے پہنچتی؟

اللہ کریم نے اتنی مہربانی فرمائی کہ ہر قوم میں، ہر بستی میں انبیا مبعوث فرما دیے۔ جب بعثتِ عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وقت آیا تو اللہ کریم نے ایسے اسباب و ذرائع بھی پیدا کر دیے کہ روئے زمین کو یکجا کر دیا سفری وسائل بھی آسان ہو گئے، بات کرنا بھی آسان ہو گئی۔ دنیا کی ایک سرے کی بات دوسرے سرے تک پہنچنے لگی۔ ساری انسانیت ایک آبادی، ایک بستی ایک گاؤں بن گئی۔ جسے آج کی انگریزی اصطلاح میں ہم گلوبل ویلج (GLOBAL VILLAGE) کہتے ہیں کہ پوری دنیا ایک گاؤں بن گئی یعنی سمٹ آئی۔ اللہ کریم نے پھر اپنا وہ عظیم الشان نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا۔ جو سلسلہ ءنبوت کی آخری کڑی تھی، تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امام اور سردار، جسے ساری انسانیت کے لیے سارے زمانوں کے لیے مبعوث فرما دیا۔ بعثتِ آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تکمیلِ نبوت ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی مبعوث ہوئے لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دنیا سے اُٹھ جائیں گی تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ دنیا کا نظام ختم ہو جائے گا۔ کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نیا دین نہیں آئے گا۔ نیکی کی طرف دعوت دینے والی ہستیاں اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انسانوں میں ہمیشہ بھیجے جاتے رہے جو انہیں بھلائی کی طرف بلاتے رہے۔ فرمایا، اس مخلوق کو شعور دیا، استعداد دی، اس کی ضرورتیں بنائیں۔ اُن کی تکمیل کے اسباب پیدا کیے۔ اُن کو استعمال کرنے کے لیے عقل و شعور اور استعداد بخشی استعمال کا سلیقہ سکھایا اور اسے قوت دی کہ یہ اچھائی بھی کر سکتا ہے اور چاہے تو برائی بھی کر سکتا ہے۔ پھر اسے دعوت دی گئی کہ اچھائی کرو، برائی نہ کرو۔

یہ کائنات ربّ العالمین کا دسترخوان ہے، ساری نعمتیں اُس کی ہیں۔ تمہارا ذاتی کچھ نہیں ہے۔ ان نعمتوں کو کھاؤ پیو استعمال کرو لیکن اس طریقے سے کرو جو طریقہ رب العزت بتائے تاکہ تمہارے استعمال کرنے کے انداز سے پتا چلتا رہے کہ یہ تمہاری ملکیت نہیں ہے، ان کا مالک اللہ ہے۔ اب جھگڑا کہاں سے شروع ہوتا ہے، برائی کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ گناہ کی بنیاد کیا بنتی ہے؟ جب انسان کہتا ہے کہ سب کچھ میرا ہے۔ دولت، عہدہ، حکومت سلطنت سب میرا ہے میں جو چاہوں کروں۔ جب اپنی ملکیت پر لے گا تو پھر اپنی پسند کے مطابق استعمال بھی کرے گا۔ جب انسان خود کو مالک سمجھ لیتا ہے تو نعمتوں کو اپنی پسند ناپسند پر جو کبھی غلط، کبھی صحیح ہوتی ہے اس پر استعمال کرتا ہے۔ اس پر رائے بھی اپنی رکھتا ہے، حکم بھی اپنا چلاتا ہے۔ اللہ کریم نے انسان میں دونوں صلاحیتیں رکھ دیں ہیں۔ وہ چاہے تو یہ احساس زندہ رکھے کہ یہ کائنات اللہ ربّ العالمین کی ہے۔ یہ معمورۂ عالم کب سے آباد ہے اور جب تک اللہ چاہے گا، آباد رہے گا۔ میں یہاں نہیں تھا لیکن یہ کائنات آباد تھی، یہ زمینیں بھی تھیں، مکان بھی تھے۔ کھیتیاں بھی اُگتی تھیں، بارشیں بھی برستی تھیں۔ لوگ بھی تھے، جانور چرند پرند بھی بستے تھے، پھر میں آ گیا، میری ایک باری ہے، میں اپنا وقت پورا کر کے چلا جاؤں گا، یہ معمورۂ عالم آباد رہے گا تو میرا تو اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جب میں یہاں آیا تو خالی ہاتھ تھا

ہر چیز لوگوں کے پاس تھی۔ اللہ نے مجھے دی اور جب ایک دن جاؤں گا تو سب کچھ یہیں چھوڑ کر جانا ہے۔ میرے بعد پتا نہیں کس کے نصیب میں ہیں۔ اگر یہ فلسفہ سمجھ آجائے تو پھر انسان بددیانتی کی کوشش نہیں کرتا کہ جب چیز کسی کی ہے تو اس میں مداخلت کا کیا فائدہ، کیا ضرورت ہے! جیسا مالک کہتا ہے کرو لیکن جب بھول جاتا ہے تو پھر کہتا ہے کہ سب میرا ہے۔ پھر اس میں اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے۔ فرمایا، یہ دونوں طرح کی صلاحیتیں انسان میں رکھ دی ہیں۔ اب فیصلہ اس کا اپنا ہے۔ ایک طرف شیطانِ مردود برائی کے مشورے دے رہا ہے، دوسری طرف اللہ کے نبیؑ اور رسولؐ نیکی کی دعوت دے رہے ہیں۔ انسان کے پاس اختیار ہے کہ کس کی بات سنتا ہے، کس کی طرح زندگی گزارنا چاہتا ہے، کس کی رائے پر عمل کرتا ہے کس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے!

قرآنِ کریم نے وہ منظر کشی کی ہے کہ جب قیامت کو فیصلہ ہو جائے گا اور جہنم بھر جائے گا تو اہلِ جہنم کو شکایت ہوگی کہ ہمیں شیطان نے برباد کر دیا، اس نے ہمیں دوزخ پہنچا دیا۔ شیطان تب اللہ کریم سے اجازت چاہے گا کہ ان اہلِ جہنم کو جواب دے سکے۔ وہ سب کو مخاطب کر کے کہے گا کہ لوگو! اللہ کریم نے تمہارے پاس اپنے نبیؑ بھیجے کتابیں بھیجیں۔ تمہیں حق کی طرف بلایا اور تمہارے ساتھ انعام کے وعدے کیے، وہ سچ تھے۔ میں نے تمہیں برائی کی طرف بلایا تمہیں سبز باغ دکھائے میں نے جھوٹ بولا تھا۔ تم نے سچ کو چھوڑ دیا اور میرے جھوٹ کو مان لیا وہ کہے گا: فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم: 22) سوتم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔

شیطان کہے گا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے اللہ کی بات چھوڑ کر میری بات مانی؟ اللہ کی بات سچی بھی تھی جبکہ میں جھوٹ بول رہا تھا تو قابلِ ملامت کون ہے؟ تم اپنے آپ کو ملامت کرو کہ تم نے دعوت الی اللہ چھوڑ کر ایک جھوٹ قبول کر لیا۔ تمہیں شرم نہیں آئی؟ اب چیخو یا چلاؤ تمہیں بھی جہنم بھگتنا ہے مجھے بھی بھگتنا ہے۔ قرآن ہمیں آج وہ منظر دکھا رہا ہے، وہ بات سنا رہا ہے جو شیطان نے فیصلہ ہونے کے بعد وہاں کرنی ہے۔ لوگ زندگی بھر شیطان پر ملامت کرتے رہتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ جو ساری عمر شیطان کی پیروی کرتے ہیں وہ بھی اس پر لعنتیں بھیجتے رہتے ہیں۔ فرمایا، وہ ایک دن ساری اکٹھی کر کے تمہیں لوٹا دے گا کہ تم پر ساری مصیبت اس لیے آئی کہ تم نے میری بات مان لی۔ فرمایا، ہم نے اسے برائی اور نیکی دونوں طرح کی استعداد اور قوت دے دی ہے۔ اسے عقل اور شعور دے کر دونوں راستے بتا دیے۔

انسان کے انتخاب کا کیا نتیجہ نکلے گا؟

انسان نیکی اور برائی میں سے کیا منتخب کرتا ہے، یہ سارا نظام گواہ ہے کہ اس کے انتخاب کا بھی نتیجہ ہوگا۔ وہ

نتیجہ کیا ہوگا؟ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ جس نے خود کو پاک رکھا یقیناً کامیاب ہوا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملایا یقیناً نقصان میں رہا۔

جس نے اپنے دامن کو برائی سے بچا کر پاک رکھا، اللہ کی اطاعت اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا رہا وہ یقیناً کامیاب ہوگیا۔ یہ وسیع نظام اپنے ہر پہلو سے اس بات پر گواہ ہے کہ جس نے نورِ ایمان، ذکرِ الٰہی، عبادت اور اطاعت سے اپنے دامن کو پاک کرلیا، اُسے برائی سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ اپنا آپ سنوار لیا وہ کامیاب ہوگیا۔ وہ دنیا میں معزز رہا، پرسکون زندگی گزاری، اطمینان سے وقت بسر کیا اور عزت و آبرو سے دنیا سے رخصت ہوا پھر آخرت میں سرخرو ہوا اور دائمی زندگی میں بھی کامیاب رہا۔ فرمایا: وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ اور جس نے اپنا دامن خاک آلود کرلیا اُس نے اپنے آپ کو مٹی میں ملا دیا۔ اللہ نے اسے ایک اعلیٰ مخلوق بنایا تھا لیکن اس نے نافرمانی سے، گناہ کر کے، بداخلاقی سے، برا کردار اپنا کر، برا عقیدہ اپنا کر خود کو اس اعلیٰ مقام سے گرا کر خاک میں ملا دیا۔ اس نے اپنا نقصان کرلیا، خود برباد ہوگیا، تباہ ہوگیا۔

انسان سمجھتا ہے کہ میں نے چوری ڈاکے سے دوسرے کا نقصان کیا ہے جبکہ قرآن کریم یہ اصول سمجھاتا ہے کہ لٹنے والے کی روزی بھی اللہ نے اُسے دینی ہے جو اس کا مقدر ہے، اسے ضرور ملنا ہے۔ تُو نے جو اس سے چھینا ہے یہ اس کے نصیب میں نہیں ہوگا لیکن تو نے اُسے لُوٹ کر اپنے آپ کو تباہ کردیا۔ کھانا تو شاید تیرے مقدر میں بھی ہے یا نہیں لیکن لُوٹنے کا، چھیننے کا جو عمل ہے اس نے تیرے دامن کو آلودہ کردیا۔ انسان اس پر نہ رہے کہ اُس نے فلاں کو قتل کردیا، فلاں کا مال لوٹ لیا، لوگوں کا اتنا نقصان کردیا بلکہ جان لے کہ وہ صرف اپنا نقصان کررہا ہے۔ جن کو لوٹ رہا ہے یا قتل کررہا ہے، وہ شاید اپنی کسی مصیبت میں یا کسی عمل میں گرفتار ہوں گے لیکن یہ اپنے آپ کو تباہ کررہا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ گناہ کی بنیاد ہمیشہ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع ہوتی ہے۔ آج عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مولوی صاحب کو اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ پائنچے ٹخنوں سے اوپر ہوں، داڑھی کا خط کیسا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ درحقیقت اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کردیا جائے تو بڑی بڑی باتیں بھی نظر انداز ہوجاتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی فروگزاشتیں بڑے بڑے گناہوں کا دروازہ کھول دیتی ہیں۔ یہ بات بھی عموماً کہی جاتی ہے کہ مولوی حضرات لباس پر، حلیے پر خوامخواہ اصرار کرتے ہیں۔ سترِ عورت فرض ہے وجود ہی ڈھانپنا ہے، کسی طرح سے بھی ڈھانپ لیا۔ گرمی سردی سے بچ گئے اور سترِ عورت کرلیا اس سے آگے تو کوئی پابندی نہیں کہ کیسا لباس کوئی پہنے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے، فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مشکوٰۃ) جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا روزِ حشر اس کو اسی قوم میں کھڑا کیا جائے گا۔

اس ضمن میں علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'مقدمہ ابن خلدون' میں لکھتے ہیں کہ جس قوم کی مشابہت لباس یا حلیے میں اختیار کر لی جائے اُس کی بہت سی قباحتیں پھر انسان ہلکی سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ اس قوم کی بہت سی بڑی بڑی برائیاں پھر بڑی نہیں لگتیں، چھوٹی لگنا شروع ہو جاتی ہیں چنانچہ ویسا بننا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب مثال دیتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اگر آپ مرغی کی غذا میں اونٹ کے گوشت کا قیمہ ملا کر مرغی کو کھلانا شروع کر دیں تو آپ دیکھیں گے کہ جب وہ اتنے بڑے جانور کا گوشت کھائے گی تو اس کا انڈہ بڑا ہو جائے گا۔ یہ فطرت کا نظام ہے۔ وہ فرماتے ہیں جس قوم کا لباس، حلیہ چہرہ مہرہ اختیار کر لیا جائے تو پھر اس کی بہت سی عادات در آتی ہیں نتیجتاً بندہ اُسی قوم میں ضم ہو جاتا ہے۔ ہم اپنا نظام دیکھ لیں کہ ہمارا ہر کھاتا پیتا اور صاحبِ اختیار بندہ، جس کے بھی بس میں کچھ ہے وہ اہلِ مغرب کی طرح کا لباس، حلیہ اور بود و باش رکھنا پسند کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہے؟ انہی کی طرح حرام حلال، پاکی پلیدی کی تمیز بھی ختم ہوگئی اور عبادات کا بھی تارک ہو گیا۔ اُنہی کی طرح سودی معیشت اپنالی اور شراب نوشی میں اُن سے بھی آگے نکل گیا۔ حکومتی پابندی کے باوجود بے حساب غیر ملکی شراب ملک میں آتی ہے اور اس کے علاوہ ہر گاؤں قریے میں لوگ گھروں میں بھی بناتے ہیں۔ یہ کیا قوم ہے؟ یہ کون سا ملک ہے؟ یہ کون سے اسلام کی ریاست ہے؟ پورے ملک کا نظام سود پر استوار ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ اب غیر مسلم اقوام سود سے تھک چکی ہیں۔ جاپان جیسا ملک جس کی اکثریت لا مذہب ہے۔ یہ لوگ جنگِ عظیم تک تو بادشاہ کو ہی خدا مانتے تھے، اب انہوں نے بھی سودی بینکاری کے مقابل بلا سودی بینکاری شروع کی ہے تاکہ سود سے نجات حاصل کر لی جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ سودی معیشت ملک کو تباہ کر رہی ہے۔ اس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے بڑے بڑے تھنک ٹینک (THINK TANK) دو باتوں کی تحقیق پر لگے ہوئے ہیں ایک یہ کہ سود ختم کیا جائے اور دوسرا زکوٰۃ کی طرح کا فکسڈ ٹیکس (FIXED TAX) کا نظام بنایا جائے۔

دراصل اسلامی احکام کے فائدے دو طرح سے ہیں، ایک دنیوی اور دوسرا اُخروی فائدہ بھی ہے۔ اگر کافر ان احکام پر عمل کرتا ہے تو دنیوی فائدہ اُسے بھی ہوتا ہے۔ اگر وہ لین دین میں دیانت داری کرے گا تو اس کی تجارت چمکے گی۔ سچ بولے گا تو عزت پائے گا۔ اب وہ بھی سمجھ گئے ہیں کہ اگر مال سے ایک حصّہ اللہ کے نام پر دیا جائے اور سود نہ لیا جائے تو معیشت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ اگر اس بات کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سمجھ کر کریں تو دونوں جہان کا فائدہ اٹھائیں گے ورنہ دنیا کا فائدہ تو یقیناً حاصل کریں گے۔ جیسے پیاسے کے لیے ٹھنڈا پانی ایک نعمت ہے۔ کافر ہو یا مومن دونوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے لیکن مومن پیے گا تو الحمدللہ! کہے گا، یہاں بھی پیاس بجھ گئی وہاں کا ثواب بھی پا لیا۔ کافر پی کر اللہ کو بھول جائے گا تو اُسے دنیا کا فائدہ تو بہرحال ہوگا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ قومیں ان

براؤں سے بھاگ رہی ہیں جن کی پیروی میں ہم ان سے چمٹے ہوئے ہیں۔ ہمارا سارا عدالتی نظام غیر اسلامی ہے لہٰذا غیر منصفانہ ہے۔ اس نظام سے انصاف ملنے کی توقع رکھنا حماقت ہے۔

فرمایا، جس نے دامن پاک رکھا وہ دنیا میں بھی پرسکون حیات پاتے ہیں اور آخرت میں بھی اُنہی کو آرام نصیب ہوگا اور جس نے دامن کو آلودہ کرلیا، خاک میں ملا دیا وہ یہاں بھی رسوا ہے آخرت میں بھی ذلیل ہوگا۔

انبیاؑ کی تعلیمات سے انکار، اللہ سے بغاوت ہے:

اللہ کریم نے انسان پر کتنے احسان فرمائے۔ اُسے نیکی، بدی، بھلا برا سمجھا دیا اور استعدادِ کار بھی عطا فرمائی، عقل و شعور عطا کیا اور دونوں راہیں واضح کردیں۔ اُسے نیکی اور برائی کے انجام سے بھی باخبر کردیا۔ اس سب کے بعد یہ احسان بھی فرمایا کہ نیکی کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاؑ مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ اس کے باوجود لوگوں نے اللہ سے بغاوت کی اور یہ بغاوت کیا تھی؟ فرمایا: كَذَّبَتْ ۔۔۔ جھٹلا دیا یعنی انبیاؑ کی تعلیمات کا انکار کر دینا، اُسے اہمیت نہ دینا ٹھکرا دینا ہی اللہ سے بغاوت ہے۔ جیسے قومِ ثمود کا حال ہے، فرمایا: كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ ''ثمود نے اپنی سرکشی سے (پیغمبر) کو جھٹلایا۔''

فرمایا، جس طرح قومِ ثمود نے بغاوت کرتے ہوئے تعلیماتِ نبوت کا انکار کر دیا۔ قومِ ثمود کا جرم کیا تھا؟ حضرت صالح علیہ السلام نے ثمود کو دعوتِ حق دی۔ اُنؑ کی تعلیم یہی تھی کہ یہ دنیا تمہاری نہیں ہے۔ تمہاری زندگی بھی اللہ کی عطا ہے۔ سب کچھ اللہ کا ہے۔ تم زندگی کی ساری راحتیں حاصل کرو لیکن اس کا طریقہ اور سلیقہ وہ ہو جو اللہ کریم فرماتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام اللہ کے رسولؑ ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ ہم اپنے آباء و اجداد کا یا اپنی پسند کا عقیدہ چھوڑ کر آپؑ کا بتایا ہوا عقیدہ اور نظریہ اپنا لیں۔ ہم اعمال میں بھی آپؑ کی پیروی کریں، مال بھی اپنا نہ سمجھیں اور اس میں آپؑ کے حکم کے مطابق تصرف کریں تو اس کا مطلب ہے کہ گو زندگی ہماری ہے لیکن ہم اُسے آپؑ کی مرضی کے مطابق بسر کریں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے بہت عجیب معجزہ طلب کیا۔ ایک بہت بڑی چٹان تھی تو وہ کہنے لگے کہ اگر آپ علیہ السلام اللہ کے نبیؑ ہیں تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلے جو اونٹنی گابھن ہو اور باہر نکلے تو وہ بچہ دے دے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم سمجھیں گے کہ آپؑ اللہ کے برحق نبیؑ ہیں کیونکہ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے اور صرف تائیدِ باری سے ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہم آپؑ کو اللہ کا نبیؑ مان لیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا فرمائی اور وہ چٹان پھٹ گئی۔ اس سے ایک عظیم الجثہ اونٹنی برآمد ہوئی اور اس نے بچہ بھی دے دیا۔ اب قوم کے پاس ایک ہی چشمہ تھا جس سے پانی آتا رہتا تھا۔ اس چشمے پر انہوں نے ایک چھوٹا سا

تالاب بنا رکھا تھا اس میں رات بھر پانی جمع ہوتا رہتا تھا اور صبح وہ اپنے مویشیوں کو وہاں پانی پلاتے تھے۔ اس میں صبح تک اتنا ہی پانی جمع ہوتا تھا جتنا اُن کے ریوڑوں کے لیے اور اُن کی ضرورت کے لیے کفایت کرتا۔ پھر دوسری صبح تک وہ دوبارہ بھر چکا ہوتا۔

فرمایا: كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ⑪ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ⑬ ثمود نے اپنی سرکشی سے (پیغمبر کو) جھٹلایا۔ جب اُن میں سے ایک بد بخت اُٹھا۔ تو اللہ کے رسول (صالح علیہ السلام) نے اُن سے اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری (کی حفاظت) کے بارے کہا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو معجزاتی طور پر چٹان سے نکلی ہے اس کی غذا کا تم پر بوجھ نہیں ہے۔ یہ جنگل میں چرے گی لیکن یہ عظیم الجثہ ہے چنانچہ اس تالاب سے ایک دن یہ سارا پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پییں گے۔ اس کے پانی کی باری کو مت روکنا۔

لوگ انبیا کی تعلیمات کا انکار کیوں کرتے ہیں؟

اس کی وجہ یہاں ارشاد فرمادی کہ انبیاءؑ دنیا کی کسی راحت کسی نعمت سے روکتے نہیں لیکن لوگوں کو لگتا ہے کہ شاید وہ ناجائز ذرائع سے چھینا جھپٹی سے زیادہ دولت حاصل کر لیتے، زیادہ عیش کر لیتے۔ دین جو پابندیاں لگاتا ہے اس میں ہم پابند ہو جاتے ہیں، نقصان اٹھاتے ہیں۔ آج بھی ہم اگر گناہ کرتے ہیں، جرم کرتے ہیں، شریعت کے مطابق کام نہیں کرتے تو اس کے پیچھے یہی بات ہوتی ہے کہ اگر یہ نہیں کروں گا تو زیادہ مزہ آئے گا، زیادہ آرام ملے گا۔ زیادہ پیسہ کما لوں گا، اپنی پسند سے عیش کروں گا، میں کسی کا قیدی نہیں ہوں۔ اسی طرح ثمود نے بھی صالح علیہ السلام کی تعلیمات کا انکار کر کے اپنا غیر عادلانہ رویہ جاری رکھا۔

اُن کی قوم میں سے ایک بد بخت آگے لگا اور اس نے صالح علیہ السلام کے خلاف محاذ بنا لیا۔ جو لوگ دین کے خلاف لوگوں کو لے کر چلتے ہیں وہ سب سے بڑے بد بخت ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول علیہ السلام نے تو انہیں کہا تھا کہ یہ اونٹنی اللہ کی نشانی ہے، معجزاتی ہے۔ تم نے معجزہ مانگا تھا عطا ہو گیا تو اب اسے پانی پینے دو یعنی اپنے وسائلِ دنیا کو معجزۂ نبوت کے مطابق تقسیم کرو۔ فرمایا: فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۔۔۔ تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں۔

اُن میں سے سب سے بڑا بد بخت وہ تھا جو سب سے پہلے اٹھا کہ اس اونٹنی کو مار دینا چاہیے۔ پھر اس نے دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا۔ وہ اونٹنی بہت عظیم الجثہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ کر اسے مار دیا۔ گھٹنوں کے

نیچے سے پاؤں تک جو ٹانگوں کا پتلا حصہ ہوتا ہے، اُسے کونچیں کہتے ہیں تو پہلے انہوں نے تلواروں سے وار کر کے اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ جب وہ گرگئی تو اُسے مار دیا۔ اُن کی غرض یہ تھی کہ یہ ہمارا سارا پانی لے لیتی ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کو کسی نے اطلاع دی کہ قوم نے اونٹنی کو مار دیا ہے تو انہوں نے فرمایا، اس کا بچہ تھا، اب اُسے روک لو اور ایذا نہ دینا تو یہ عذاب سے بچت کا سبب ہوگا۔ اس بچے کو تلاش کرو۔ قوم نے جب اونٹنی کو مار دیا تو وہ بچہ جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ لوگ تلاش میں بھاگے، بہت تلاش کیا لیکن وہ بچہ نہ ملا۔ انہوں نے صالح علیہ السلام سے عرض کی کہ وہ بچہ تو گم ہوگیا ہے، نہیں مل سکا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تمہارے پاس عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ چنانچہ وہی ہوا ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ فرمایا: فَدَمۡدَمَ عَلَیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا پس سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا۔

اللہ کریم نے اُن کے جرائم کی وجہ سے اُن پر ایسا عذاب بھیجا جو پلٹ پلٹ کر، مُڑ مُڑ کر اُن پر آتا تھا۔ اِدھر سے روکتے تھے، اُدھر سے نمودار ہو جاتا تھا، وہاں سے تحفظ کے لیے بھاگتے تو اُدھر سے آجاتا۔ گھوم گھوم کر پھر پھر کر آنے والے عذاب نے اُنہیں چکی کی طرح پیس کر رکھ دیا۔ سوائے اُن چند لوگوں کے جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے باقی سب تباہ ہوگئے۔ سب کو برابر کر دیا کوئی بڑا چھوٹا، امیر غریب، کوئی نہ بچا۔ اگر یہ لوگ اس بچے کو ہی روک لیتے تو عمومی عذاب سے بچ جاتے لیکن سوائے اہلِ ایمان کے کوئی نہ بچ سکا۔

فرمایا: وَلَا یَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴿۱۵﴾ اور (اللہ) کو اس کے انجام سے کوئی خوف نہ تھا۔

وہ ذاتِ بے نیاز ایسی عظیم الشان ہے اُسے کسی ردِ عمل کا کوئی ڈر نہیں۔ اس کی گرفت جب آتی ہے تو کوئی چوں بھی نہیں کرسکتا، کوئی ردِ عمل نہیں دے سکتا۔ دنیا کی حکومتیں جب کوئی کام کرتی ہیں تو اُنہیں ردِ عمل کا بھی اندازہ کرنا پڑتا ہے۔ حکمران کسی کو سزا دیتے ہیں تو بغاوتیں ہو جاتی ہیں، فساد ہو جاتے ہیں اور کچھ نہیں تو احتجاج میں جلوس نکلتے ہیں۔ دنیا کے بادشاہ تو ردِ عمل سے ڈرتے ہیں لیکن اس قادرِ مطلق کو کسی ردِ عمل کا اندیشہ نہیں ہے۔ اس کی بارگاہ اتنی عظیم ہے کہ وہاں کوئی دم نہیں مار سکتا۔

اسلام کے معجزاتی نظام سے ہمارا سلوک:

قرآنِ کریم کا موضوع تاریخ نہیں ہے۔ قرآن ہمیں تاریخ بتانا چاہتا ہے نہ ہی کہانیاں سنانا چاہتا ہے۔ قرآن ہمیں درسِ عبرت دیتا ہے ہمیں ترغیب دیتا ہے کہ ہم اپنے کردار کا جائزہ لیں اور اُن اقوام کے کردار

کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھیں۔ ان قوموں کا کردار بھی دو طرح سے تھا، اطاعت گزاری یا نافرمانی کا تھا چنانچہ اُن کا انجام کیسا ہوا۔ اطاعت گزاروں کی کیا عزت افزائی ہوئی اور نافرمانوں کا کیا انجام ہوا۔ قرآنِ کریم یہ دعوتِ فکر دیتا ہے کہ اپنے کردار کو اس پیمانے میں تول کر دیکھو۔ اگر اطاعت کرو گے تو زندگی ہی نہیں بلکہ موت بھی آسان ہو جائے گی۔ یہاں بھی عزت پاؤ گے اور وہاں بھی معزز ہو گے۔ دونوں عالم میں خوشحال ہو جاؤ گے۔ اگر نافرمانی کرو گے تو خواہشات بھی پوری نہیں ہوں گی اور دونوں عالم میں بربادی بھی ہو گی۔ قرآنِ کریم یہ واقعات درسِ عبرت کے طور پر بیان فرماتا ہے اور عمومی کردار پر بات کرتا ہے۔ ایک عمومی پیمانہ اور معیار ہے جس کی زد میں ہم سب آتے ہیں۔ ہم سب کو اپنی فکر کرنی چاہیے کہ ہم کتنی اطاعت کر رہے ہیں اور کہاں ہم سے دامنِ اطاعت چھوٹ رہا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ اُن کی اونٹنی تھی۔ قومِ ثمود نے اُسے مار دیا اور تباہ ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ کیا ہے؟ قرآنِ کریم جو اللہ کا ذاتی کلام ہے جو نصابِ حیات ہے، ایک ایسا عظیم معجزہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ صحرائے عرب میں بیٹھ کر ایک ایسا نظامِ حیات دیا جائے جو قیامت تک روئے زمین کے ہر فرد کے لیے ہر ملک وقوم کے لیے ہر موسم ہر حال میں قابلِ عمل ہو اور باقی تمام مروجہ نظاموں سے یا طرزِ حکومت سے آسان تر بھی ہو، عنداللہ مقبول بھی ہو اور اس پر آخرت کی تعمیر بھی ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات ہیں لیکن یہ وہ معجزہ ہے جو سب سے بڑا ہے۔ دنیا میں کسی ایک ملک کے قوانین دوسرے کے لیے قابلِ عمل نہیں ہیں بلکہ ایک ملک کی مختلف ریاستوں اور صوبوں میں بھی الگ الگ قوانین ہیں۔ دنیا میں معاشرے الگ ہیں، موسم الگ ہیں، تہذیب و معاشرت، سورج الگ ہے تو ممالک کو ایک قانون دینا یہ ناممکن بات ہے۔ یہ معجزہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظام اپنے ظہور سے قیامت تک قائم رہے گا۔ یہ معجزاتی نظام ہر انسان کو انسانی حقوق دیتا ہے۔ آج مسلمانوں کو یہ شکوہ ہوتا ہے کہ روئے زمین پر جہاں بھی مصیبت آتی ہے مسلمانوں پر آتی ہے۔ اسی سوچ کی ترجمانی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شکوہ میں فرمائی تھی۔

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

کیا مسلمانوں نے کبھی یہ سوچا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے معجزاتی نظام، اُن کی تعلیمات کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ صالح علیہ السلام کا معجزہ وہ اونٹنی تھی جسے اس قوم نے مار دیا تھا جبکہ مسلمانانِ عالم نے اس نظام کو قتل کر دیا۔ سوائے چند عرب ممالک کے جہاں کم از کم حدود نافذ ہیں باقی ساری مسلم دنیا

میں عمومی طور پر اور وطنِ عزیز میں بھی اس معجزاتی نظام کی بجائے کافرانہ نظام رائج ہے اور اُس پر عمل ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ نظام کسی انسان کو دوسرے کا حق چھیننے نہیں دیتا۔ یہ کہتا ہے کہ ہر بندہ اپنا حق لے۔ اس پر ہی رہے جبکہ اربابِ اختیار اور امراء خود عیش کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ دوسروں کا نوالہ ہی چھیننا نہیں چاہتے بلکہ اپنا پسِ خوردہ بھی کسی کو نہیں دینا چاہتے۔ لہٰذا ہم نے اس نظام کا راستہ روک رکھا ہے۔ اسے قتل کر دیا ہے۔

جس طرح قومِ ثمود میں سے ایک سب سے بڑا بدبخت اٹھا تھا جس نے سب سے پہلے کہا تھا کہ اس اونٹنی کو مار دینا چاہیے اور دوسروں کو ساتھ ملا لیا تھا۔ اسی طرح آج کے سب سے بڑے بدنصیب وہ ہیں جو غیر اسلامی نظام کے علمبردار ہیں۔ یعنی جو بھی خلافِ اسلام نظام کی قیادت کرے گا وہ سب سے بڑا بدبخت ہوگا۔ یہ لوگ جنہیں عوام بڑا نامور لیڈر یا قائد، کیا کیا القاب دیتی ہے وہ سارا دن جمہوریت کی رٹ لگاتے رہتے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں ایسا کرنے والے بدبخت ترین لوگ ہیں۔

برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمانوں نے اسلامی آئین و دستور نافذ کر رکھا تھا۔ سکھوں کے دور میں بھی اُسے چھیڑا نہیں گیا۔ سکھوں نے مسلمانوں کے نظام میں مداخلت نہیں کی تھی اُن کے مدارس ختم نہیں کیے تھے اُن کے عقیدے اور عبادات میں تعرض نہیں کیا تھا۔ انگریز نے آ کر سارے اسلام کے نظام کو جڑ سے اکھیڑ کر اپنا کافرانہ اور غلامانہ نظام نافذ کر دیا۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ پون صدی سے وہی نظام جاری ہے۔ اس کی وجہ سے آج ملک میں صرف دو قومیں ہیں آقا اور غلام۔ جس کے پاس جتنا اختیار ہے اتنا وہ آقا ہے۔ جو جتنا مجبور ہے وہ اتنا غلام ہے۔ آقا کو چھینک آئے تو وہ غیر ملکی اعلیٰ ہسپتالوں میں علاج کے لیے چلا جاتا ہے جبکہ غلام بیمار ہو جائے، فرش پر مر جائے کوئی پوچھتا نہیں۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ پہلی قومیں بغاوت کر کے مختلف عذابوں میں تباہ کر دی گئیں، کوئی سیلاب میں غرق ہوئی کوئی زلزلے اور طوفانوں سے تباہ ہوئی کسی پر آسمان سے بیماریاں بھیج دی گئیں، طاعون بھیج دیا گیا اس سے ہلاک ہو گئے۔

اگر غور کریں تو آج ہم پر وہ سارے عذاب بیک وقت آ رہے ہیں۔ سیلاب آتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ یا قحط سالی آ جاتی ہے یا بارش ہو تو سیلاب آ جاتے ہیں یعنی دونوں طرف موت ہے۔ زلزلے، طوفان بھی آتے ہیں۔ کینسر اور طاعون بھی عام ہے، ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں جن کے بارے میں کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔ پھر لوگ آپس میں قتل و غارت گری بھی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی عزت بھی لوٹتے ہیں، مال بھی لے لیتے ہیں۔ جگہ جگہ تباہی اور دہشت گردی ہے۔ یہ ساری عذاب کی مختلف صورتیں ہیں۔ قومِ ثمود تو ختم ہو گئی تھی

تباہ کردی گئی تھی، ہم پھر بھی زندہ کیوں ہیں؟ انہوں نے معجزاتی اونٹنی کا خون کیا اور اس کے بچے کو بھی نہ بچا سکے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس کے بچے کو نہ جانے دینا۔ ہماری قوم میں ابھی اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں جو پورے نظام کو تو نہ بچا سکے مگر انہوں نے وہ بچہ پالا ہوا ہے۔ انہوں نے اسلام کو حرزِ جاں بنایا ہوا ہے۔ یہ لوگ حلال کھاتے ہیں، حرام سے بچتے ہیں اور ان کا عقیدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے عقیدے کے مطابق ہے۔ کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جو سچ بولتے ہیں، حقوق اللہ بھی ادا کرتے ہیں اور حقوق العباد کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ جو شب زندہ دار ہیں اللہ اللہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اونٹنی کو تو نہ بچا سکے لیکن اس کا بچہ انہوں نے پالا ہوا ہے۔ یہ جو ٹکڑے ٹکڑے اسلام افراد میں ہے، علمائے حق اور اولیاء اللہ کے پاس ہے یہ عمومی تباہی سے بچت کا سبب بنا ہوا ہے۔ ایسے لوگ ہماری بقا کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ آج بھی اللہ ہمیں توفیق دیں اور ہم اسلامی نظام اپنا لیں تو ہم پر اللہ کا رحم و کرم ہو سکتا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں سنور سکتی ہیں۔ اس کے لیے خواہشاتِ نفس کو لگام دینا پڑتی ہے۔ دوسروں کے حقوق پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا اور اپنے حق پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ بھی تماشا ہے کہ ہم اپنی خبر نہیں رکھتے دوسروں پر فتوے دینے میں بڑے تیز ہوتے ہیں۔ یہ مطالبہ سب لیے پھرتے ہیں کہ ملک پر اسلام نافذ کرو لیکن عجیب بات ہے اپنے معاملات درست نہیں کرتے۔ اپنے وجود پر اسلام نافذ نہیں کرتے اور دوسروں کو کہتے ہیں کہ وہ پچیس کروڑ لوگوں پر نافذ کردیں۔ اگر ہم میں سے ایک ایک فرد بھی اپنے آپ کو اسلام کے دامن میں ڈالتا جائے، اس میں پناہ لیتا جائے تو سارا ملک بھی اس طرف آجائے گا۔ اللہ کریم ہمیں توفیق دیں ہماری خطائیں معاف فرمائیں اور وطنِ عزیز پر قرآن کی، دین کی عدل اور انصاف کی حکومت قائم فرمائیں۔